اسلامیات لازمی

اسلام تعالی

4067

ڈگری کلاسوں کے لیے

یونٹ ۱ - ۹

4067

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Marfat.com

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی طرف سے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن سے منظور شدہ لازمی کورس اسلامیات کی مجوزہ کتاب برائے بی اے، بی ایس سی، بی کام، ایم بی بی ایس اور بی ایس سی انجینئرنگ

◎

کورس ایڈیٹر : ڈاکٹر اظہر حمید

تدوین : بشیر محمود اختر

ریڈیو، کیسٹ اور ٹی وی انچارج : جلیل قاضی

ناظم طباعت : شہاب الدین شہاب

◎

تاریخ اشاعت	تعداد اشاعت	ایڈیشن دوم	قیمت
۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء	۶,۰۰۰	باراول	۱۵٫۰۰ روپے

IZHAR SONS
Price
Rs. 39/45
LAHORE

طابع : سید اظہار الحسن رضوی

مطبع : اظہار سنز پرنٹرز، ۹ ریٹیگن روڈ، لاہور

◎

Marfat.com

4067

اِسلامیات

لازمی

کوڈ نمبر 416 ISL یونٹ 9 - 1

ڈگری کلاسوں کے لیے

ذخیرہ
محمد حبیب احمد شرقپوری نقشبندی مجددی
لاہور پاکستان

زیر نگرانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (اسلام آباد)

ناشر

اِظہار سنز

۱۹- اردو بازار لاہور

Marfat.com

87339

کورس ٹیم

چیئرمین: محمد حنیف چوہدری —— ڈائریکٹر ادارہ عربی و علوم اسلامیہ

مؤلف: خلیل الرحمان

تحریر: پروفیسر غلام احمد حریری — زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد

پروفیسر حافظ احمد یار —— سابق اُستاد پنجاب یونیورسٹی لاہور

خالدہ اختر —— پنجاب یونیورسٹی لائبریری (شعبۂ عربی)

ڈاکٹر حافظ محمد طفیل —— ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

ڈاکٹر خالد مسعود —— ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

محمد حنیف چوہدری
ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی
قاضی مُنیب احمد
} ادارہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

نظرِ ثانی: ڈاکٹر خالد علوی —— پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی

قاضی منیب احمد

تدوین: بشیر محمود اختر

ریڈیو۔ ٹی وی پروگرام: قاضی امر جلیل

خطاطی: خالد یوسفی ۔ احمد علی ۔ طارق اسلام

نگرانِ طباعت: شہاب الدین شہاب

Marfat.com

ذخیرہ
جمیل احمد شرقپوری نقشبندی
لاہور پاکستان

بسم الله الرحمن الرحیم

رب اشرح لی صدری
ویسر لی امری

صدق الله العظیم

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

یونٹ نمبر	عنوان	تحریر	صفحہ
۱	کتاب و سُنّت I (کتاب ۔ القرآن)	پروفیسر غلام احمد حریری/ خالدہ اختر	۹
۲	کتاب و سُنّت II (سنت ۔ الحدیث)	پروفیسر غلام احمد حریری/ خالدہ اختر	۳۱
۳	دین اسلام I (توحید)	پروفیسر حافظ احمد یار	۶۳
۴	دینِ اسلام II (رسالت و آخرت)	پروفیسر حافظ احمد یار	۹۱
۵	دینِ اسلام (عبادات)	پروفیسر حافظ احمد یار	۱۱۱
۶	اُسوۂ حسنہ (سیرتِ طیّبہ)	ڈاکٹر حافظ محمد طفیل/ محمد حنیف چوہدری	۱۴۳
۷	اسلام کے اخلاقی اقدار (فضائلِ اخلاق)	قاضی مُنیب احمد	۱۸۱
۸	اِنسانیت کی تعمیر میں اِسلام کا کردار	ڈاکٹر خالد مسعود	۲۱۵
۹	ہمارا مستقبل (ہمارے مسائل اور اُن کا حل)	ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی	۲۴۵

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ ثانی

پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کی ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے کہ یہ خطۂ زمین ایک حقیقی اسلامی مملکت کا رُوپ دھارلے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین جاری و ساری ہوں۔ اس مقصد میں کامیابی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم اپنی نوجوان نسل کو صحیح اسلامی تعلیمات سے رُوشناس کرا کر ان میں حقیقی اسلامی سپرٹ پیدا نہ کریں۔

اگرچہ ہم اب تک اس مُلک کے تعلیمی نظام کو پُوری طرح اسلامی نظریہ سے ہم آہنگ نہیں کر سکے۔ تاہم یہ بات بہت خوش آئند ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں اسلامی علوم کو ہر سطح پر لازمی مضمون کی حیثیت حاصل ہے اور وقت کی حکومت نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں جو پیش رفت کی ہے اور بہت سے مستحسن اقدامات کیے ہیں۔ اُن میں اسلامیات کو نصاب تعلیم میں شامل کر کے ہر مرحلے پر اس میں امتحان کی کامیابی کو لازمی قرار دینا بھی شامل ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے حکومت کی ہدایت پر بیچلر ڈگری کی سطح پر اسلامیات کے لازمی مضمون کے لیے یہ کتاب تیار کی تھی۔ اگرچہ یہ کتاب اس یونیورسٹی کے نظام کو پیش نظر رکھ کر تیار کی گئی تھی لیکن یہ مُلک کے مروجہ اور رسمی طریقہ تعلیم کے ماتحت چلنے والے کالج اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں بھی شامل رہی ہے اور طلبہ نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔

انسانی کوشش کبھی آخری اور مکمل نہیں ہوتی بلکہ اس میں ہمیشہ اصلاح اور بہتر سے بہتر کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس کتاب میں بھی کہیں کہیں کتابت وطباعت کی غلطیوں کے علاوہ نفسِ مضمون میں بھی تبدیلی کی ضرورت محسوس کی جاری تھی میں نے یہ کام ادارہ عربی وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے سُپرد کیا۔ چنانچہ ادارے کے اساتذہ نے اس کے بعض یونٹ از سر نو لکھے اور بعض میں ضروری ترمیم کی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب پر مشتمل ٹی وی پروگرام بھی از سر نو اس انداز سے بنائے جا رہے ہیں جن سے اسلام کی حقیقی تصویر سامنے آئے گی اور سیرت طیبہ کے نمایاں پہلو ایسے اسلوب سے اُجاگر کیے جائیں گے جس سے ایک طرف محبتِ رسولؐ پیدا ہو اور دُوسری طرف یہ بات ذہنوں میں جاگزیں ہو کہ ہمارے سیاسی معاشی، معاشرتی اور اخلاقی، تمام مسائل کا حل سیرت طیبہ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری ان مساعی کو قبول فرمائے اور اس نصاب کو نہ صرف طلبہ بلکہ عام قارئین کے لیے بھی مُفید بنائے (آمین)

(ڈاکٹر غلام علی الانا)
وائس چانسلر

۱۰ جنوری ۱۹۸۶ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ اوّل

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے اس لیے اسلامیات کی تعلیم ہمارے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ ہمارے معاشرہ میں دینی تعلیم کی ضرورت و اہمیت ہمیشہ مسلمہ رہی ہے اور والدین کی یہ کوشش رہتی ہے کہ ان کی اولاد اسلامی تعلیمات سے بخوبی واقف ہو اور اسلام کے بلند پایہ اقدار کو اپنا شعار بنائے۔

ہمارے نصابِ تعلیم میں ابتدا ہی سے اسلامیات کا مضمون شامل رہا ہے اور اس بات کو بار بار دُہرایا گیا ہے کہ نظامِ تعلیم میں اسلامی نظریہ کو مکمّل طور پر سمو دیا جائے، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ نہ تو اس اصول پر پُوری طرح عمل کیا گیا اور نہ اِسے اِس کا صحیح مقام عطا کیا گیا۔ اِس بات کی واضح دلیل یُوں ملتی ہے کہ ہمارے اکثر نوجوان اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اسلام کے بنیادی اصولوں سے کماحقہٗ واقفیت نہیں رکھتے۔

یہ امر نہایت خوش آئند ہے کہ موجُودہ حکومت نے اس حقیقت کو نہایت خلوص کے ساتھ تسلیم کیا اور اسلامیات اور مطالعۂ پاکستان کے مضامین کو نہ صرف نصاب میں لازمی حصّہ کے طور پر شامل کرنے کی ہدایت کی بلکہ ہر منزل پر ان میں امتحان کی کامیابی کو لازمی قرار دیا۔ ان اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے نوجوان طلبہ وطالبات صحیح معنوں میں مسلمان بن سکیں اور اس مملکتِ خداداد کے وفا شعار باشندے ہونے کا ثبوت دیں جس کے حصُول کے لیے لاکھوں انسانوں نے عظیم قربانیاں پیش کیں۔

حکومت کی ہدایات کے مطابق علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی بیچلر ڈگری کی سطح پر اسلامیات کے لازمی مضمون کے لیے یہ کورس پیش کر رہی ہے جسے علمائے کرام کی ایک جماعت نے تألیف کیا ہے۔ اگرچہ تدریسی مواد اس یونیورسٹی کے نظامِ تعلیم کو پیشِ نظر رکھتے ہُوئے تیار کیا گیا ہے لیکن توقع ہے کہ مُلک کے مروجہ اور رسمی طریقۂ تعلیم کے تحت چلنے والے تمام کالج اور یونیورسٹیاں بھی اس سے مستفید ہوں گی۔ درسی کتاب کے علاوہ چند منتخب موضوعات پر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے درس بھی پیش کیے جائیں گے۔

دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان مساعی کو کامیاب فرمائے اور جس مقصد کے تحت یہ نصاب پیش کیا جا رہا ہے وہ بدرجۂ اتم پُورا ہو۔ آمین!

ڈاکٹر احمد محی الدین
(سابق وائس چانسلر)

مورخہ: یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء

Marfat.com

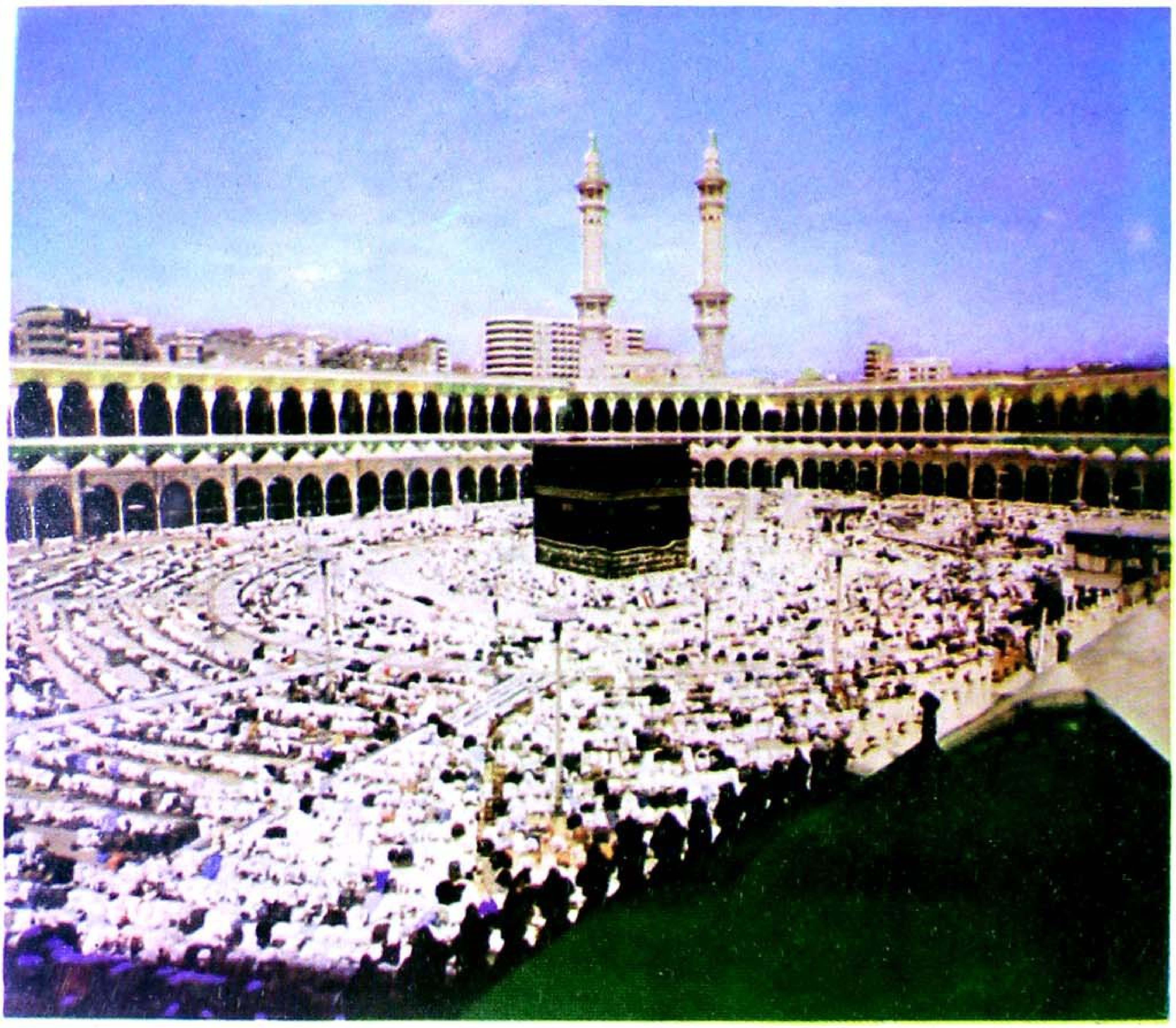

Marfat.com

Marfat.com

تمہید

پاکستان ایک اسلامی اور نظریاتی مملکت ہے اور مسلمانانِ پاکستان کا اس بات پر ایمان ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور جامع نظامِ زندگی ہے۔ ہماری فلاح و کامیابی اور ہمارے ملک کی ترقی و خوشحالی اسی نظامِ زندگی پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔

ہم تقریباً دو سو سال غیر مسلموں کے زیرِ تسلط رہے ہیں جس کی بنا پر ہم ہر شعبۂ زندگی میں ان سے متاثر ہوئے۔ ہمارا نظامِ تعلیم بھی اس قدر متاثر ہوا کہ ہم اب تک اس کو اسلامی سانچے میں نہیں ڈھال سکے۔ غیر اسلامی تہذیب کے مضر اثرات نے ہماری نوخیز نسل کو بھی مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے متاثر کیا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنی نوجوان نسل کو صحیح اسلامی تعلیمات سے رُوشناس کرائیں۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کی طرف اس انداز سے توجہ دیں کہ وہ دین کے سچے داعی اور نظریۂ پاکستان کے پُرخلوص خادم بن سکیں۔

پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی مملکت بنانے کے سلسلے میں حکومتِ وقت جو کوششیں کر رہی ہے ان میں نظامِ تعلیم کو اسلامی رنگ میں رنگنے کی کوششیں بھی شامل ہیں۔ اگرچہ ہم اس اعتبار سے، ابھی بہت پیچھے ہیں۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے منظور کردہ نصاب کے مطابق ڈگری سطح پر اسلامیات لازمی کا کورس پیش کیا ہے۔ یہ کتاب نو یونٹوں پر مشتمل ہے اور پہلی بار ۱۹۸۱ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کی بڑی تعداد نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ البتہ بعض اہلِ علم نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ یہ کتاب بعض ضروری ترامیم کی متقاضی ہے۔ چنانچہ کتاب کی نئی طباعت سے قبل وائس چانسلر صاحب کی ہدایت پر کتاب پر از سرِ نو نظرثانی کی گئی اور کتابت و طباعت کی بعض غلطیوں کی اصلاح کے علاوہ تین یونٹس از سرِ نو لکھے گئے اور دُوسرے یونٹوں میں بھی بعض تبدیلیاں کی گئیں۔ انشاء اللہ اب آپ اس کتاب کو پہلے سے بہت بہتر صورت میں پائیں گے۔

ہم سب سے پہلے شیخ الجامعہ ڈاکٹر غلام علی الانا صاحب کے شکرگزار ہیں جنھوں نے اپنی گوناگوں مصرُوفیات کے باوجود اپنے مفید اور گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ ہم ان اساتذہ کرام اور ماہرینِ تعلیم کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں

Marfat.com

نے اس کتاب کی تصنیف و تالیف میں حصّہ لیا، اس کے علاوہ اس کتاب کی تیاری کے ابتدائی مراحل میں کورس رابطہ کار کے فرائض خلیل الرحمٰن صاحب نے سرانجام دیئے۔ اور اس وقت کی ڈائریکٹر شعبہ مسز عبدالمجید خان کے علاوہ محمد حنیف صاحب، اخلاق احمد اور خالدہ صاحبہ نے بھی قابل قدر تعاون کیا۔ کتاب کی نظرثانی میں بھی پروفیسر محمد حنیف صاحب ڈائریکٹر ادارہ عربی و علوم اسلامیہ اور ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی نے بہت تعاون کیا۔ یہ حضرات بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس سلسلے میں لاہور کے فیض اللہ حامد صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنھوں نے ازخود کتاب حاصل کرکے اُسے از اول تا آخر پڑھا اور کتاب کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہماری اس عاجزانہ کوشش کو شرف قبولیت بخشے۔ اُمید ہے کہ ہماری یہ کوشش پاکستانی نوجوانوں کے دلوں کو نور ایمانی سے منور کرے گی اور اُنھیں قرآن کریم کی پیروی اور اتباع سُنّت کی طرف رغبت دلائے گی۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

قاضی منیب احمد

(رابطہ کار)

۱۰ جنوری ۱۹۸۵ء

Marfat.com

1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

البقرة

صدق اللہ العظیم

ترجمہ: یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یونٹ (۱)

کتاب وسُنّت — I

کتاب (القرآن)

توضیح

پروفیسر غلام احمد حریری

خالدہ اختر

Marfat.com

فہرست

	صفحہ
یونٹ کے مقاصد	۱۱
۱ — یونٹ کا تعارف	۱۲
۲ — فضائلِ قرآن مجید	۱۳
۲.۱ خود آزمائی نمبر ۱	۱۵
۳ — مختصر تعارف سورۃ الفرقان	۱۶
۳.۱ سورۃ الفرقان - آخری رکوع مع مفہوم	۱۷
۳.۲ مشکل الفاظ کے معانی	۱۹
۳.۳ خود آزمائی نمبر ۲	۲۱
۴ — مختصر تعارف سورۃ الحجرات	۲۲
۴.۱ سورۃ الحجرات مع مفہوم	۲۳
۴.۲ مشکل الفاظ کے معانی	۲۷
۴.۳ خود آزمائی نمبر ۳	۲۹

Marfat.com

◉ یونٹ کے مقاصد

اِس یُونٹ کے بُنیادی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں :

۱ ــــ آپ کو قرآنی تعلیمات سے رُوشناس کرانا ۔

۲ ــــ یہ بات واضح کرنا کہ قرآن ہمارے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے ۔

۳ ــــ معاشرتی اور اخلاقی مسائل کو قرآن حکیم کی روشنی میں حل کرنا ۔

۴ ــــ قرآنِ مجید کے احکام ہمارے لیے فیصلہ کُن ہیں ، اِس لیے انھیں دِل و جان سے تسلیم کرنا ۔

◎

Marfat.com

۱۔ تعارف

دینِ اسلام کی تعلیمات کا اصل سرچشمہ قرآن و سنت ہے۔ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ نے جبریلِ امین کے ذریعے سے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ قرآنِ مجید ہمارے لیے مکمل ضابطۂ حیات اور باعثِ رشد و ہدایت ہے۔ دینِ اسلام کی اساس قرآنِ پاک ہے۔

ویسے تو تمام قرآنِ حکیم ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے، لیکن آپ کے نصاب میں "سورۃ الفرقان کا آخری رکوع اور سورۃ الحجرات" ہے۔ اِن سورتوں کا انتخاب اِس لیے کیا گیا ہے کہ اِن میں ہمارے روزمرہ کے معاشرتی مسائل وضاحت کیساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بیشمار معاشرتی اور اخلاقی مسائل موجود ہیں۔ اگر ہم اخلاقی اعتبار سے اپنی اصلاح نہ کر سکے تو تعلیم و تربیت کا بنیادی مقصد ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

Marfat.com

۲۔ فضائلِ قرآنِ مجید

احادیث کی کتابیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایسے ارشاداتِ گرامی سے بھری پڑی ہیں جن میں قرآنِ مجید کے فضائل مذکور ہیں۔ ان احادیث کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید تمام کلاموں میں افضل ترین کلام ہے۔ دُنیا و مافیہا کی نعمتوں سے کہیں بڑھکر اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتِ عظمٰے ہے۔ یہ کتاب ہمارے لیے لائحۂ عمل اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ کتاب دنیا و آخرت کی فلاح کی ضامن ہے۔ قیامت کے دن یہ کتاب حافظِ قرآن کی شفاعت کریگی۔ ارشادِ نبوی ہے:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

(تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن پڑھا اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی)

اِس حدیث سے قرآنِ پاک کی فضیلت، اس کے پڑھنے والے کی سعادت اور اسے پڑھانے والے کی عظمت واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قرآنِ مجید (کے شغف) نے میرا ذکر کرنے اور دُعا مانگنے سے روک دیا ہو، میں اُسے دُعا مانگنے والوں سے بڑھ کر نعمتوں سے نوازوں گا۔ اُس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت باقی تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی فضیلت اپنی مخلوق پر ہے"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے روایت ہے کہ حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسّی ہے۔ گویا کہ آپؐ کا اشارہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا (اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو) کی طرف ہے۔ یہ حکیمانہ نصیحت ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ یہ قرآن وہ چیز ہے کہ تخیل اِسے غلط راستے پر نہیں لے جا سکتے اور زبانیں اِسمیں کسی قسم کی آمیزش نہیں کر سکتیں — اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ بیشک ہم نے اِس ذکر یعنی قرآنِ حکیم کو نازل کیا ہے اور بیشک ہم ہی اس کے محافظ ہیں — علماء اس کتاب سے سیر نہیں ہو سکتے اور اسے جتنا پڑھو یہ پرانا نہیں ہوتا بلکہ تازگی میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

حضرتِ عبیدہ ملیکیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

Marfat.com

"اے قرآن خوانی کرنے والو! قرآن کو تکیہ مت بناؤ بلکہ اس کی تلاوت کرو جس طرح اس کی تلاوت کرنے کا حق ہے اور اسے علانیہ اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھو اور اس میں جو مضامین ہیں ان پر ذرا غور کرو کیونکہ اس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ تمھیں کامیابی نصیب ہو۔ اس کا ثواب حاصل کرنے میں جلدی نہ کرو کیونکہ آخرت میں اس کا ثواب لازمی ہے۔"

جو لوگ قرآن مجید کی تلاوت اپنے گھروں میں نہیں کرتے۔ ان کے گھر ویرانے ہیں، خواہ کتنے ہی بہترین انداز میں تعمیر کیوں نہ کیے گئے ہوں۔ اسی چیز کو بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص کے سینے میں قرآن نہیں اس کی مثال اُجڑے ہوئے گھر کی سی ہے۔

قرآن حکیم رُشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ جو لوگ اسے مذاق سمجھتے ہیں وہ کبھی سربلند اور ہدایت یافتہ نہیں ہوں گے۔ اور جو لوگ اسے فیصلہ کن کلام سمجھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں انہیں دُنیا کی کوئی طاقت گمراہ نہیں کرسکے گی اور وہ ہمیشہ دنیا اور آخرت میں کامیابی اور کامرانی سے سرفراز ہوں گے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

ترجمہ: کسی مومن مرد یا مومن عورت کو اجازت نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کردیں تو وُہ اس معاملے میں اپنا اختیار استعمال کریں اور جو بھی اللہ اور اس کے رسُول کی نافرمانی کرتا ہے، وُہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

قرآنِ کریم اسلامی شریعت کا ماخذ اور اصل الاصُول ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بُنیادی عقائد کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے نیز زندگی کے تمام شعبوں میں ہمیں اس سے راہ نمائی ملتی ہے اور یہ ہمیں صراطِ مستقیم بتاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ بے شک یہ قرآن اس (راہ) کی ہدایت کرتا ہے، جو بہت ہی سیدھی ہے۔ (بنی اسرائیل: ۹)

مختصر یہ کہ قرآنِ مجید کا پڑھنا باعثِ ثواب، اس کا سمجھنا باعثِ ہدایت اور اس پر عمل کرنا باعثِ نجات ہے۔

Marfat.com

۱-۲ خود آزمائی نمبر ۱

۱ــــ قرآنِ مجید کے فضائل بیان کرتے ہوئے کم از کم دو احادیث پیش کیجیے۔

۲ــــ قرآن، اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے' وضاحت کیجیے اور یہ بھی بتایئے کہ اِس میں کس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

۳ــــ خالی جگہیں مناسب الفاظ سے پُر کریں:
قرآنِ مجید کا پڑھنا باعثِ ثواب، اِس کا سمجھنا باعثِ .... اور اس پر عمل کرنا باعثِ ...... ہے۔

Marfat.com

۴ ۔ مختصر تعارف سُورۃ الفرقان

سورۃ الفرقان مکّی سورت ہے۔ اس میں چھ رکوع ہیں اور یہ ۷۷ آیات پر مشتمل ہے۔ (مکّی سُورتیں انہیں کہتے ہیں جو کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجرت سے پہلے مکّی دَور میں نازل ہُوئیں)

مضامین

کُفارِ مکہ نے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کے وحیِ الٰہی ہونے کے خلاف جتنے اعتراضات و شُبہات اُٹھائے، اس سُورت میں ان کو نقل کر کے ان کے جواب دِیے گئے ہیں۔ ساتھ ساتھ دعوتِ حق سے مُنہ موڑنے کے بُرے نتائج بھی صاف صاف بتائے گئے ہیں۔ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا اصل مرتبہ و مقام بھی واضح فرمایا گیا ہے۔ اسی کے ضمن میں قرآن پر ایمان لانے والوں کو امتحان کے مرحلے سے گزرنے کے بعد، دُنیا و آخرت دونوں میں کامیابی و کامرانی کی بشارت دی گئی ہے۔ جو لوگ اس کو جُھٹلانے پر اَڑے رہیں گے، اتمامِ حُجت کے بعد انہیں ان کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔

اِس سُورت کی آخری آیات یعنی ۶۳ تا ۷۷، جو کہ ہمارے کورس میں شامل کی گئی ہیں، اِن میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے اوصاف گِنائے ہیں جن کی عقلی صلاحیتیں زندہ ہیں اور وُہ اس کی نشانیوں اور اس کی نازل کی ہُوئی کتاب سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ وُہ لوگ ہیں جو آگے بڑھ کر قرآن پر ایمان لانے والے بنے۔ اِس طرح اِن لوگوں کا ظاہر و باطن بھی بالکل بے نقاب ہو کر رہ گیا جو قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صَرف کر رہے تھے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی چند اہم صفات اور نشانیاں ذکر فرمائی ہیں۔ ان میں زمین پر عاجزی اور انکسار سے چلنا، جاہل لوگوں سے واسطہ پڑے تو بحث و تکرار کے بجائے سلام کہہ کر گزر جانا، راتوں کو اللہ کے حضُور قیام و سُجود اور دُعائیں کرنا، بُخل اور فضُول خرچی سے بچنا، شرک، قتل اور زنا جیسے بڑے بڑے گناہوں سے دُور رہنا شامل ہیں۔

Marfat.com

۱—۳ سُورۃُ الفُرقان (آخری رُکوع) مع مفہوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّجَعَلَ فِیۡهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیۡرًا ﴿۶۱﴾

بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بُرج بنائے۔ اور اس میں ایک چراغ اور ایک منور چاند بنایا۔

وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ خِلۡفَةً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّذَّكَّرَ اَوۡ اَرَادَ

اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو یکے بعد دیگرے آنے والا بنایا، ان کے لیے جو یاد دہانی حاصل کریں یا شکر گزار

شُكُوۡرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ هَوۡنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ

بننا چاہیں۔ اور خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے الجھتے

الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّهِمۡ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾

ہیں تو وہ انہیں سلام کرکے رخصت ہوجاتے ہیں اور جو راتیں اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں گزارتے ہیں۔

وَالَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾

اور جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے رب ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ بیشک اس کا عذاب چمٹ جانیوالی چیز ہے۔

اِنَّهَا سَآءَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ

بیشک وہ بہت ہی بُرا مستقر اور نہایت ہی بُرا مقام ہے۔ اور جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور

یَقۡتُرُوۡا وَكَانَ بَیۡنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

نہ تنگی، اور اس کے درمیان کی معتدل راہ اختیار کرتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے

وَلَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلَا یَزۡنُوۡنَ ۚ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ

اور نہ اس جان کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا بغیر کسی حق کے قتل کرتے ہیں اور نہ ہی بدکاری کرتے ہیں۔ اور جو کوئی ان باتوں

Marfat.com

ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾

ترتکب ہوگا وہ اپنے گناہوں کے انجام سے دوچار ہوگا۔ قیامت کے دن اس کے عذاب میں درجہ بدرجہ اضافہ کیا جائے گا اور وہ

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ

ہمیشہ خوار ہو کر رہے گا مگر وہ جو توبہ کرلیں، ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، اللہ تعالیٰ ان کی بُرائیوں کو بھلائیوں میں بدل دے گا،

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ

اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو توبہ کرتا ہے اور عملِ صالح اختیار کرتا ہے، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف

مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ

لوٹتا ہے۔ اور جو کسی باطل میں شریک نہیں ہوتے، اور اگر ان کا کسی بیہودہ چیز پر سے گزر ہوتا ہے تو وقار کیساتھ گزر جاتے ہیں اور جن کا

اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ

حال یہ ہے کہ جب ان کو ان کے رب کی آیات کے ذریعے یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے۔ اور جو دعا کرتے رہتے

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿٧٤﴾

ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی جانب سے ٹھنڈک بخش اور ہمیں پرہیزگاروں کا سربراہ بنا!

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۙ ﴿٧٥﴾

یہ لوگ ہیں کہ ان کو ان کی ثابت قدمی کے صلے میں بالاخانے ملیں گے اور ان کا خیر مقدم تحیّۃ و سلام کے ساتھ کیا جاتے گا،

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ

ان میں ہمیشہ رہیں گے، خوب ہوگا وہ مستقر اور مقام۔ کہہ دیجیے کہ میرے رب کو تمہاری کیا پروا ہے

لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ ع صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

اگر تمھیں دعوت دینا مد نظر نہ ہوتا۔ سو تم نے اس کی تکذیب کردی تو وہ چیز عنقریب لازم ہو کر رہے گی۔ صدق اللہ العظیم

Marfat.com

۳-۲ مشکل الفاظ کے معانی

تَبَارَكَ	بابرکت ہے۔
اَلسَّمَآءِ	آسمان
بُرُوْجًا	بُرج کی جمع یعنی بڑے بڑے ستارے۔
سِرَاجًا	چراغ
قَمَرًا	چاند
مُنِيْرًا	اُجالا کرنے والا
اَلَّيْلَ	رات
خِلْفَةً	یکے بعد دیگرے
يَذَّكَّرَ	یاد رکھے، توجہ دے۔
شُكُوْرًا	شُکر کرنا۔
عِبَادُ	عَبد کی جمع بندے۔
يَمْشُوْنَ	چلتے ہیں۔
هَوْنًا	دبے پاؤں۔ آہستہ
اَلْجَاهِلُوْنَ	جاہل، ان پڑھ (جمع)
يَبِيْتُوْنَ	رات گذارتے ہیں۔
سُجَّدًا	سجدہ کرتے ہوئے
قِيَامًا	کھڑے ہوکر
يَقُوْلُوْنَ	وہ کہتے ہیں۔
اَصْرِفْ	دُور رکھ
عَنَّا	ہم سے۔
غَرَامًا	چمٹنے والا
سَآءَتْ	بُرا ہے
مُسْتَقَرًّا	ٹھہرنے کی جگہ
مُقَامًا	رہنے کی جگہ۔
اِذَا اَنْفَقُوْا	جب خرچ کرتے ہیں
لَمْ يُسْرِفُوْا	بے جا خرچ نہیں کرتے
لَمْ يَقْتُرُوْا	تنگی نہیں کرتے
قَوَامًا	معتدل گزارہ۔ نہ کم نہ زیادہ
لَا يَدْعُوْنَ	نہیں پکارتے۔
اِلٰهًا	معبود۔ حاکم
لَا يَقْتُلُوْنَ	قتل نہیں کرتے۔
حَرَّمَ	حرام ٹھہرایا
لَا يَزْنُوْنَ	بدکاری نہیں کرتے
يَلْقَ	پائے گا۔

Marfat.com

اَثَامًا	گناہ
یُضٰعَفْ	دگنا دیا جائے گا۔
یَخْلُدْ	ہمیشہ رہے گا۔
مُهَانًا	ذلیل کیا گیا، رُسوا
تَابَ	توبہ کی۔
اٰمَنَ	ایمان لایا
یُبَدِّلُ	تبدیل کر دے گا
سَیِّاٰتِهِمْ	ان کی بُرائیاں۔
حَسَنٰتٍ	نیکیاں، بھلائیاں
یَتُوْبُ	لوٹ آتا ہے
مَتَابًا	لوٹنے کی جگہ
لَا یَشْهَدُوْنَ	نہیں گواہی دیتے
الزُّوْرَ	جھوٹ، باطل۔
مَرُّوْا	گزرتے ہیں۔
اللَّغْوِ	بے کار کام، کھیل تفریح۔
كِرَامًا	بزرگانہ طور پر، باوقار ہو کر۔
ذُكِّرُوْا	یاد دلایا جاتا ہے، سمجھایا جاتا ہے۔
لَمْ یَخِرُّوْا	نہیں گر پڑتے

صُمًّا	بہرے۔ اصم کی جمع ہے۔
عُمْیَانًا	اندھے۔ اعمیٰ کی جمع ہے۔
هَبْ	عطا کر، عنایت فرما۔
اَزْوَاجِنَا	ہماری بیویاں
ذُرِّیّٰتِنَا	ہماری اولاد۔
قُرَّةَ اَعْیُنٍ	آنکھوں کی ٹھنڈک۔
اِمَامًا	پیشوا۔ لیڈر
اُولٰٓئِكَ	وہ (لوگ)
یُجْزَوْنَ	ان کو بدلہ دیا جائے گا۔
الْغُرْفَةَ	بالاخانہ
یُلَقَّوْنَ	ان کا استقبال کیا جائے گا۔
تَحِیَّةً	تحفہ، سلام۔
خَالِدِیْنَ	ہمیشہ رہیں گے۔
حَسُنَتْ	اچھی ہے، خوب ہے
مَا یَعْبَؤُا	پروا نہیں کرتا۔
دُعَاؤُكُمْ	تمہارا پکارنا۔
كَذَّبْتُمْ	تم جھٹلا چکے
لِزَامًا	چمٹ جانا، تصادم، مٹھ بھیڑ۔

Marfat.com

۳-۳ خود آزمائی نمبر ۲

۱ ــــ سورۃ الفرقان کی آخری آیات میں نیک لوگوں کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں، ان پر تبصرہ کیجیے۔

۲ ــــ مندرجہ ذیل آیات کا اردو ترجمہ کیجیے:

(ا) ــ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا

(ب) ــ مَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ مَتَابًا

(ج) ــ اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ

۳ ــــ خالی جگہیں پُر کیجیے:

(ا) ــ خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر -------- چلتے ہیں۔

(ب) ــ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ ------ کرتے ہیں نہ -------- بلکہ درمیان کی -------- اختیار کرتے ہیں۔

(ج) ــ جو نہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے -------- کو پکارتے ہیں اور نہ اس جان کو جسے اللہ نے -------- ٹھہرایا ------------ ۔

Marfat.com

۴ — مختصر تعارف سورۃ الحجرات

سورۃ الحجرات مدنی سورت ہے۔ اس میں دو رکوع ہیں اور یہ اٹھارہ آیات پر مشتمل ہے۔ (مدنی سورت سے مراد ایسی سورت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجرتِ مکہ کے بعد مدنی دور میں نازل ہوئی۔)

مضامین

اس سورت میں آداب نبوت اور اصلاح معاشرہ پر زور دیا گیا ہے۔ آداب نبوت میں مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یا آپ کے حکم پر مقدم کرنے کی کوشش کرے، یا بات چیت میں اپنی آواز کو آپ کی آواز پر بلند کرے، یا آپ کو اس طرح پکارے جس طرح اپنے کسی برابر کے آدمی کو پکارتا ہے۔

جو لوگ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حسن ادب اور شائستہ کلامی کا ثبوت دیں گے۔ ان کے گناہ معاف اور نیکیاں قبول ہوں گی۔

اصلاح معاشرے کے آداب کے سلسلے میں اس سورت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اہم اطلاعات کے بارے میں چھان بین کر لیا کریں۔ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں میں تصادم ہو جائے تو ان میں صلح کرا دیا کریں، اگر کوئی گروہ زیادتی کرے تو اُسکے خلاف طاقت استعمال کریں، حتیٰ کہ وہ راہِ راست پر آجائے۔ آپس میں غیر مہذب اور ناشائستہ قسم کا مذاق نہ کریں، ایک دُوسرے کو بُرے ناموں سے نہ پکاریں، بدگمانی سے بچیں اور ایک دُوسرے سے حُسنِ ظن رکھیں۔ مسلمان بھائیوں کے نجی حالات کا کھوج نہ لگائیں بلکہ پردہ پوشی سے کام لیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایمان و اسلام کا زبانی دعویٰ کافی نہیں، عملی طور پر راہِ خدا میں جان اور مال کی بازی لگانا بھی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ انہیں اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے ایمان اور اسلام کا احسان محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ پر نہ جتائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو محسنِ اعظم ہیں جن کی بدولت اہلِ جہاں کو رُشد و ہدایت نصیب ہوئی اور محسن حقیقی خدائے بزرگ و برتر ہے جس نے ان کو ہدایت قبول کرنے کی توفیق بخشی۔

87339

Marfat.com

۱—۴ سُورۃ الحجرات مع مفہوم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ

مومنو! کسی بات کے جواب میں خدا اور اس کے رسولؐ سے پہلے نہ بول اٹھا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بے شک خدا سنتا

عَلِیْمٌ ① یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا

جانتا ہے۔ مومنو! اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے اونچا نہ کرو اور نہ ہی آپؐ کے ساتھ زور سے باتیں کرو، جس طرح آپس میں

لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ②

ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں، خدا نے ان کے دل تقوے کے لیے آزما لیے

لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ③ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ

ہیں، ان کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔ جو لوگ آپؐ کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں

اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ

ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کیے رہتے یہاں تک کہ آپؐ خود نکل کر ان کے سامنے آتے

خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑤ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ

تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی بدکردار کوئی خبر لے کر

Marfat.com

بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶

آئے تو خوب تحقیق کرلیا کرو۔ (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو۔ پھر تم کو اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

اور جان رکھو کہ تمہارے درمیان خدا کے پیغمبر (موجود) ہیں۔ اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن

حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ

اللہ نے تمہارے لیے ایمان عزیز بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار

وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۷ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

کر دیا۔ وہی لوگ ہیں ہدایت کی راہ پر۔ خدا کے فضل اور احسان سے۔ اور خدا جاننے والا

حَكِيْمٌ ۝۸ وَاِنْ طَاۗىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ

(اور) حکمت والا ہے۔ اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو،

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَي الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ

اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ (گروہ) خدا کے حکم کیطرف لوٹ آئے

فَاِنْ فَاۗءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹

پس اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان مساوات کیساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو۔ بیشک خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰ ع

مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا

اے مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے مذاق نہ کرے۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ

Marfat.com

نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں، اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ہی

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ

ایک دوسرے کا برا نام رکھو، ایمان کے بعد فسق (گناہ) کا نام بھی برا ہے۔ اور جو لوگ توبہ نہ کریں گے تو

فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ

وہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں گے۔ اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو۔ بیشک

بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ

بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو اور نہ تم سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کریگا

اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، تم اس سے ضرور نفرت کروگے' اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ

بیشک خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بیشک خدا سب کچھ جاننے والا، سب سے خبردار ہے۔ بدوؤں نے کہا کہ ہم

اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ

ایمان لائے۔ کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی

قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کروگے تو وہ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہ کریگا۔ بیشک اللہ

Marfat.com

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا

بخشنے والا مہربان ہے۔ بیشک مومن لوگ وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے، پھر شک میں نہیں پڑے اور اللہ کی راہ

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿١٥﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ

میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیے، یہی لوگ سچے ہیں، کہدیجئے ان سے کیا تم اللہ کو اپنی

اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

دینداری جتلاتے ہو، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور اللہ ہر چیز سے

عَلِيْمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ

واقف ہے۔ یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوگئے۔ کہدیجئے کہ مجھ پر اپنے ایمان لانے کا احسان نہ رکھو۔ بلکہ

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی توفیق بخشی، اگر تم سچے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ

يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ ع

آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

۲-۴ مشکل الفاظ کے معانی

لَا تُقَدِّمُوْا	تم آگے نہ بڑھو
بَيْنَ يَدَيِ اللهِ	اللہ سے پہلے
لَا تَرْفَعُوْا	تم اُونچی نہ کرو
اَصْوَاتَكُمْ	تمہاری آوازیں
لَا تَجْهَرُوْا	نہ زور سے بولو
تَحْبَطَ	مٹ جائیں ، ضائع ہو جائیں
اَعْمَالُكُمْ	تمہارے اعمال
لَا تَشْعُرُوْنَ	تمہیں خبر نہ ہوگی ۔
يَغُضُّوْنَ	وہ نیچی رکھتے ہیں ۔
اِمْتَحَنَ	اس نے آزمالیا ، پرکھ لیا
تَقْوٰى	پرہیزگاری
يُنَادُوْنَ	وہ پکارتے ہیں ۔
مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ	کمروں کے پیچھے (یہاں مراد ہے "باہر سے")
لَا يَعْقِلُوْنَ	وہ عقل نہیں رکھتے
فَاسِقٌ	نافرمان ، بدکردار ، گنہگار ۔
نَبَاٍ	خبر ، اطلاع
فَتَبَيَّنُوْا	پس غور کرو ، تامل کرو ، خوب تحقیق کرلو
تُصِيْبُوْا	تم جا پڑو ، نقصان پہنچا دو
بِجَهَالَةٍ	نادانی سے ، لاعلمی سے
فَتُصْبِحُوْا	تم لگو ، تم ہو جاؤ
نٰدِمِيْنَ	پشیمان ، پچھتانے والے
يُطِيْعُكُمْ	تمہارا کہنا مان لیں
عَنِتُّمْ	تم مشکل میں پڑو
حَبَّبَ	اس نے محبت ڈالی ، اُس نے محبوب بنایا
زَيَّنَهٗ	اس کو سجا دیا ، آراستہ کیا
كَرَّهَ	اس نے ناگوار بنایا ، ناپسند قرار دیا
كُفْرَ	انکار شریعت ۔
فُسُوْقَ	گناہ ، نافرمانی
عِصْيَانَ	نافرمانی ، گناہ
الرّٰشِدُوْنَ	بھلائی پانے والے ، راہ یافتہ
طَآئِفَتٰنِ	دو گروہ ، دو فریق
اقْتَتَلُوْا	انہوں نے قتال کیا ، وہ آپس میں لڑے ۔
فَاَصْلِحُوْا	پس تم صلح کرا دو ، تم ملاپ کرا دو

Marfat.com

فَاِنْ بَغَتْ	پس اگر وہ زیادتی کرے ۔
تَبْغِیْ	وہ سرکشی کرتی ہے ، زیادتی کرتی ہے یا زیادتی کرے
حَتّٰی تَفِیْٓءَ	یہاں تک وہ لوٹ آئے ، پلٹ آئے
فَاِنْ فَآءَتْ	پس اگر وہ لوٹ آئے ۔
اَقْسِطُوْا	تم انصاف کرو
اَلْمُقْسِطِیْنَ	انصاف کرنے والے
اِخْوَۃٌ	بھائی (اخٌ کی جمع)
بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ	اپنے دو بھائیوں کے درمیان ۔
لَا یَسْخَرْ	وہ مذاق نہ کرے ۔
قَوْمٌ	لوگ ، گروہ
عَسٰٓی	ممکن ہے ، توقع ہے ۔
نِسَآءٌ	عورتیں
لَا تَلْمِزُوْا	تم عیب نہ لگاؤ
لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ	تم بُرے نام سے نہ پکارو
بِئْسَ	بُرا ہے ۔
لَمْ یَتُبْ	جو توبہ نہ کرے
اِجْتَنِبُوْا	پرہیز کرو ، بچو
ظَنٌّ	گمان ، خیال (بدگمانی مراد ہے) ، شک
اِثْمٌ	گناہ
لَا تَجَسَّسُوْا	عیب جوئی نہ کرو
لَا یَغْتَبْ	وہ غیبت نہ کرے
لَحْمٌ	گوشت
مَیْتًا	مُردہ

فَکَرِهْتُمُوْهُ	پس تم ناپسند کروگے
تَوَّابٌ	بہت توبہ قبول کرنے والا ۔
اَلنَّاسُ	لوگ ۔
خَلَقْنٰکُمْ	ہم نے تمہیں پیدا کیا
مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی	ایک مرد اور ایک عورت سے
جَعَلْنٰکُمْ	ہم نے تمہیں بنایا ۔
شُعُوْبًا	قومیں ، جماعتیں
قَبَآئِلَ	قبیلے
لِتَعَارَفُوْا	تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو
اَکْرَمَکُمْ	تم میں زیادہ باعزت
اَتْقٰکُمْ	تم میں زیادہ پرہیزگار ، متقی
اَلْاَعْرَابُ	دیہاتی ، بدّو
لَمْ تُؤْمِنُوْا	تم ایمان نہیں لائے ۔
لَمَّا یَدْخُلِ	ابھی تک داخل نہیں ہوا
اِنْ تُطِیْعُوْا	اگر تم اطاعت کرو ۔
لَا یَلِتْکُمْ	وہ کمی نہ کریگا (تمہارے اعمال میں)
لَمْ یَرْتَابُوْا	انہوں نے شک نہ کیا ۔
جَاهَدُوْا	انہوں نے جہاد کیا
اَتُعَلِّمُوْنَ	کیا تم جتلاتے ہو
یَمُنُّوْنَ	وہ احسان رکھتے ہیں
لَا تَمُنُّوْا	تم احسان نہ رکھو
بَصِیْرٌ	دیکھنے والا ۔
بِمَا تَعْمَلُوْنَ	جو کچھ تم کرتے ہو ۔

Marfat.com

۳-۴ خود آزمائی نمبر ۳

۱ــــ سورۂ حجرات کے مضامین پر ایک اجمالی نظر ڈالیے۔

۲ــــ مندرجہ ذیل آیات کا اردو میں ترجمہ کیجیے:

(ا)ــ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔

(ب)ــ وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ

(ج)ــ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔

(د)ــ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

۳ــــ مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ کا اشارہ کس معاشرتی برائی کی طرف ہے:

"اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ"

۴ــــ خالی جگہیں مناسب الفاظ سے پُر کریں:

(ا)ــ کوئی قوم کسی قوم سے ...... نہ کرے۔

(ب) مسلمان آپس میں .... ہیں۔

(ج)ــ اپنے مومن ...... کو ...... نہ لگاؤ۔

(د)ــ ایک دوسرے کا ...... نہ رکھو۔

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ

آل عمران ٨٠

١٤٠١ھ

صدق اللّٰہ العظیم

ترجمہ: جس نے اطاعت کی رسولؐ کی گویا اطاعت کی اللہ کی۔

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یونٹ (۲)

کتاب وسُنّت — II

سُنّت (الحدیث)

توضیح

پروفیسر غلام احمد حریری

خالدہ اختر

Marfat.com

فہرست

	صفحہ
۱ــــ تعارف	۴۳
۲ــــ مقاصد	۴۴
۳ــــ سُنّت کی اہمیت	۴۵
۳-۱ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کیوں ضروری ہے ؟	۴۶
۳-۲ سُنّت ، قرآنِ حکیم کی روشنی میں ۔	۴۷
۳-۳ سُنّت ، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں	۴۸
۳-۴ اَئمّہ اربعہ اور حدیثِ نبوی ۔	۴۹
۳-۵ خود آزمائی نمبر۱	۵۰
۴ــــ بیس منتخب احادیث مع متن ، ترجمہ اور شرح	۵۱
۴-۱ خود آزمائی نمبر۲	۶۱

Marfat.com

۱۔ تعارف

قرآن مجید کے بعد دینِ اسلام میں سُنّت کو اہمیت حاصل ہے۔ سُنّت کی اہمیت کے بارے میں آپ کو مُستقل عنوان کے ماتحت معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اِس یُونٹ میں احادیث میں سے صِرف بیس حدیثوں کا اِنتخاب کیا گیا ہے اور انتخاب کرتے وقت اِس بات کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ ایسی حدیثیں نصاب میں شامل کی جائیں جِن کا تعلق دِین کے بنیادی احکام اور ہمارے روزمرّہ مسائل سے ہے اور جن کے بارے میں معلُومات رکھنا ہر مسلمان کے لیے ناگزیر ہے۔

Marfat.com

۲- یونٹ کے مقاصد

اس یُونٹ سے آپ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ

۱ — قرآنِ حکیم کے بعد حدیثِ نبوی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے ۔

۲ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا اتنا ہی ضروری ہے ، جتنا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ۔

۳ — حدیث ، درحقیقت قرآن کی تفسیر ہے ۔

Marfat.com

۳۔ سُنّت کی اہمیّت

لغت میں سُنت اس راستے کو کہتے ہیں جس پر چلا جائے، خواہ وُہ راستہ اچھا ہو یا بُرا۔ لیکن شرعی اصطلاح میں سُنت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے افعال و اقوال ہیں یا ایسے کام جو سرورِ کائنات کے سامنے کیے گئے ہوں اور آپؐ نے ان سے منع نہ فرمایا ہو۔ سُنت کا اطلاق ایسے امور پر بھی ہوتا ہے جو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کیے ہوں یا ان کے کرنے کا حکم دیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ"

(ترجمہ) تم پر میرے طریق کار اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا لازم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کا نام سُنّت یا حدیث ہے لہٰذا حدیث کو وہی اہمیت حاصل ہے جو رسُول کریمؐ کی اطاعت کو۔ اسلامی عقائد میں ایمان باللہ کے بعد ایمان بالرسُول کا درجہ ہے۔ ایک اعتبار سے رسالت کا مقام اہم ہو جاتا ہے کہ لوگوں کو رسولوں کے ذریعے خدائے لم یزل کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام نہ ہوتے تو ہم خدا کو پہچاننے میں غلط فہمی کا شکار ہوتے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ"

(ترجمہ) جس نے رسُول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی (النساء ۸۰)

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے افعال کو ہمارے لیے اُسوۂ حسنہ اور آپؐ کی سیرتِ مقدسہ کو ہمارے لیے مشعلِ راہ قرار دیا۔ قرآن مجید میں ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

(ترجمہ) بے شک تمہارے لیے رسُول کریمؐ کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ (الاحزاب: ۲۱)

قرآن کریم نے واضح الفاظ میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ کہ انبیا کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ ان کی سیرت و حیات کی روشنی میں اُمت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکے۔ اور ان کی ہدایات پر عمل کر کے اپنے دامن کو فلاح و نجات سے مالا مال کر سکے۔ چنانچہ فرمایا:

Marfat.com

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

(ترجمہ) ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے (النساء: ۶۴)

۱-۳ انبیاء کی اطاعت کیوں ضروری ہے؟

اسلامی نقطۂ نظر سے حکم صادر کرنے اور قانون بنانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ حکم صرف خدا کا ہے۔ (الانعام: ۵۷)

اس آیت کی رو سے حکم صادر کرنے کا حق ذات خداوندی کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ انبیاء کی اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں اور اس پر عمل کر کے دکھلاتے ہیں۔

اسی ضمن میں قرآن پاک کی مندرجہ ذیل دو آیات بھی ملاحظہ ہوں۔

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○

(ترجمہ) پس کیا ہے رسولوں کے ذمہ صرف یہ کہ پہنچا دینا ہے واضح طور پر (النحل: ۳۵)

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

(ترجمہ) وُہ (ہمارا بھیجا ہوا رسول) اپنی مرضی سے نہیں بولتا۔ وہ تو صرف وحی ہے جو کی جاتی ہے (النجم: ۳)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ آپ کا ہر قول و فعل حکمِ خداوندی پر مبنی ہوتا تھا۔ اس حدیث کے پیش نظر علماء نے وحی کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:۔

۱۔ وحی متلو: یعنی تلاوت کی جانے والی وحی (قرآن حکیم)

۲۔ وحی غیر متلو: یعنی وُہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی (حدیث وسُنّت)

اس سے واضح ہوا کہ قرآن اور سُنّت دونوں کا اصل سرچشمہ وحی الٰہی ہے۔ اسی لیے دونوں کی اطاعت ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آپ کی اطاعت کو خدا کی اطاعت و فرمانبرداری قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ

فرما دیجیئے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دیگا۔ (آل عمران: ۳۱)

Marfat.com

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی پیروی اللہ کی محبت کا ذریعہ ہے۔ حضورؐ کی پیروی کا مطلب یہی ہے کہ آپ کے اقوال و اعمال اور سیرت و کردار کو اپنے لیے نمونہ عمل بنایا جائے اسی کا نام سُنّت ہے۔

۲-۳ سُنّت، قرآنِ حکیم کی روشنی میں

قرآنِ حکیم کی بکثرت آیات میں اطاعت رسُولؐ کا حکم دیا گیا ہے۔ رسُول کی اطاعت اِسی لیے کی جاتی ہے کہ وہی ایک معتبر ذریعہ ہے جس سے ہم تک خدا کے احکام پہنچے ہیں۔ ہم خدا کی عبادت بھی رسُولؐ کی پیروی کے بغیر نہیں کر سکتے۔ رسُولؐ کی اطاعت سے انحراف خدا کے خلاف بغاوت ہے۔ اس مضمون کو اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے:

مَنْ أَطَاعَنِيْ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللهَ

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی اطاعت کی صرف یہی صورت باقی رہتی ہے کہ آپ کے اقوال و ارشادات، آپ کی حیات و سیرت اور آپ کے بتائے ہوئے راستے کو واجب الاطاعت قرار دیا جائے اور ان کو عملی زندگی میں اپنایا جائے۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کے بیان کردہ احکام کا مجموعہ حدیثِ نبویؐ کی صورت میں ہمارے پاس موجود اور محفوظ ہے۔ یہ حضورؐ کے عظیم ہونے کی وہ خصوصیت ہے جو آپؐ کو دیگر انبیاء و رسل میں ایک امتیازی مقام عطا کرتی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال اور آپ کی حیاتِ طیبہ کی حفاظت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ دُنیا کی کسی قوم نے اپنے ہادی و مصلح کے اقوال و اعمال اس احتیاط کے ساتھ جمع نہیں کیے۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں نے بھی کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔

قرآنِ حکیم نے اطاعت رسُولؐ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

(ترجمہ) ہمارا رسُولؐ جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو۔ اور جس بات سے منع کرے اس سے باز رہو۔ (الحشر: ۷)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

اور ہم نے کوئی رسُولؐ نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ (النسا: ۶۴)

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

(ترجمہ) جس نے رسُولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالےٰ کی اطاعت کی (النسا: ۸۰)

Marfat.com

وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَہْتَدُوْا ط

اگر تم رسولؐ کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤ گے (النور: ۵۴)

مذکورہ صدر آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ پاکؐ کو دنیا میں اپنا نمائندہ بناکر بھیجا تھا۔ خدا کے احکام براہِ راست ہم پر نہیں اترے بلکہ حضورؐ کے واسطے سے ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ محض اس لیے مبعوث نہیں کیے گئے کہ خدا کی نازل کردہ کتاب ہمیں پڑھ کر سنادیں، بلکہ وہ اللہ کی کتاب کے اولین مفسّر اور ترجمان ہیں۔ انسانوں کو اخلاقِ قبیحہ سے پاک کرتے ہیں۔ اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

۳-۳ سُنّت، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہدِ نبوّت میں مُسلمانوں کے لیے محض ایک پیرو مُرشد اور واعظ نہیں تھے، بلکہ عملاً ان کی جماعت کے قائد، رہنما، حاکم، قاضی، شارع، مربّی، معلّم سب کچھ تھے۔ عقائد و تصوّرات سے لے کر عملی زندگی کے تمام گوشوں تک مُسلم سوسائٹی کی پوری تشکیل آپ ہی کے بتائے، سکھائے اور مقررہ طریقوں پر ہوئی تھی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت احادیث میں سُنّت کی پیروی کا حکم دیا اور اس کی مخالفت سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی حضرت مقدام بن معدیکربؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: "خبردار رہو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی قسم کی ایک اور چیز بھی۔ خبردار! ایسا نہ ہو کہ ایک شکم سیر آدمی اپنی مسند پر بیٹھا ہوا یہ کہنے لگے کہ بس تم قرآن کی پیروی کرو۔ جس چیز کو اس میں حلال پاؤ، اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو حالانکہ جس چیز کو اللہ کا رسولؐ حرام ٹھہرائے وہ ویسی ہی حرام ہے۔ جیسے اللہ کی حرام کردہ چیز۔ خبردار رہو کہ تمہارے لیے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ چیرنے پھاڑنے والے درندے حلال ہیں۔"

حضرت عرباض بن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، آپؐ نے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ سمجھے بیٹھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حرام نہیں کی، سوائے ان چیزوں کے جن کا ذکر قرآنِ پاک میں کیا گیا ہے۔ خبردار رہو۔ خدا کی قسم ہیں نے جن باتوں کا حکم دیا اور جو نصیحتیں کی ہیں اور جن کاموں سے منع کیا ہے۔ وہ بھی قرآن ہی کی طرح ہیں۔ اللہ نے تمہارے لیے ہرگز یہ حلال نہیں کیا ہے کہ اہلِ کتاب کے گھروں میں بلا اجازت گھس جاؤ یا ان کی عورتوں کو مارو پیٹو۔ یا ان کے پھل کھاؤ، جب کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرچکے ہوں۔"

ایک اور جگہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری تمام اُمت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جو انکار کرے۔

Marfat.com

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ انکار کون کرتا ہے ؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے میری سُنّت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا"

۴-۳ ائمہ اربعہ اور حدیثِ نبویؐ

چاروں اماموں سے ایسے اقوال منقول ہیں۔ کہ جب حدیث نبویؐ آجائے تو ہمارا قول ترک کر دو۔

۱۔۔۔امام بیہقی "المدخل" میں حضرت عبداللہ بن مبارک سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو فرماتے سُنا: "جو بات آنحضورؐ سے منقول ہو وہ بسر وچشم تسلیم ہے"۔

روضۃ العلماء میں امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں۔ "میرے قول کو حدیث نبویؐ اور قول صحابہؓ کی موجودگی میں ترک کر دو"۔

۲۔۔۔امام مالکؒ سے منقول ہے " میں ایک انسان ہی ہوں، غلط اور صحیح دونوں قسم کے فتوے دے سکتا ہوں میری رائے میں غور کرو، اگر کتاب وسُنّت کے مطابق ہو تو اسے قبول کر لو ورنہ رد کر دو"۔

۳۔۔۔امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ " جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت آجائے تو اسے کسی دوسرے (اُمتی) کے قول کی بنا پر ترک نہ کر دیا جائے"۔

۴۔۔۔امام حنبلؒ کا قول ہے: " جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کیا، وُہ ہلاکت وتباہی کے کنارے پر پہنچ گیا"

Marfat.com

۵-۳ خود آزمائی نمبر ۱

۱ــــ سُنّت کے لغوی معنی کیا ہیں؟ نیز شرعی اِصطلاح میں سُنّت سے کیا مُراد ہے؟

۲ــــ اطاعت رسُولؐ کے بارے میں جو آیات آپ نے پڑھی ہیں، ان میں سے کم از کم تین کا اُردو ترجمہ لکھیے۔

۳ــــ مندرجہ ذیل فقرات میں سے درست پر (✓) کا نشان لگائیے۔

(ا) ۔ حلال وحرام کے احکام صرف قرآنِ حکیم میں بیان ہیں۔

(ب) ۔ حلال وحرام کا ذکر قرآن کے علاوہ حدیث میں بھی آتا ہے۔

۴ــــ خالی جگہیں مناسب الفاظ سے پُر کریں۔

(ا)۔ خدا کے احکام براہِ راست ہم پر نہیں اُترے۔ بلکہ ۔۔۔۔۔۔۔ کے واسطے ہم تک پہنچے ہیں۔

(ب)۔ رسُولؐ کی اطاعت درصل ۔۔۔۔۔۔ کی اطاعت ہے۔

۵ــــ حضوؐر کا ارشاد گرامی ہے۔ "جس نے میری سُنّت کو زندہ کیا اُس نے مجھے زندہ کیا" وضاحت کیجے۔

Marfat.com

۴ — بیس منتخب احادیث

—— مع ——

متن، ترجمہ اور شرح

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو :

یَقُوْلُ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَہَادَۃُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

فرماتے سُنا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے ۔ (۱) ایک تو اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

وَاِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءُ الزَّکٰوۃِ وَحَجُّ الْبَیْتِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

اس کے بندے اور رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) بیت اللہ کا حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا (صحیح بخاری و مسلم)

ارکانِ اسلام

شرح مطالب : مذکورہ صدر حدیث میں دینِ اسلام کی پانچ بنیادوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔ جس طرح عمارت کی تکمیل چار دیواروں اور ایک چھت سے ہوتی ہے ، اسی طرح دینِ اسلام کی تکمیل حدیث میں مذکورہ پانچوں ارکان سے ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے ایک رُکن بھی کم ہو تو دین کی عمارت ادھوری رہے گی ، بلکہ اسے عمارت کی بجائے کھنڈر کہنا موزوں تر ہوگا حدیث میں ذکر کردہ ارکان کی مختصر تشریح حسبِ ذیل ہے :

۱۔ توحید و رسالت : کلمہ طیبہ یعنی " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ " دینِ اسلام کے دو اہم عقائد پر مشتمل ہے ۔ اس کے پہلے جزو یعنی " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہی حاجت روا ، مشکلات کو دُور کرنے والا اور مصیبت کے وقت کام آنے والا ہے ۔ اس کی ذات و صفات میں کوئی دُوسرا شریک نہیں ، اسی کا نام توحید ہے ۔ توحید کو اسلامی عقائد میں اساسی و بنیادی حیثیت حاصل ہے ، بلکہ یُوں کہیے کہ توحید حاصل اسلام اور رُوح دین ہے ۔

توحید کے ساتھ ساتھ اہلِ اسلام کو اس امر کی شہادت دینے کی بھی تلقین کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسُول ہیں ۔ رسالت کے معنی پیغام کے ہیں ۔ پیغام پہنچانے والے کو رسُول کہتے ہیں ۔ اسلام کی اِصطلاح میں

Marfat.com

ول اُس شخص کو کہتے ہیں جو خُدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچائے ۔ رسُول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ لیم کرے کہ رسُول جو کچھ پیش کر رہے ہیں اس کی بُنیاد وہ علم ہے جو اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے ، اس لیے یہ بات دبخود لازم ٹھہرتی ہے کہ زندگی کے تمام مُعاملات میں اِنسان اسی طریقے کو اختیار کرے جسے خُدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا ۔ قرآنِ کریم نے اطاعتِ رسولؐ پر بڑا زور دیا ہے ۔ جہاں اطاعتِ خداوندی کا ذکر کیا اس کے ساتھ اطاعتِ رسُولؐ بھی روشنی ڈالی ۔ اس سے یہ معلوم ہُوا کہ کلمۂ طیبہ توحید و رسالت کے دو بُنیادی عقائد پر مشتمل ہے ۔

۲- **اِقامتِ صلوٰۃ** : توحید و رسالت کے بعد دینِ اِسلام کے چار عملی ارکان ہیں نماز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ۔ تاب و سُنّت میں نماز کی بے حد تاکید وارد ہُوئی ہے ۔ قرآنِ کریم نے اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا ہے ۔ اقامت کے معنی نماز پڑھنے کے نہیں ، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نماز پابندی ، اِلتزام اور پُوری شرائط و آداب کے ساتھ ادا کی جائے ۔ امام اُبوحنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ بے نماز کو قید میں رکھا جائے اور جب تک توبہ نہ کرے اسے رہا نہ کیا جائے ۔

۳- **زکوٰۃ** : اللہ تعالیٰ نے ہر مالدار مُسلمان پر فرض کیا ہے کہ اگر اس کے پاس مال کی ایک مقررہ مقدار ہو اور اس پر پورا ایک سال گزر جائے تو وہ اس میں سے اڑھائی فیصد اپنے کسی غریب رشتہ دار یا کسی محتاج رشتہ دار، کسی نومسلم، کسی مسافر یا کسی قرضدار شخص کو دے دے ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے امیروں کی دولت میں غریبوں کے لیے ایک حصہ مقرر کر دیا ہے ۔ زکوٰۃ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دولت سمٹ سمٹ کر ایک ہی جگہ جمع نہیں ہوتی بلکہ گردش کرتی رہتی ہے ۔ اس طرح زکوٰۃ کے ذریعے امرا و غُربا کے طبقات میں توازن و اعتدال پیدا ہوتا ہے ۔

۴- **حج** : عمر بھر میں ایک مرتبہ حج ادا کرنا فرض ہے ، بشرطیکہ وہ شخص سفر اور اپنے متعلقین کے ضروری اخراجات برداشت کر سکے ۔ حج اہلِ اسلام کا سالانہ عالمی اجتماع ہے ۔ حج حضرت ابراہیم خلیلؑ کی یاد تازہ کرتا ہے ۔ اُمّت میں اتحاد و یکجہتی کی رُوح کو برقرار رکھتا ہے ۔ دُنیا کے گوشے گوشے سے مسلمان مکہ معظمہ میں جمع ہو کر اسلامی برادری کا رُوح پرور منظر پیش کرتے ہیں ۔

۵- **رمضان کے روزے** : روزہ کیا ہے ؟ جس سبق کو نماز روزانہ پانچ وقت یاد دلاتی ہے ، اسے روزہ سال میں ایک مرتبہ پُورے ایک مہینہ تک یاد دلاتا رہتا ہے ۔ طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور ہر قسم کی بُرائی سے باز رہنے کا نام روزہ ہے ۔ قرآنِ کریم نے روزے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ روزہ اِنسان کو پرہیزگار بناتا ہے ۔ روزے سے صبر و تحمل ، جفاکشی اور نادار لوگوں سے تعاون و ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں ۔

مذکورہ صدر پانچ ارکان کو دینِ اسلام میں بنیادی اہمیت حاصل ہے ۔

Marfat.com

(۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا :

مَا نَھَیْتُکُمْ عَنْہُ فَاجْتَنِبُوْہُ وَمَا اَمَرْتُکُمْ بِہٖ فَأْتُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّمَا

میں جس چیز سے تمہیں روکوں اس سے بچو اور جس چیز کا حکم دوں اُسے مقدور بھر بجا لاؤ ۔ بیشک

اَھْلَکَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ کَثْرَۃُ مَسَائِلِھِمْ وَاخْتِلَافُھُمْ عَلٰی اَنْبِیَآئِھِمْ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

تم سے پہلے لوگوں کو ان کے سوالات کی کثرت اور انبیاء سے اختلاف ہی نے ہلاک کیا ۔ (صحیح بخاری و مسلم)

کثرتِ سوال کی ممانعت

شرح مطالب : اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوموں اور ملتوں کے رازِ حیات اور فلسفۂ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم دُنیا میں عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو مقدور بھر میری اطاعت کرو ۔ میں جس چیز سے روکوں اس سے رُک جاؤ ۔ جس کام کا حکم دوں اسے بجا لاؤ ، جتنی بات بتا دوں اس پر عمل کرو ، کرید کرید کر نہ پوچھو ۔ بلا وجہ سوالات کے دروازے نہ کھولو ۔ یاد رکھو سابقہ اقوام کے ہلاک ہونے کی وجہ یہی تھی کہ وہ خواہ مخواہ بلا ضرورت مسائل دریافت کرتے رہتے اور اپنے انبیاء کی مخالفت کیا کرتے تھے ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کی مخالفت سے اُمت ہلاک ہو جاتی ہے

حدیث زیرِ قلم کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں دو باتوں کی تعلیم دی گئی ہے :

(۱) اتّباعِ رسولؐ ، (۲) غیر ضروری سوالات و اختلافات کی ممانعت ۔

اطاعتِ رسولؐ کو بیشتر آیات و احادیث میں ہر مسلمان کے لیے فرضِ عین قرار دیا گیا ہے ، غیر ضروری سوالات سے اسلیے منع فرمایا کہ اس سے کج بحثی کا آغاز ہوتا اور عمل کی اسپرٹ ختم ہو جاتی ہے اور آدمی جھگڑالو بن جاتا ہے ۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو بنی اسرائیل نے غیر ضروری سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ اسکی عُمر کیا ہو؟ رنگ کیسا ہو؟ حالانکہ سیدھی بات یہ تھی کہ تعمیلِ ارشاد کرتے اور سوالات سے احتراز کرتے

(۳) عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمَا قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت حسن بن علی ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا ، میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات یاد کی کہ

دَعْ مَا یَرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یَرِیْبُکَ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

جو بات تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر اس بات کی طرف مائل ہو جو تجھے شک میں نہ ڈالے ۔ (اس کو ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے)

Marfat.com

مشتبہات سے احتراز

شرح مطالبؒ: جس چیز کے بارے میں اچھی طرح معلوم نہ ہو کہ وہ حلال ہے یا حرام، تو اس سے پرہیز کرنا چاہیے "دَعْ مَا يَرِيْبُكَ" دَعْ وَدَعَ يَدَعُ سے فعل امر حاضر صیغہ واحد مذکر مخاطب ہے۔ اس کے معنی ہیں تو چھوڑ دے، ترک کر دے "يَرِيْبُ" (رَابَ يَرِيْبُ رَيْبًا) کے معنی ہیں شک میں مبتلا ہونا۔

"اِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ" یعنی ایسی چیزیں اختیار کرو جن میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ واضح، روشن اور صاف راہ پر چلو۔ حلال وحرام چیزوں کی درمیانی راہ شکوک وشبہات کی راہ ہے، اس سے بچو۔

اِس حدیث میں نیکی اور بدی کو پرکھنے کے لیے ایک ایسا معیار مقرر کردیا گیا ہے جس سے ہر شخص پہچان سکتا ہے کہ اس کا کون سا کام اچھا ہے اور کون سا بُرا۔ شریعت میں حلال وحرام کے احکام واضح ہیں، مگر بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کے حلال وحرام ہونے کا فیصلہ صادر نہیں کیا گیا، مثلاً تمباکو نوشی وغیرہ۔ ایک متقی آدمی مشکوک چیزوں سے اس لیے پرہیز کرتا ہے مبادا کہ وہ حرام ہوں۔ تقوٰی کا تقاضا یہ ہے کہ حرام چیزوں کے ساتھ ساتھ ایسی مباح چیزوں سے بھی احتراز کیا جائے جن میں شبے کی معمولی گنجائش بھی ہو۔ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں ایک کھجور پڑی ہوئی ملی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقے کی ہے، تو میں اسے کھالیتا۔ (صحیح بخاری)

(۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک آدمی کے اسلام

اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهٗ)

کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اس کا کچھ تعلق نہ ہو۔ (اس حدیث کو ترمذی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے)

غیر ضروری باتوں سے احتراز

شرح مطالبؒ: "تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ" مَا (جو کچھ، جو چیز) يَعْنِيْهِ (يَعْنِيْ ه) عنٰی ماضی يَعْنِيْ مضارع۔ اس کے معنی ہیں سروکار رکھنا، تعلق رکھنا، اہمیت دینا، اہتمام کرنا، توجہ دینا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلم کے اچھا مسلمان ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز سے بے غرض رہے اور اس سے کوئی تعلق نہ رکھے جو بے مقصد ہے اور جس سے اس کا کوئی دنیوی مفاد وابستہ ہے اور نہ اس سے اُخروی فلاح وبہبود

Marfat.com

حاصل ہونے کی توقع ہے۔ ایک مسلم میں یہ خوبی ہونی چاہیے کہ وہ بے کار اور بے فائدہ چیزوں سے کوئی واسطہ نہ رکھے مطلب کی چیزوں سے تعلق رکھے اور غیر متعلق امور سے کنارہ کشی کا شیوہ اختیار کرے۔ یہ حدیث اپنے دامن میں بے حد وسعت اور جامعیت رکھتی ہے۔ اس میں بے کار اقوال و افعال، لغو قسم کی گفتگو، بے کار کھیلیں مثلاً تاش، شطرنج وغیرہ اور تمام ایسی مصروفیات آجاتی ہیں جن سے دینی یا دنیوی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ انسانی زندگی بڑی قیمتی چیز ہے، وہ اس قدر ارزاں نہیں کہ اسے بے کار مشاغل کی نذر کر دیا جائے۔ انسان کا کوئی لمحہ بے کار کاموں میں صرف نہیں ہونا چاہیے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے اوقات عزیز کو سینما بینی، تھیٹر، رقص و سرود کی محفلوں اور کلبوں وغیرہ کی نذر کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے منافی ہے۔

(۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ تم میں سے

اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے (بخاری مسلم)

ایمانِ کامل کی پہچان

شرحِ مطالب: "لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ" یعنی تم میں سے کوئی شخص مومنِ کامل کے مقام پر فائز نہیں ہوتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لیے اسی چیز کو پسند نہ کرے جسے وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں توازن قائم رکھنے کے لیے بہت سے احکام ارشاد فرمائے ہیں۔ خود غرضی معاشرہ کیلئے زہرِ قاتل ہے، اس لیے مومنِ کامل خود غرض نہیں ہوتا اور دوسروں کے لیے اسی چیز کو پسند کرتا ہے جو بذاتِ خود اس کو پسند ہو۔ مطلب برآری اور خود غرضی اسلامی اخوت کے منافی ہے۔ اسی لیے آپ نے مومنِ کامل کی نشانی یہ بتائی کہ وہ دوسروں کے لیے اسی چیز کو پسند کرتا ہے جو خود اسے مرغوب و محبوب ہو، جو چیز اسے ناپسند ہو اسے دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرے۔ ایمانِ کامل کا یہ تقاضا ہے کہ جس بات میں فائدہ ہو اس میں دوسروں کو بھی شریک کرے۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سچے مومن کو کشادہ دل ہونا چاہیے۔ فوائد و منافع خواہ دینی ہو یا دنیوی، ان کو اپنی ذات تک محدود رکھنا بخل ہے اور مومن کیلئے بخیل ہونا مناسب نہیں۔

Marfat.com

(۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور آخری دن پر

بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

ایمان رکھتا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے یا چُپ رہے اور جو شخص اللہ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے

فَلْیُکْرِمْ جَارَہٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

چاہیے کہ اپنے پڑوسی کا اکرام بجالائے ۔ اور جو شخص اللہ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے، اُس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی خاطر و مدارات کرے ۔ (صحیح بخاری و مسلم)

چند زرّیں نصائح

حدیث زیرِ تبصرہ میں تین باتوں کی نصیحت کی گئی ہے ۔

۱۔ خاموشی کی فضیلت : پہلی بات یہ ہے کہ جو شخص کامل ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ غیر ضروری اور بیہودہ گفتگو نہ کرے ۔ غیر ضروری گفتگو سے خاموشی بدرجہا بہتر ہے ۔ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق انسان جو کچھ بولتا ہے فرشتے اس کو اُس کے اعمالنامہ میں لکھتے جاتے ہیں، لہٰذا انسان ہر لفظ کے لیے بارگاہِ ربّانی میں جوابدہ ہے ۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ○ (سورۃ قٓ)

(وُہ (انسان) جو لفظ بولتا ہے اس کے پاس ایک محافظ تیار ہوتا ہے ۔)

خاموشی سے بعض اوقات انسان کی کمزوری چھپی رہتی ہے ۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

تا مرد سخن نگفتہ باشد،
عیب و ہُنرش نہفتہ باشد

۲۔ اکرام الجار : دوسری بات یہ ہے کہ ہر مومن اپنے پڑوسی کی عزت کرے ۔ اکرام الجار میں اُس کیساتھ حُسنِ سلوک، خوش اخلاقی اور ہمدردی سب شامل ہیں ۔ پڑوسی کو ستایا نہ جائے ۔ اس کے ظلم و تعدی کو برداشت کیا جائے ۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیلؑ مجھ کو پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ میں نے سوچا کہ پڑوسی کو وارث قرار دے دینگے ۔ (مشکوٰۃ)
ایک صحابیہ روزہ رکھتی اور رات کو تہجد پڑھتی تھیں مگر اپنے پڑوسیوں کو ستاتی تھیں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ وُہ دوزخ میں جائے گی ۔

۳۔ اکرام الضَّیف : اس حدیث میں تیسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ مہمان کی عزت افزائی اور خاطر مدارات کی جائے ۔

Marfat.com

نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود مہمان کی خدمت کیا کرتے تھے اور اسکی ناگوار باتوں پر بھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔

حدیث میں ذکر کردہ تینوں باتیں بظاہر معمولی نظر آتی ہیں لیکن مجلسی آداب اور مُعاشرتی اخلاق کے اعتبار سے ان تینوں باتوں کی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جس شخص کو اپنی زبان پر قابو ہوگا وہ اپنے وقار اور اپنی عزت وشرافت کو محفوظ رکھ سکے گا ہمسائے کی عزت کرنے والا معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اسی طرح مہمان کی خاطرداری کرنے والا لوگوں میں نیک نامی حاصل کرتا ہے اور آخرت میں اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

(۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "مجھے نصیحت فرمائیے!" آپؐ نے

لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

فرمایا "غصہ نہ کر" اس نے کئی مرتبہ یہ سوال دہرایا۔ آپؐ نے یہی فرمایا "تو غصے نہ ہوا کر" اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

غُصّہ نہ کرنے کی تلقین

شرح مطالب: اَوْصِنِیْ (مجھے نصیحت فرمائیے) اَوْصِ اَوْصٰی یُوْصِی سے امر حاضر ہے،
رَدَّدَ اُسنے لوٹایا، دہرایا۔ مِرَارًا (کئی بار، کئی مرتبہ) اس کا واحد مَرَّةٌ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضورؐ مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپؐ نے اِس کے جواب میں فرمایا "لَا تَغْضَبْ!" (غصے نہ ہوا کر) سائل نے پھر اپنا سوال دُہرایا، اس کا خیال تھا کہ شاید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نصیحت میں کچھ اضافہ فرمائیں گے، مگر خلافِ توقع آپؐ نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔ اُس نے کئی مرتبہ اپنا سوال دُہرایا مگر آپؐ ہر بار وُہی جواب دیتے تھے۔ غالباً سائل غضبناک مزاج کا حامل تھا اس لیے آپؐ نے بار بار اُسے یہی نصیحت فرمائی۔

رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی رحم وکرم اور عفو ودرگزر کا بہترین نمونہ تھی۔ آپؐ نے اپنے بدترین دشمنوں تک کو مُعاف فرما دیا۔ کفارِ مکہ نے ظلم وستم کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ ہر مرحلہ پر آپؐ کو ستایا اور دُکھ پہنچایا مگر جب آپؐ فاتحانہ شان وشوکت سے مکہ میں داخل ہُوئے تو اعلانِ عام فرمایا: "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ" (آج تم پر کوئی عتاب نہیں)
خلاصہ یہ کہ بے شمار آیات واحادیث میں غصہ کو دبانے اور فرو کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

Marfat.com

(۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِتَّقِ اللہَ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے

حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ)

ڈر! اور بُرائی کے بعد نیکی کر وہ اسے مٹا دے گی۔ اور لوگوں سے اچھا سلوک کر۔ (اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

تقویٰ اور حُسنِ اخلاق

شرحِ مطالب: "اِتَّقِ اللہَ" (خدا سے ڈر) اِتَّقِ فعل امر حاضر صیغہ واحد مذکر مخاطب۔ از اِتَّقٰی یَتَّقِیْ اِتِّقَاءً (ڈرنا) اس کا مادہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ ایک جامع لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں شرعی احکام کی اطاعت اور حرام اشیاء سے احتراز۔

حَیْثُمَا (جہاں کہیں، جس جگہ) اس میں مَا زائد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو جہاں بھی ہو، خلوت میں یا جلوت میں اور جس حالت میں ہو خواہ سختی میں یا نرمی میں۔

اَتْبِعْ (پیچھے کر)، اَلسَّیِّئَۃُ (برائی) اس کی جمع سَیِّئَاتٌ ہے، اَلْحَسَنَۃُ (نیکی) اس کی جمع حَسَنَاتٌ ہے۔ "تَمْحُھَا" (وہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی) محا یَمْحُوْ مَحْوًا (مٹانا)

خَالِقْ (پیش آ، اچھا برتاؤ کر)۔ اس حدیث میں تین باتوں کی تلقین کی گئی ہے:

ا۔ تقویٰ: یہ حدیث اسلام کے ابتدائی دور کی ہے جب کہ مکہ میں مسلمانوں کے لیے جینا مشکل ہو رہا تھا۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ مکہ میں اسلام لانے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق جب گھر جانے لگے تو آپ نے یہ نصیحت فرمائی کہ جہاں کہیں رہو اللہ کا خوف دل میں رکھو، اللہ کی نافرمانی سے بچو اور لوگوں کیساتھ نیک سلوک کرو۔ اس حدیث میں تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تقویٰ ایک ایسا جامع وصف ہے کہ اس میں تمام اعمالِ صالحہ کا ذوق و شوق اور بُرے کاموں سے احتراز و اجتناب شامل ہے۔ تقویٰ ایک محتاط زندگی اختیار کرنے کا متقاضی ہے۔ متقی انسان پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے اور کوئی ایسا کام انجام نہیں دیتا جس میں حرمت تو الگ رہی، کراہت کا شائبہ بھی موجود ہو۔

۲۔ توبہ: دوسری بات یہ فرمائی کہ اگر کوئی برائی سرزد ہو جائے تو پھر اس سے توبہ کر کے نیک عمل کرو۔ گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد انسان کے دل میں ندامت کا جو جذبہ اُبھرتا ہے اسے توبہ کہتے ہیں۔ توبہ کے لفظی معنی لوٹنے کے ہیں۔

Marfat.com

گویا بندہ گناہ کا مرتکب ہو کر پھر بارگاہِ ربانی کی جانب لوٹتا ہے ۔ توبہ گناہوں کو زائل کرنے ، دل کی سیاہی دھونے اور دل کو
نورِ ایمان سے روشن کرنے کا زبردست وسیلہ ہے ۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا یُوں ہو جاتا ہے
جیسے اُس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہی نہ ہو ۔

۳ ۔ **حُسنِ اخلاق** : تیسری بات یہ فرمائی کہ اخلاقِ حسنہ کا شیوہ اختیار کرو ۔ حُسنِ اخلاق انبیاء علیہم السلام کی
صفت ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ " مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبعوث
کیا ہے کہ میں دُنیا میں اخلاقِ حسنہ کو مکمل کر دُوں " ۔ قرآن کریم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے
" اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ " (آپ خُلقِ عظیم کے مالک ہیں) القلم ۔ ۴

(۹) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَۃَ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِیِّ الْبَدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ
حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، انہوں نے کہا کہ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں نے سابقہ انبیاء کے کلام سے جو چیزیں حاصل کی ہیں ان میں سے ایک یہ
الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)
ہے کہ جب تو شرم محسوس نہ کرے تو جو تیرا جی چاہے کر ۔ (اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

شرم و حیاء

شرح مطالب : مِمَّا ۔ مِنْ + مَا (میں سے) ۔ " اَدْرَکَ " (پایا) باب اِفعال سے ماضی معروف
" لَمْ تَسْتَحِ " (تو حیا نہ کرے ، شرم محسوس نہ کرے) ۔ " فَاصْنَعْ " (پس تو کر)

اس حدیث میں حیاء کی تلقین کی گئی ہے ۔ حیاء ایسے جذبے کو کہتے ہیں جو دل کے اِس احساس سے کروٹ
لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر و باطن کو دیکھ رہا ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اِنسان نیک کاموں کی جانب راغب
ہوتا اور بُرے کاموں سے نفرت کرتا ہے ۔ حیاء کے جامع اور ہمہ گیر فوائد کے پیشِ نظر آپ نے فرمایا کہ حیاء کا حکم سابقہ
شریعتوں میں موجود تھا ۔ ہر شریعت میں اس پر بڑا زور دیا گیا تھا ۔ حیاء انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وُہ دین و اخلاق کی
سب پابندیوں کو قبول کرے اور ان پر عمل پیرا ہو ۔

Marfat.com

اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تہذیب و شرافت اور انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان حیادار بن جائے ۔ شرم وحیاء برائیوں سے روکتی ہے ۔ بے حیاء اور بے شرم آدمی معاشرے میں کسی قانونی بندش کو تسلیم نہیں کرتا ۔ اسی لیے فرمایا کہ بے حیائی سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ معاشرے میں بگاڑ اور فساد پیدا نہ ہو ۔ حیاء کو اخلاق میں بنیادی حیثیت حاصل ہے ۔ اسی لیے حضورؐ نے اسے ایمان کا حصہ قرار دیا ۔ جب انسان میں شرم وحیاء کا جذبہ باقی نہ رہے تو اس سے کسی نیکی اور بھلائی کی اُمید نہیں کی جاسکتی ۔

(۱۰) عَنْ سُفْیَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قُلْ لِیْ فِی الْاِسْلَامِ

حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی

قَوْلًا لَّا اَسْئَلُ عَنْہُ اَحَدًا غَیْرَکَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(جامع) بات بتایئے کہ پھر میں اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھوں ۔ آپؐ نے فرمایا کہو میں اللہ پر ایمان لایا ، پھر اس پر ڈٹ جا ۔ (اسکو امام مسلم نے روایت کیا)

استقامت و ثبات

شرح مطالب : حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہؐ ! دینِ اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع بات بتا دیجیے کہ اسلام کا مفہوم بالکل واضح ہو جائے ۔ آپؐ کے ارشاد کے بعد کسی دوسرے شخص کی تشریح و توضیح کی ضرورت ہی نہ رہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ کہو میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ، پھر اسی ایمان باللہ پر جمے رہو ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مختصر الفاظ میں اسلام کی حقیقت واضح کر دی ۔ اس میں شک نہیں کہ ایمان باللہ اسلام کی ابتداء بھی ہے ۔ انتہا بھی ۔ یہی پہلی منزل ہے اور یہی آخری منزل ۔

اللہ کے رسولوں پر ایمان ، اللہ کی کتابوں پر ایمان ، فرشتوں پر ایمان ، آخری دن پر ایمان ۔ یہ سب ایمان باللہ ہی کی شاخیں ہیں ۔ ایمان باللہ ہی تقوے کی اصل و اساس ہے ۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں ہر جگہ ایمان کو عمل صالح پر مقدم رکھا گیا ہے ۔ اس کے بغیر اعمالِ صالحہ کا تصور بھی ممکن نہیں ، اسی لیے حدیث زیرِ تبصرہ میں فرمایا :

"تم کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم رہ ۔"

جس قدر ایمان پختہ ہو گا ، اسی قدر اعمال کی عمارت مضبوط ہو گی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دنیا کی کوئی قوت اس کو متزلزل نہیں کر سکے گی ۔ ایسا شخص تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے انجام دیتا ہے ۔ وہ دنیا کی ہر طاقت سے ٹکرانے کیلئے تیار ہو جاتا ہے ۔ خلاصہ یہ کہ ایمان لانے کے بعد اس عقیدے پر ایک مومن کو اس طرح ڈٹ جانا چاہیے کہ کوئی لالچ یا خوف

Marfat.com

اسے اس راہ سے برگشتہ نہ کرسکے۔ دنیا بدل جائے مگر وہ اپنے عقیدے پر قائم رہے۔ ایسے مضبوط ایمان کی مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں مل سکتی ہیں۔

(۱۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے کہا

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَرَأَیْتَ اِذَا صَلَّیْتُ الْمَکْتُوْبَاتِ وَصُمْتُ رَمَضَانَ وَاَحْلَلْتُ الْحَلَالَ

کہ آپ فرمایئے آپ کی کیا رائے ہے اگر میں فرض نمازیں پڑھوں، ماہِ رمضان کے روزے رکھوں، حلال کو حلال جانوں اور

وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَلَمْ اَزِدْ عَلٰی ذٰلِكَ شَیْئًا اَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَالَ نَعَمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حرام کو حرام سمجھوں اور اس پر کچھ اضافہ نہ کروں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں! اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا

ارکانِ دین کی پابندی

شرح مطالب: ایک شخص نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میں فرض نمازیں ادا کروں، ماہِ رمضان کے روزے رکھوں، حلال اشیاء کو حلال جانوں اور محرمات سے پرہیز کروں اور اس پر کسی چیز کا اضافہ نہ کروں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا کہ آپ جنت میں جائیں گے۔

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ عوام وخواص سب کو چاہیے کہ دینی فرائض وارکان مثلاً نماز روزہ کو بجالائیں احکام الٰہی کی تعمیل کا جذبہ پیدا کریں۔ سائل کے جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے بنیادی امور کو بیان کردیا۔ مقصد یہ تھا کہ جب اسلام اس کے قلب وذہن میں راسخ ہوجائے گا تو خود بخود اسکی طبیعت نفلی عبادات کی طرف مائل ہوجائے گی۔

(۱۲) عَنْ خَالِدِ بْنِ عَمْرٍو الْقُرَشِیِّ عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ

خالد بن عمرو القرشی سے روایت ہے انہوں نے ابی حازم سے اور ابی حازم نے سہل سے روایت سنی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَظَ رَجُلًا فَقَالَ: اِزْهَدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبَّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِیْمَا اَیْدِی

تو دنیا سے بے رغبتی اختیار کر، اللہ تجھے دوست رکھے گا اور جو چیز لوگوں کے پاس ہو اس سے بھی بے رغبتی اختیار کرو تو لوگ

Marfat.com

النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

تیرے ساتھ پیار کریں گے ۔ (اس حدیث کو ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے)

زُہد کی فضیلت

شرحِ مطالب : اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت اور دوستی چاہنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وُہ دُنیا سے دِل نہ لگائیں ۔ جو شخص چاہے کہ لوگ اُس کی دوستی اور محبت کے طلب گار ہوں، تو اسے چاہیے کہ لوگوں کے مال و دولت سے بے نیازی اور بے رغبتی کا شیوہ اختیار کرے ۔ کسی چیز سے نفرت و حقارت اختیار کرتے ہُوئے رُوگردانی اور اعراض کرنا زُہد ہے ، حلال کو حرام ٹھہرانے کا نام زُہد نہیں ۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ زاہد کون شخص ہوتا ہے ؟ آپ نے فرمایا جو قبر اور اس کے امتحان کو نہ بھُولا، جس نے دُنیا کی زینت کو ترک کیا، جس نے باقی کو فانی پر ترجیح دی، جس نے آنیوالے کل کو اپنی زندگی میں شمار نہ کیا اور اپنے آپ کو فوت شدگان میں شمار کیا ۔ (شرح اربعین ابن حجر)

جو شخص دنیا سے دل لگالے وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے ، اس لیے دنیا کی زیب و زینت میں دل کو نہیں اُلجھانا چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ رہے گی تو وُہ بھی تم سے پیار کرے گا ۔ تم اگر بندوں میں محبُوب ہونا چاہتے ہو تو ان کیساتھ جھگڑا نہ کرو ۔ بہارِ عالم کی رعنائی اور دلفریبی انسان کے دامنِ دل کو تھام کر اسے منزلِ حقیقی سے روکنا چاہتی ہے ۔ جن کا دل اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو وُہ دامن چھُڑا کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں ۔ وُہ دُنیا کے سامانوں سے فقط ضرورت بھر کام لیتے ہیں اور ان کی رنگینیوں پر فریفتہ نہیں ہوتے ۔ یہی زُہد ہے جس کا حکم اس حدیث میں دیا گیا ہے ۔

(۱۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ِالْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کو ضرر دینا (اسلام میں

لَاضَرَرَ وَ لَاضِرَارَ ۔ (حَدِیْثٌ حَسَنٌ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَةَ)

روا نہیں) اور نہ (انتقام کے طور پر) ضرر پہنچانے کی اجازت ہے ۔ (یہ حدیث حسن کے درجہ کی ہے ، اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

ضرر رسانی کی ممانعت

شرحِ مطالب : "لَاضَرَرَ" ۔ کسی کو ضرر پہنچانا جائز نہیں "لَاضِرَارَ" یعنی اگر کسی نے نقصان پہنچایا ہو

تب بھی اسے نقصان نہ پہنچایا جائے بلکہ درگذر اور عفو سے کام لیا جائے ۔

اس حدیث میں ہادیٔ اکبر صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی زندگی کا یہ اصول سکھایا کہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے کسی شخص کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے اور اگر اس نے ظلم و تعدی سے کام لیا ہو تو اس کا انتقام نہ لیا جائے بلکہ عفو و درگذر سے کام لے کر اس کی خطا معاف کر دی جائے یا کم از کم اتنی ہی زیادتی کی جائے جتنی کہ اس نے کی اور اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ حدیث معاشرتی زندگی کا اصل الاصول ہے ۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو بہت سے معاشرتی مسائل از خود حل ہو جاتے ہیں ۔

(۱۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو

یُعْطَی النَّاسُ بِدَعْوَاھُمْ لَادَّعٰی رِجَالٌ اَمْوَالَ قَوْمٍ وَدِمَاءَھُمْ لٰکِنِ

محض دعویٰ کرنے پر سب کچھ دلا دیا جائے تو کچھ لوگ دوسروں کے مال اور خون کا دعویٰ کریں گے لیکن ثبوت

الْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ ۔ (رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ)

مدعی پر ہے اور قسم اس پر جو انکار کرے ۔ (اس حدیث کو بیہقی نے روایت کیا ہے)

اثباتِ دعویٰ

شرح مطالب : اس حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی زندگی کا ایک اہم اصول بیان کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ اگر جج یا قاضی صرف دعویٰ کی بنا پر مدعی کے حق میں فیصلہ صادر کر دے تو بہت لوگ بلا وجہ مال اور خون کے دعاوی دائر کریں گے مگر بات یہ ہے کہ دلیل و برہان کے بغیر کسی کا دعویٰ قابلِ قبول نہیں ۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ کے اثبات میں گواہ پیش کرے گا ، اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعیٰ علیہ اس بات کی تصدیق کرے کہ مدعی کا دعویٰ صحیح ہے ۔ اگر مدعی ثبوت پیش نہ کر سکے اور مدعیٰ علیہ اس کی تصدیق بھی نہ کرتا ہو تو مدعیٰ علیہ حلف اٹھا کر مدعی کے دعویٰ کو باطل کرے گا ۔ علمائے سلف و خلف سب اسی کے قائل ہیں ۔ یہ حدیث باہمی نزاعات کو چکانے کے لیے اصل و اساس اور ایک بنیادی قاعدے کی حیثیت رکھتی ہے ۔ (سبل السلام ج ۴ ۔ ص ۱۳۲)

دیگر نظام ہائے زندگی کی طرح اسلام کا نظامِ عدالت بھی ہر لحاظ سے کامل و اکمل اور قرینِ عدل و انصاف ہے اسلام کے نظامِ عدالت میں شاہ و گدا ، رنگ و نسل ، حسب و نسب ، قوم و قبیلہ ، مرد و عورت ، آزاد اور غلام کے درمیان کوئی

Marfat.com

نیاز نہیں پایا جاتا۔ قانون کی نگاہ میں سب مساوی ہیں۔ عدالتی معاملات میں شرعی ضوابط و قواعد کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اس حدیث میں یہ ضابطہ بیان فرمایا کہ مدعی اپنے دعویٰ کے اثبات میں گواہ پیش کرے۔ گواہوں کو حکم دیا گیا ہے گواہی دیتے وقت خدا کی رضا جوئی کا خیال رکھیں۔ ذاتی مفاد، امیر کا ڈر، غریب سے ہمدردی سچی گواہی میں حائل نہ ہوں۔

(۱۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا

یَقُوْلُ مَنْ رَأٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ

کہ تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اپنے ہاتھ سے روک دے، اور اگر اس بات کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے روک دے۔ اور

یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے دل میں برا جانے اور وہ کمزور ترین ایمان ہے۔ (اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

شرح مطالب: "معروف" ہر اس بات کو کہتے ہیں جو لوگوں میں جانی پہچانی ہو اور لوگ اسے دیکھ کر برا نہ مانیں۔ اور "منکر" معروف کی ضد ہے، یعنی وہ بات جو شریعت میں وارد نہ ہوئی ہو اور اسی لیے غیر مانوس اور اجنبی ہو۔ منکر اس شخص یا چیز کو کہتے ہیں جو پہچانی نہ گئی ہو۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا کہ جو شخص کوئی برا کام ہوتا دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو زبان سے روکے، اس کام کی برائی واضح کرے اور برا بھلا کہے تاکہ وہ اس کام سے باز رہے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اسے دل سے برا تصور کرے۔ نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھے اور دل میں یہ عہد باندھے کہ جب بھی قدرت حاصل ہو گی اسے دست و زبان سے اس کام سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔ فرمایا یہ تیسری بات کمزور ترین ایمان کی علامت ہے، سابقہ دونوں درجات اس سے افضل ہیں۔ اگر بری چیزوں کی برائی کا احساس بھی دل سے نکل جائے تو ایسے شخص کو اپنے ایمان کی فکر کرنا چاہئے۔

(۱۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری

Marfat.com

لِی عَنْ اُمَّتِی الْخَطَاءَ وَالنِّسْیَانَ وَمَا اسْتُکْرِهُوْا عَلَیْهِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

اُمّت کی غلطیاں اور بھول چوک اور وہ (گناہ) جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو، معاف کر دیے۔ (ابن ماجہ)

بھول چُوک اور جبر و اکراہ کی معافی

شرح مطالب: "تَجَاوَزَ": معاف کیا، دُور کیا۔

"اَلْخَطَاءَ": خطاء کی ضد عمد ہے۔ غیر ارادی طور سے کام کرنے کو خطا کہتے ہیں۔ مثلاً شکار پر گولی چلائی اور کسی آدمی کو لگ گئی۔

"اَلنِّسْیَانَ": بھول کر غیر ارادی طور پر کوئی کام کرنا، مثلاً روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لینا۔

"مَا اسْتُکْرِهُوْا عَلَیْهِ": (جس پر ان کو مجبور کیا جائے) مثلاً کوئی شخص سر پر تلوار لیے کھڑا ہو اور کلمہ کفر کہنے پر مجبور کرے تو یہ شخص کافر نہ ہوگا۔

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمتِ محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات خصوصی کا ذکر فرمایا کہ خالق کائنات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مسلمانوں کی معمولی غلطیاں، بھول چُوک اور ایسے گناہ جو کسی کے مجبور کرنے سے سرزد ہوں وہ معاف کر دیے۔ البتہ شرعی ارکان و فرائض سے غفلت شرعی احکام کی کھلی مخالفت اور کبیرہ گناہ اس میں شامل نہیں۔ اگر کسی کے مجبور کرنے سے گناہ کا کوئی کام کیا جائے تو پھر بھی دل میں بھرپور ایمان ہونا چاہیے۔ زبان سے کچھ کہے مگر دل مطمئن ہو۔

(۱۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْکِبِی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا

فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

دنیا میں یوں رہ گویا کہ تو پردیسی ہے یا راہ چلنے والا ہے۔ (صحیح بخاری)

دُنیا سے اعراض

شرح مطالب: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ایک اجنبی اور پردیسی کی زندگی بسر کر بلکہ اس سے آگے

Marfat.com

بڑھ کر اس شخص کا انداز حیات اختیار کر جو چلتے چلتے کسی راستے سے گزر جاتا ہے۔ پردیسی یا اجنبی تو پھر بھی کہیں ٹھکانا کر لیتا ہے لیکن راہگیر کے پیشِ نظر راستہ طے کرنے کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ اس پر صرف یہ دُھن سوار ہوتی ہے کہ سفر طے کر کے جلد از جلد منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔ اِسی طرح دین اسلام کی راہ کے سالک کو چاہیے کہ اپنے کام سے کام رکھے اور اُخروی فلاح و بہبود کے نصب العین کو کسی وقت نظر سے اوجھل نہ ہونے دے۔ اگر وہ دنیوی ساز و سامان میں اُلجھ گیا تو منزل کا پانا دشوار ہو جائے گا۔ ایک مومن کا نظریۂ حیات یہی ہے کہ دُنیا پردیس ہے۔ یہ جی لگانے کی جگہ نہیں دھیان اصلی وطن یعنی جنت اور آخرت کی طرف ہونا چاہیے۔ یہاں محنت و مشقت یعنی عبادت اور احکامِ الٰہی کی اطاعت مقصود ہے۔

یہ مطلب بھی مُراد لیا جا سکتا ہے کہ دُنیا ایک راستہ ہے جس پر وُہ ایک راہگیر کی طرح چلا جا رہا ہے۔ اِس کے سامنے راستے کی کوئی دلفریبی باعث کشش نہیں ہو سکتی۔ اس کی نظر منزلِ مقصود پر ہے۔ حدیث میں اِس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ ضرورت سے زائد سامان جمع کرنے میں کوئی مصلحت نہیں۔ جس طرح مسافر اپنے ساتھ صرف زاد راہ لیتا ہے۔ اِسی طرح مومن کو چاہیے کہ دُنیا سے آخرت کو جاتے ہوئے اپنے ساتھ ضروری اور ناگزیر ساز و سامان رکھے۔ انسان کا اصلی وطن یہ دُنیائے فانی نہیں بلکہ آخرت ہے۔ اسے اس دُنیا سے اِس طرح گزر جانا چاہیئے جس طرح مسافر راستے سے گزر جاتا ہے۔

(۱۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو۔

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

شرح مطالب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک دائرۂ دین ایمان و اسلام میں داخل نہیں ہوتا جب تک خلوص دل سے کسی کے خوف کے بغیر اِس دین کو تسلیم نہ کرے جسے میں لے کر آیا ہوں۔ یہ مطلب بھی مُراد لیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا جب تک اس کے جذبات و احساسات ان شرعی احکام کے تابع نہ ہو جائیں جو خدا کی طرف سے لایا ہوں۔ اگر دل سے وُہ ان احکام کو چاہتا ہو تو ان کو دین سمجھ کر

Marfat.com

ان کی اطاعت کرے۔ اس لیے نہیں کہ وُہ اسے پسند ہیں۔ اور اگر دل سے وُہ ان احکام کو پسند نہیں کرتا تو اپنے جذبات کو قابو میں رکھے تب وُہ مومن کامل ہوگا۔ (مرقات ملا علی قاری)

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک کوئی شخص اپنی نفسانی خواہشات اور جذبات و احساسات کو اس شریعت کے تابع نہ کر دے جو مَیں لے کر مبعوث ہوا ہوں تو وُہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدیثِ نبوی دین میں حجّت ہے اور اس کے بغیر دینِ اسلام کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

(۱۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَی اللّٰهُ عَنْهُ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (سچا) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں اور (اصلی) مہاجر وُہ ہے جو ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری)

سچّے مُسلمان اور مُہاجر کی پہچان

شرحِ مطالب: حضورؐ نے فرمایا سچا مسلم وُہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو ایذا نہ پہنچے۔ اسلام کا مادہ سلم ہے جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں۔ اس لیے سچا مُسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مُسلمان سلامت رہیں۔ کسی کو بلا وجہ تکلیف نہ دے۔ اسی طرح تارکِ وطن کو مہاجر کہتے ہیں۔ لیکن اصلی مہاجر وُہ ہے جو ممنوع اور حرام اشیاء کو چھوڑ دے مہاجر کا لفظ ھجر سے نکلا ہے جس کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں۔

تو گویا شرعی ممنوعات کو چھوڑ دینے والا اصلی مہاجر ہے۔

(۲۰) وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے کوئی آدمی

Marfat.com

اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ

مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دِل میں میری محبت ماں باپ ، اولاد اور تمام

وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

لوگوں سے زیادہ نہ ہو ۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حُبِّ رسُولؐ علامتِ ایمان ہے

شرح مطالبؒ : اس حدیث میں سچے مومن کی علامت یہ بیان فرمائی کہ اپنے والدین، اولاد اور عزیز و اقارب کی نسبت سب سے زیادہ محبت اسے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی ہے۔ فطری محبت سے شریعت نے منع نہیں فرمایا۔ جیسے ماں باپ، بہن بھائیوں اور اولاد کی محبت یہ سب جائز ہیں، بشرطیکہ ان کے ذریعے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ ہو ۔ اگر اقارب کی محبت میں رسُولِ کریمؐ کی نافرمانی کرے تو ایمان سلامت نہیں رہے گا۔ رسُولِ کریمؐ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ان کی اطاعت کرے۔ ان کی اطاعت میں اگر کچھ نقصان بھی ہو یا تکلیف بھی پہنچے تو اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔

○

Marfat.com

۱-۴ خود آزمائی نمبر ۲

۱ — اسلام کی بنیاد کن پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے ؟

۲ — ایمان کامل کی پہچان کیا ہے ؟ مثالیں دے کر واضح کیجیے ۔

۳ — اسلام نے پڑوسیوں کے حقوق پر بہت زور دیا ہے ۔ کیا آپ اپنی روزمرہ زندگی میں اس پر عمل کرتے ہیں ۔ جواب کی وضاحت کے لیے کم از کم دو واقعات کا ذکر کیجیے ۔

۴ — ضرر سے ممانعت والی حدیث کا اُردو میں ترجمہ کیجیے ۔

۵ — نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا ، جب تک اُس کے دِل میں میری محبت ، ماں باپ ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو ۔" اِس حدیث پر تبصرہ کیجیے ۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قل ھو اللہ احد

اللہ الصمد

لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد

صدق اللہ العظیم

ترجمہ: (اے پیغمبر) تو کہہ دے کہ وہ اللہ تعالےٰ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یُونٹ (۳)

دینِ اسلام - I

(توحید)

تحریر

پروفیسر حافظ احمد یار

Marfat.com

فہرست

صفحہ

☐ تعارف ، ☐ مقاصد ــــــــ ۶۵ ، ۶۶

۱ ــ دینِ اسلام ــــــــ ۶۷

۱-۱ دین کے معنی ــــــــ ۶۷

۱-۲ اسلام کے معنی ــــــــ ۶۸

۱-۳ عقیدے اور ایمان کے معنی ــــــــ ۶۹

۱-۴ دینِ اسلام کی اہمیت ــــــــ ۷۰

۱-۵ دینِ اسلام کی تعلیمات کا تاریخی پس منظر ــــــــ ۷۳

۱-۶ ایمانیات کی اہمیت ــــــــ ۷۵

۱-۷ خود آزمائی نمبر ۱ ــــــــ ۷۶

۲ ــ توحید ــــــــ ۷۸

۲-۱ توحید کے لفظی اور اصطلاحی معانی ــــــــ ۷۸

۲-۲ شرک کے لفظی اور اصطلاحی معانی ــــــــ ۷۸

۲-۳ توحید اور شرک کا تعلق ــــــــ ۷۸

۲-۴ الٰہ کے معنی ــــــــ ۷۹

۲-۵ اللہ کا مطلب ــــــــ ۸۰

۲-۶ اسماء اللہ الحسنیٰ ــــــــ ۸۲

۲-۷ توحید کی اہمیت ــــــــ ۸۳

۲-۸ شرک کی مختلف صورتیں ــــــــ ۸۴

۲-۹ عقیدہ توحید کے تقاضے ــــــــ ۸۶

۲-۱۰ عقیدہ توحید کی برکات ــــــــ ۸۷

۲-۱۱ مذاہب عالم پر اسلام کے عقیدہ توحید کے اثرات ــــــــ ۸۸

۲-۱۲ خود آزمائی نمبر ۲ ــــــــ ۸۹

Marfat.com

تعارف

دین کی بنیاد عقیدہ یا ایمان ہے۔ دینِ اسلام کی تعلیمات کا اصل سرچشمہ اور منبع کتاب اور سنت ہے۔ اس کے لیے دوسرا عام فہم لفظ قرآن اور حدیث ہے۔ کتاب اور سنت پر مشتمل پہلے دو یونٹ آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔

سب یونٹوں میں ہر بات کتاب اور سنت کے حوالے سے اور ان کے مطابق بیان ہو گی، اس لیے کہ دینِ اسلام میں اصل بنیاد اور حجت (AUTHORITY) صرف کتاب و سنت ہی ہے۔

Marfat.com

مقاصد

اس یونٹ کے مقاصد یہ ہیں کہ آپ اسے پڑھنے کے بعد

۱ــــ دو بنیادی لفظوں "دین" اور "اسلام" کے لفظی اور اصطلاحی معنوں سے واقف ہو سکیں۔

۲ــــ دین میں عقیدے اور ایمان کی اہمیت کو جان سکیں۔

۳ــــ اسلام کے بنیادی عقیدے۔ توحید کو صحیح اور واضح طور پر سمجھ سکیں۔

Marfat.com

۱ — دینِ اسلام

ہم مسلمانوں کے دین کا نام اِسلام ہے ۔ دینِ اسلام کی تعلیمات پر بات کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان دو الفاظ دین اور اسلام کے بنیادی لفظی اور اصطلاحی معنی اور مطلب سے آگاہ ہولیں ۔ اتنی سی بات بھی بڑی حد تک آپکی سوچ اور فکر کا صحیح راستہ متعین کر دے گی ۔

۱-۱ دین کے معنی

لفظ دین عربی زبان کے جس فعل سے نکلا ہے ، اس کے چار لفظی معانی ہیں :

۱ — بدلہ دینا ، محاسبہ کرنا   ۲ — حکم چلانا ، مالک اور متصرّف ہونا ۔

۳ — حکم ماننا ، اطاعت کرنا ، اور فیصلہ قبول کرنا ۔

۴ — مذہب یا مسلک بنالینا ، طریقہ اختیار کرنا ، (نظری یا عملی) دستُور اور ضابطہ بنالینا ۔

ان میں سے پہلے تین معانی ، جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے ، ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں ۔ بلکہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ دین میں دو ایسے فریقین یا طرفین کے تعلق کا مفہوم موجود ہے ، جن میں سے ایک دُوسرے کے تابع فرمان ہوتا ہے — لِلّٰهِ الدِّيْنُ[۱] (دین صرف اللہ ہی کے لیے ہے ۔) کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں ۔ (۱) حکم دینے کا حق صرف اللہ کو ہے ۔ (۲) حکم صرف اللہ کا ماننا چاہیے ۔

ان معنوں سے ہی "دین" کا چوتھا معنیٰ پیدا ہوتا ہے ، اِس لیے کہ حکم چلانے یا فیصلہ کرنے اور حکم بجالانے یا فیصلہ ماننے کی وضاحت کسی دستور ، ضابطے اور قانون سے ہو گی ۔

دین کے ان سب معنوں میں مشترک خصوصیت " لازمی ہونا " ہے ۔ (ا) وہ جس کا حکم ماننا لازمی ہے ، (ب) وُہ جس پر حکم ماننا لازمی ہے ، (ج) وہ حکم جسے ماننا لازمی ہے ۔

---

[۱] یہ قرآن کریم کی ایک آیت کا حصّہ ہے ۔ (الزّمر : ۳) پوری عبارت یوں ہے :
اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (دیکھو خالص اطاعت اللہ کے لیے ہے)

Marfat.com

لفظ "دین" کے تمام معنوں، مثلاً حکم، بدلہ، فیصلہ، جزاء، ضابطہ، قانون، دستور، مذہب، مسلک اور طریقہ وغیرہ تمام الفاظ میں "لازمی" کا معنیٰ موجود ہے۔

قرآنِ کریم میں لفظ دین ۹۲ جگہ آیا ہے اور زیادہ تر دستورِ زندگی یا ضابطۂ حیات کے معنوں میں ہی آیا ہے۔ یعنی ان معنوں میں جن کے لیے اصطلاح کے طور پر اُردو میں "مذہب"، انگریزی میں "RELIGION" اور ہندی میں "دھرم" یا "مَت" کے الفاظ مستعمل ہیں۔ یوں تو "مذہب" بھی عربی لفظ ہے مگر اس کے معنی صرف "جانے کا راستہ" ہیں یہ لفظ اپنے معنوں میں لفظ "دین" کی سی وُسعت نہیں رکھتا اور نہ یہ لفظ (مذہب) قرآنِ کریم میں کہیں استعمال ہُوا ہے۔ اُردو میں اب یہ لفظ (مذہب) اپنے اصل عربی معنی کے بجائے "دین" کے معنوں میں ہی استعمال ہوتا ہے، بلکہ ہر لحاظ سے اس کا مترادف بن گیا ہے۔ اس لیے کم از کم اُردو میں "دینِ اسلام" یا "مذہبِ اسلام" دونوں طرح کہنا درست ہے۔ پھر بھی مذہب کی جگہ دین کا لفظ اختیار کرنا بہتر ہے، اس لیے کہ قرآنِ کریم میں یہی لفظ آیا ہے۔ یہی بات انگریزی، ہندی یا دُنیا کی کسی بھی زبان کے ایسے لفظ کی بابت دُرست ہو گی جو "مذہب" کے معنی رکھتا ہو۔ لفظ "دین" ان سب سے جامع اور وسیع لفظ ہے۔ لہٰذا اُردو میں مذہب کی بجائے دین کے لفظ کو رواج دینا چاہیے۔[1]

۲-۱ اِسلام کے معنی

اب آئیے ذرا دینِ اسلام کے دوسرے لفظ اسلام کے معنی سمجھیے:

۱-۲-۱ لفظ اسلام کے عربی میں تین بنیادی لغوی معنی ہیں:

(ا) آفتوں وغیرہ سے محفوظ ہونا۔ سلامتی پانا،

(ب) صلح کرنا، امن و امان پانا،

(ج) حکم بجا لانا، فرماں برداری اختیار کرنا، سرِ تسلیم خم کر دینا۔

دین کی طرح لفظ اسلام کے لُغوی معنوں سے بھی ذہن میں یہ بات خود بخود آتی ہے کہ اس لفظ کے ساتھ ایک ایسی زبردست قدرت اور طاقت والی ہستی کا تصور لازمی ہے، جس کا حکم دِل و جان سے مان لینا امن اور سلامتی کی ضمانت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ "اِسلام" اکثر اللہ کے ساتھ استعمال ہُوا ہے۔ اس طرح اس کا مطلب ہوگا

---

[1] اسلامی اصطلاح کے طور پر مذہب فرقے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً شیعہ، سُنی وغیرہ۔ لفظ "فرقہ" میں سے الگ الگ ہونے اور پھوٹ پڑ جانے کی بُو آتی ہے، اسلیے ہم اس کتاب میں ان معنوں کے لیے "اسلامی فرقے" کی بجائے ہر جگہ "اسلامی مذاہب" کا لفظ استعمال کریں گے۔

Marfat.com

"اللہ تعالیٰ کے آگے اطاعت کے لیے سر جھکا دینا اور اس کا حکم بے چُوں و چرا بجالانا"۔ یہی معنی اب اگر اس کے ساتھ اسمِ جلالت (اللہ) استعمال نہ بھی ہو تب بھی صرف لفظ "اسلام" سے مطلقاً اطاعت کے لیے سر جھکا دینا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکا دینا ہی مُراد لیا جائے گا۔

۱-۲-۲ لفظ "اِسلام" قرآنِ کریم میں ۶ جگہ استعمال ہُوا ہے اور اس سے مُشتق (نکلنے والے) اسماء اور افعال بکثرت آئے ہیں۔ مثلاً لفظ مُسْلِمٌ کے معنی ہوں گے "اللہ کے قانون یا حکم کی مکمل فرمانبرداری اختیار کرنے والا" یا دینِ اسلام کا پیرو۔ لفظ "مسلمان" دراصل اِسی "مُسلم" کا بگڑا ہُوا تلفظ ہے۔

اب ذرا دونوں الفاظ "دینِ اسلام" کو ملا کر پڑھیے تو اس کے لفظی معنی بنیں گے "اللہ تعالیٰ کی بے چُوں و چرا فرماں برداری اختیار کرنے کا طریقہ یا مذہب"۔ اس طرح ہمارے دین کے نام سے ہی امن و صلح، حفاظت اور سلامتی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تصوّر وابستہ ہے۔ دُنیا کے کسی مذہب کے نام میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ دُوسرے مذاہب اپنے بانیوں کے نام، لقب، قوم یا علاقے وغیرہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ کسی مذہب کے نام سے اِس مذہب کی غرض و غایت یا اس کے احکام اور پروگرام یا اس کی کسی نظریاتی خصوصیت کی طرف اشارہ نہیں پایا جاتا۔

> یہ صرف ہمارے ہی دین کی امتیازی خصوصیت ہے کہ اِس کے نام میں ہی اس کے مقصد اور اس کے پیغام کی طرف واضح اِشارہ موجود ہے۔

۱-۳ عقیدے اور ایمان کے معنیٰ

اب تک ہم نے زیادہ تر "دین" اور "اِسلام" کے لفظی معنوں پر ہی بات کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(ا) "دین کے لفظی معنوں میں ہی ایک ایسی برتر اور قادر ہستی کا تصوّر موجود ہے جو بے بس نہیں بلکہ اس کا حکم چلتا ہے، جو دانا اور عادل بھی ہے اور اپنے احکام کی تعمیل کے بارے میں محاسبہ بھی کرتی ہے۔"

(ب) "اِسی طرح "اسلام" کے لفظی معنوں میں ہی اس برتر ہستی کی فرماں روائی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے اور اس کے تمام احکام بے چوں و چرا بجا لانے کا تصوّر پایا جاتا ہے"۔

اِسلام میں اس بزرگ و برتر ہستی "کا نام" اللہ "ہے۔ تصوّر کی بجائے ہم "عقیدے" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں

Marfat.com

کیونکہ "تصور" میں محض ایک سوچ کا مفہوم ہے جبکہ عقیدے میں یقین کی ایسی پختگی کا مفہوم موجود ہے جو آدمی کے دِل و دماغ پر مسلط ہو کر اس کے تمام اعمال میں سرایت کر جائے۔

۱-۳-۱ عقیدے کا لفظ "عقد" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں "مضبُوط گرہ باندھنا، مضبُوط اور پکا کر لینا"۔ عقیدے کا لفظ اگرچہ "تصور" اور "نظریے" سے بلند تر اور بہتر ہے اور اس لفظ (عقیدے) کو ہم بطور اِصطلاح عام استعمال کرتے ہیں۔ تاہم قرآنِ کریم میں یہ لفظ کہیں بھی اِستعمال نہیں ہُوا۔

۱-۳-۲ قرآنِ کریم میں اس کی بجائے لفظ "ایمان" اختیار کیا گیا ہے۔ لفظ "ایمان" میں صدق اور یقین کا دِل کی گہرائیوں تک اُتر جانے کا جو مفہوم ہے وہ لفظ "عقیدے" میں بھی نہیں ہے۔ ایک فرق ان دونوں لفظوں میں یہ بھی ہے کہ عقیدے کا لفظ اپنے اندر "پختگی" کا معنیٰ تو رکھتا ہے مگر "درستی" اور "راستی" کا اس میں پایا جانا ضروری نہیں۔ "عقیدہ" غلط یا باطل بھی ہو سکتا ہے۔ مگر ایمان اپنے لفظی معنوں کے لحاظ سے اکثر اور اصطلاحی معنوں کے لحاظ سے ہمیشہ حق اور صداقت کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً آپ "غیر اسلامی عقیدے" کا لفظ تو اِستعمال کر سکتے ہیں مگر "غیر اسلامی ایمان" کہنا درست نہیں ہوگا۔

۱-۳-۳ بہر حال "ایمان" یا "درست عقیدہ" دین کی بُنیاد بلکہ اس کی جان ہے، کیونکہ ایمان محض "جان لینے" کا نہیں بلکہ دِل سے "مان لینے" کا نام ہے۔ جب تک بات دِل میں نہیں اُترتی، وُہ دین یا دستور کیسے بنے گی؟ اسی لیے اِسلام اور اسلامی تعلیمات کی بات کرتے ہُوئے پہلے سبق (یونٹ) کا اصل موضوع اِسلام کے بنیادی عقائد یا "ایمانیات" کا بیان ہے مگر اس سے بھی پہلے دینِ اسلام کی اہمیّت کو جان لینا ضروری ہے، اِس لیے کہ جب دینِ اسلام کی عظمت، ضرورت اور اہمیّت سے آگاہ ہوں گے تو خود بخود "دینِ اسلام کو سمجھنے اور اس کے عقائد اور احکام کو جاننے کا شوق پیدا ہوگا۔

۱-۴ دینِ اِسلام کی اہمیّت

دینِ اسلام کے بارے میں قرآنِ کریم میں دو بُنیادی باتیں بیان ہُوئی ہیں، ان کو ذہن میں رکھنا چاہیے :-

(۱) اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ (آل عمران : ۱۹) "یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں تو دین صرف اِسلام ہی ہے"۔ کیا آپ نے غور کیا کہ اِس آیت میں دین کی بجائے "الدّین" اور اسلام کی بجائے "الاسلام" آیا ہے۔ یعنی دونوں لفظوں کے شروع میں "ال" لگا ہُوا ہے۔ یہ عربی گرامر کی بات ہے اور ہم آپ کو اس میں اُلجھانا بھی نہیں چاہتے، تاہم یہ بات ذہن میں رکھ لیجئے کہ آیت کے ترجمہ میں "تو"، "صرف" اور "ہی" سے جو زور پیدا ہُوا ہے، وُہ اسی

Marfat.com

"اَلْ" کی وجہ سے ہے۔ عربی میں "اَلْ" کا وہی مفہوم ہے جو انگریزی میں "THE" کا ہے۔

(ب) وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ آلِ عمران ۸۵

"اور جو شخص اِسلام (اور صرف اسلام) کے سوا کوئی اور دین، مذہب یا طریقہ (اختیار کرنا) چاہے گا تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ زیاں کاروں میں سے ہوگا۔"

ان دونوں آیتوں کا مضمون یوں تو واضح ہے تاہم اگر ذرا غور و فکر سے کام لیں تو اتنے سے مضمون پر بھی کچھ سوالات ذہن میں اُبھر سکتے ہیں۔ ہم ان سوالات کو خود ہی آپ کے ذہن میں اُبھار کر، ان کے جوابات کا ذِکر، اِختصار کے ساتھ ہی سہی، اِس لیے پہلے کرنا چاہتے ہیں کہ اِس سے آپ کا ذہن دین کے متعلق آمدہ بیان کردہ باتوں کو سمجھنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ یہ سوالات کچھ اِس قسم کے ہو سکتے ہیں:

(۱) اللہ سے کیا مراد ہے؟ (۲) جب دینِ اسلام اللہ کی فرمانبرداری کے طریقے کا نام ہے تو وُہ کون سے احکام ہیں جن میں فرمانبرداری مطلوب ہے؟ (۳) یہ بات کہ "اِسلام کے سوا کوئی بھی دُوسرا دین اللہ کی طرف سے نہیں" کیسے درست ہو سکتی ہے، جبکہ اسلام کا آغاز تو ایک خاص زمانے سے ہُوا (آج سے کوئی چودہ سو سال پہلے) کیا اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دِین تھا ہی نہیں؟ (۴) اِنسانوں کے لیے یہ کیوں ضروری ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی "دِین" خواہ مخواہ اِختیار کریں؟ اگر کوئی آدمی کوئی دِین بھی اِختیار نہ کرے تو؟ (۵) آخرت سے کیا مُراد ہے؟

اب جوابات بھی اِسی ترتیب سے سُنیے:

(۱) پہلے سوال کا مختصر جواب ابھی اوپر (۴-۱ میں) گذر چکا ہے، مگر اس کی تفصیل آگے توحید کے بیان میں آرہی ہے۔

(۲) دُوسرے سوال کا جواب بھی آگے "رسالت" کے عُنوان میں آئے گا۔

(۳) تیسرے سوال پر دوبارہ "رسالت" کے عُنوان کے تحت بھی بات آئے گی تاہم یہاں بھی اِسکی وضاحت ضروری ہے۔ یاد رہے کہ قرآنِ کریم میں یہ بات ایک سے زیادہ جگہ پر واضح کر دی گئی ہے تمام نبی اور رسُول، جو دین لے کر آتے رہے وُہ اِسلام ہی تھا۔ اِس کے بُنیادی عقائد (مثلاً توحید، رسالت، آخرت) اور عبادات و احکام (مثلاً نماز، روزہ اور زکوٰۃ) ہمیشہ اصُولی طور پر یکساں ہی رہے، صِرف کیفیت میں فرق ہونا اور بات ہے۔ تمام انبیاءؑ اور ان کے پیرو اپنے زمانے کے مسلمان تھے۔ چاہے ان کی اپنی زبان میں "اِسلام" کے لیے جو بھی لفظ بولا جاتا رہا ہو۔ اِسلیے کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اِسلام کے معنی میں کسی بھی شخص، زمانے، علاقے یا نسل وغیرہ کا سِرے سے مفہوم ہی مَوجود نہیں ہے

Marfat.com

ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی، جو سب سے آخری نبی ہیں، وہی دین (اسلام) پیش کیا جو پہلے انبیاء پیش کرتے رہے۔ فرق صرف تین باتوں میں ہے۔ (ا) پہلی اُمتیں اپنے رسُولوں کی اکثر تعلیمات محفوظ نہ رکھ سکیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل تعلیمات کی خصوصی طور پر حفاظت فرمائی ہے (ب) دوسرے یہ کہ پہلے کبھی دین کی باتیں اتنی جامع اور مکمل بھی نہیں بتائی گئیں جتنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بتائی گئیں (ج) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اب احکام کی تفصیل میں آپ کی پیروی کی جائے گی۔ کیونکہ پہلے انبیاء کے احکام یا تو محفوظ نہ رہے یا جامع اور مکمل نہ ہونے کے باعث وقتی تھے، دائمی نہ تھے۔

دینِ اسلام کے ہمیشہ سے ایک ہی دین ہونے کا ایک ثبوت یُوں بھی ملتا ہے کہ اب بھی تمام مذاہب میں کُچھ نہ کُچھ تعلیمات ملتی جُلتی ہیں۔ یہ بات خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی دلیل بھی ہے، اِس لیے کہ آپ نے ہمیشہ اسلام ہی کے اصل دین ہونے پر زور دیا۔ دینِ اسلام کی آخری، مکمل اور محفوظ شکل وہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی۔ لہٰذا اب ہم اِصطلاحی معنوں میں "اسلام" کا لفظ اِسی لیے استعمال کرتے ہیں۔

(۴) اب آئیے چوتھے سوال کی طرف، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ انسان کوئی "دین" بھی اختیار نہ کرے۔ آپ پڑھ آئے ہیں کہ دین کا مطلب ہے طریقۂ زندگی یا دستورِ حیات۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی آدمی زندگی گزارنے کے لیے کوئی بھی اصول یا طریقہ اختیار نہ کرے؟ یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہر چار دن کے بعد طریقہ یا مذہب بدلتا ہے، مگر "بے اصول" اور "بے دین" ہونا بھی ایک اصُول یا دین ہی تو ہُوا۔ فرق تو صرف غلط یا صحیح دین اور اچھے یا بُرے "طریقِ زندگی" کا ہی رہ گیا[۱] گویا لفظی معنوں (طریقِ زندگی) کے لحاظ سے تو دُنیا میں کوئی آدمی بھی "بے دین" نہیں ہوتا، البتہ اِصطلاحی معنوں کے لحاظ سے "بے دین" اسے کہا جا سکتا ہے جو دینِ اسلام کا پیرو اور پابند نہ ہو۔ بات یہ ہے کہ دُنیا میں کوئی آدمی ایسا نہ ہُوا ہے نہ ہوگا، جس نے کبھی اپنے اور اس دُنیا کے آغاز اور انجام کے بارے میں کچھ نہ کچھ پُوچھا یا سوچا نہ ہو۔ اِس کا جواب اسے جو بھی ملے، جہاں سے بھی ملے۔ اپنی سوچ اور مطالعہ سے، معاشرتی ماحول سے، یا بچپن کی تربیت سے —— شعوری یا غیر شعوری طور پر اس سوال کا کوئی نہ کوئی جواب اس کا ذہن قبول کرتا ہے اور پھر اس "جواب" کے مطابق اس کے ذہن میں زندگی کا ایک مقصد متعین ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے تمام اعمال اور سارے کام اس کے ذہن میں محفوظ مقصد کے مطابق سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ گویا پہلے افکار یا عقائد اور پھر ان کے مطابق

---

[۱] قرآن کریم کی آیت لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین) الکافرون — ۶ میں اسی فرق کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

کردار ــــ "دین ہی تو ہے۔ غلط نظریات کی بنیاد پر غلط طریقِ زندگی اختیار کرنے سے اول تو لازماً معاشرے کے دُوسرے افراد کو تکلیف پہنچے گی اور بالآخر غلط طریقہ اختیار کرنے والے کو بھی اس کا نقصان اٹھانا پڑے گا، اسی طرح اصل اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی دُوسرے مذہب کو کسی بھی درجے میں اپنانے کا بُرا نتیجہ اسے دیکھنا ہی پڑے گا۔

(۵) پانچویں سوال کا مفصل جواب اسی یونٹ میں آگے چل کر "آخرت" ہی کے عنوان سے آرہا ہے۔

آپ نے شاید نوٹ کیا ہوگا کہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں "دین" اور "اسلام" کے الفاظ معناً ایک دُوسرے کے لازم و ملزوم بلکہ تقریباً مترادف آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم صرف "دین" کہتے ہیں تو بھی ہمارا مطلب "دینِ اسلام" ہی ہوتا ہے اور صرف اسلام کہیں تو اس سے "اسلام بطور دینِ کامل" مراد لیا جاتا ہے۔ خود قرآن کریم میں دِینِ اللهِ (اللہ کا دین)، دِیْنِ الحقِ (سچائی کا دین) اور اَلدِّیْنُ الْقَیِّمُ (مضبوط اور پکا دین) وغیرہ کہکر "اسلام" ہی مُراد لیا گیا ہے۔ اسلام کے متعلق بہت سی باتیں صرف دین کہکر کی گئی ہیں مثلاً مسلمانوں کا باہم اخوان فی الدین (دینی بھائی) ہونا، اِقَامَۃُ الدِّین (دین کا نفاذ) واجب ہونا، تَفَقُّہٌ فِی الدِّین (دین کی سوجھ بُوجھ) پیدا کرنا، غُلُوٌ فی الدِّین (دین میں مبالغہ آمیزی) کی مذمت اور تَفرِقہِ فی الدِّین (دین میں فرقہ بندیاں قائم کرنے) کی ممانعت وغیرہ۔ یہ ساری باتیں دینِ اسلام ہی کے بارے میں ہیں۔

۵-۱ دینِ اسلام کی تعلیمات کا تاریخی پس منظر

یہاں تک تو ہم نے "دین"، "اسلام"، "عقیدہ" اور "ایمان" کے لفظی اور اصطلاحی معنوں، ان کے مضمرات اور ان کے باہمی تعلق کی نوعیت کا جائزہ لیا ہے۔ اب ہم اصطلاحی اسلام یعنی حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے، بتائے ہوئے اور سکھائے ہوئے دین پر اس کے تاریخی نقطۂ آغاز کے پس منظر میں ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس سے ہمیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی نسبت اور اس کے تقاضوں کا کچھ احساس ہوگا اور یہ احساس بھی ہمیں اپنے ہادی و رہنما پیغمبرِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے کم از کم ضروری پہلوؤں سے آگاہ ہونے پر آمادہ کرے گا۔

دینِ اسلام کا یہ "محمدی دور" آج سے کم و بیش چودہ سو سال پہلے اس دن شروع ہوا، جس دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا۔ اس سے پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شہر مکہ مکرمہ میں اپنی عُمر کے چالیس سال گزار چکے تھے۔ آپؐ کے ہم وطنوں کا عام مذہب شرک اور بُت پرستی تھا۔ وہ لوگ اور بھی بیسیوں قسم کی خرابیوں

Marfat.com

میں مبتلا تھے کیونکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ کسی زندگی کے قائل نہ تھے بلکہ سختی سے اس کا انکار کرتے تھے۔ اِس ماحول میں ہمارے آقا (محمد بن عبداللہ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے چالیس برس اِس طرح گزارے کہ سب لوگ اُنکے اخلاق و عادات اور سیرت و کردار کے مدّاح تھے۔ سارے شہر میں اُن کی سچائی اور امانت کی دھوم تھی۔ اِس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہموطنوں کے سامنے یہ دعویٰ کیا اور اِس بات کی تبلیغ شروع کی کہ:

> اللہ تعالیٰ نے خود مجھے تمہاری طرف اپنا پیغام پہنچانے والا (رسُول) مقرر کیا ہے اور اِس پیغام کی بنیادی باتیں دو ہیں۔ (۱) یہ کہ اللہ کے سِوا، بلکہ اُس کیساتھ بھی کِسی اور کی عبادت ہرگز درست نہیں۔ (۲) یہ کہ مرنے کے بعد تم سب دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے اور وہاں تم سے اِس زندگی میں کیے گئے کاموں کا حساب لیا جائیگا۔

جن لوگوں نے آپؐ کی تصدیق کی، آپؐ پر ایمان لائے (یعنی آپؐ کی ساری کی ساری باتوں کو دِل سے سچ جان کر مان لیا)، وُہ مسلمان کہلائے اور انکار کرنے والے کافر۔ آہستہ آہستہ ان دو گروہوں کا دائرہ پُورے ملک عرب تک اور پھر ساری دُنیا تک وسیع ہوگیا۔ ۲۳ برس تک حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "دینِ اسلام" کی تبلیغ کی، یہاں تک کہ پُورے عرب میں آپؐ کا دین پھیل گیا۔ اس مُدت میں آپؐ کو کیا مشکلات پیش آئیں اور آپؐ کو کیسے کامیابی حاصل ہوئی، اسے بیان کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ "سیرتِ پاک" پر لکھی ہُوئی سینکڑوں کتابوں میں پوری طرح یہ داستان محفوظ ہے۔ جو بات اِس وقت ہم کہنا چاہتے ہیں، وُہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ برس کی اس مُدت میں دینِ اسلام کے بُنیادی عقائد یا ایمانیات اور ہر قسم کے ضروری عملی اَحکام جس تفصیل اور وضاحت سے بیان فرمائے وہ سب کچھ "کتاب وسُنّت" (قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی) میں محفُوظ ہے۔ ہم آج بھی محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہُوئے، بتائے ہُوئے بلکہ پُورے اور مکمل طور پر عمل کرکے دکھائے ہُوئے دینِ اسلام کو "قرآن و حدیث" کی مدد سے بالکل اسی طرح سمجھ سکتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے زمانے میں، بلکہ آپؐ کے سامنے بیٹھ کر سیکھنا ممکن تھا۔

> اِسلام کی پُوری اور اصل تعلیمات کا محفوظ ہونا بھی ہمارے دِین کی ایک اور اِمتیازی خصوصیت ہے۔

Marfat.com

۶-۱ ایمانیات کی اہمیت

اِس یونٹ کے آئندہ صفحات میں ہم سب سے پہلے اِسلام کے اہم بنیادی عقائد یا ایمانیات کی بات کریں گے اِس لیے کہ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خود اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے تو سب سے پہلے عقائد کی اصلاح یا ایمان کی دعوت دیتے تھے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ "ایمانیات" اور عقائد میں آنحضورؐ خود کس بات پر زیادہ زور دیتے تھے، کیونکہ اصل دین وہی ہے اور (۲) اِس لیے بھی کہ ہم دین اور اسلام کے لفظی معنوں میں بھی یہ بات دیکھ چکے ہیں کہ ایمان یا درست عقیدہ ہی دراصل دین کا لازمی اور بُنیادی جُزو ہے۔

اِسلام کے بنیادی عقائد جنہیں بعض دفعہ عام اصطلاح میں ایمانیات یا اجزائے ایمان بھی کہتے ہیں۔ متعدد ہیں لیکن تین باتیں ایسی ہیں جو تمام "اِسلامی مذاہب" میں متفقہ طور پر اسلام کی اصل اور بنیاد ہیں۔ اسلام کے یہ تین بنیادی عقائد یا "اُصولِ ثلاثہ" حسبِ ذیل ہیں

(۱) توحید ، (۲) رسالت ، (۳) آخرت۔

اب ہم ان تینوں موضوعات پر کتاب وسُنّت کی روشنی میں بات کریں گے۔ یہ تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ دینِ اسلام کی اصل اور صحیح تعلیمات کا منبع اور سرچشمہ "کتاب وسُنّت" یا قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی ہے۔

عزیز طلبہ وطالبات، ایک بات یاد رکھیے!

جب بھی دِین کے بارے میں کسی مسئلہ میں، یا مسلمانوں کے کسی عام رواج یا کسی بھی اور معاملے میں آپ صحیح دِینی اسلامی نقطۂ نظر، موقف یا حکم دریافت کرنا چاہیں تو ہمیشہ جواب "کتاب وسُنّت" کے حوالے سے طلب کریں۔ آپ اب ماشاءاللہ گریجوایٹ بن رہے ہیں، آپ کا شمار اچھے پڑھے لکھے مسلمانوں میں ہوگا۔ دِینی امور یا دُنیوی مسائل کے حل میں (کیونکہ ہمارا دین ہر طرح کی رہنمائی دیتا ہے) بلکہ ہر جگہ پر اپنی ہر رہنمائی پر اصرار کرتا ہے) ہمیشہ دِین کے اس اصل سرچشمے کی طرف رجوع کریں، وہیں پُورا دین موجود اور محفوظ ہے۔ یہی علم ہے، یہی دیانت اور یہی اصل مُسلمانی ہے۔ کبھی یہ نہ دیکھیے کہ کون کیا کہہ رہا ہے؟ یا کتنے لوگ کہہ رہے ہیں، یہ دیکھیے کہ کیا کہا جا رہا ہے اور کتاب وسُنّت کی رُو سے اس کی کیا حیثیت ہے؟ یہ اصُول آپ کے لیے دینِ اسلام کا صحیح علم اور اس سے صحیح رہنمائی حاصل کرنے کا دروازہ کھول دے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

Marfat.com

۷-۱ خود آزمائی نمبر ۱

۱۔۔۔ دین کے لفظی معنی کیا ہیں؟ (۲-۱)

۲۔۔۔ لِلّٰہِ الدِّین کا مطلب لکھیے ؟ (۲-۱)

۳۔۔۔ دین کے مختلف معنوں میں مشترک مفہوم کیا ہے۔ مثال سے سمجھائیے!

۴۔۔۔ قرآنِ کریم میں لفظ دین کتنی جگہ آیا ہے اور مذہب کتنی جگہ؟

۵۔۔۔ مذہب کے لفظی معنی بتائیے؟ (سب ۲-۱)

۶۔۔۔ مذہب کی بجائے دین کا لفظ کہنا کیوں بہتر ہے؟ (۲-۱)

۷۔۔۔ فرقے کی بجائے مذہب کا لفظ کیوں بہتر ہے؟ (۲-۱ حاشیہ)

۸۔۔۔ اسلام کے لفظی معنی بتائیے۔ (۳-۱)

۹۔۔۔ دین اور اسلام کے لفظی معنوں میں مشترک تصور کون سا ہے؟ (۳-۱) اور (۴-۱)

۱۰۔۔۔ لفظ مسلمان کی اصل کیا ہے؟ یہ لفظ کن کن زبانوں میں استعمال ہوتا ہے؟ (۳-۱)

۱۱۔۔۔ دینِ اسلام کے لفظی معنی کیا ہیں؟ اور دینِ اسلام کے نام میں کیا خصوصیت ہے جو دوسرے مذاہب کے ناموں میں نہیں پائی جاتی۔ (۳-۱)

۱۲۔۔۔ اعتقاد اور عقیدہ کے لفظی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟ (۴-۱)

۱۳۔۔۔ تصور اور عقیدہ میں کیا فرق ہے؟ (۴-۱)

۱۴۔۔۔ عقیدہ اور ایمان میں کیا فرق ہے؟ (۴-۱)

۱۵۔۔۔ دین کے ساتھ عقیدہ یا ایمان کا کیا تعلق ہے؟ (۴-۴-۱)

عملی کام دینِ اسلام کے بارے میں جو آیتیں یونٹ میں لکھی ہیں۔ انہیں ایک دن مع ترجمہ یاد کیجیے دوسرے دن وہ آیتیں اور ان کا ترجمہ خود لکھیے اور پھر کتاب سے ملا کر اپنی غلطیوں کی پڑتال کیجیے۔ اگر آپ سے پہلی کوشش میں کوئی غلطی نہ ہوئی تو آپ بہت

Marfat.com

ذہین ہیں ماشاءاللہ (۵-۱)

۱۶ــــ اسلام کے معنوں میں کس شخص یا علاقے کا تصور پایا جاتا ہے؟ (۵-۱)

۱۷ــــ مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہ پُر کیجیے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے ------- نبی ہیں۔ دینِ اسلام کی ----- اور ------- شکل

وہی ہے جو ------ نے پیش کی، دینِ اسلام ہمیشہ سے ------- رہا ہے (۴-۱)

۱۸ــــ پہلے انبیاء اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ دینِ اسلام میں کیا فرق ہے؟ اس فرق کے دو اہم پہلو بیان کیجیے (۵-۱)

۱۹ــــ آدمی کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وُہ کوئی دین بھی اختیار نہ کرے۔ کیوں؟ (۵-۱)

۲۰ــــ اسلام سے اصطلاحی طور پر کون سا دین مراد ہے؟ (۵-۱)

۲۱ــــ خالص اسلام کی بجائے کسی اور طریقے کو دین بنا لینے کا نتیجہ کیا ہوگا؟ (۵-۱)

۲۲ــــ زندگی کا مقصد کیسے متعیّن ہوتا ہے اور اس کا انسانی کردار پر کیا اثر پڑتا ہے؟ (۵-۱)

۲۳ــــ صرف دین کہہ کر دینِ اسلام مراد لینے کی کم از کم تین مثالیں (قرآنی الفاظ سے) دیں (۵-۱)

۲۴ــــ مندرجہ ذیل کے معنی لکھیے اور بتائیے اِن میں دین سے کون سا دین مراد ہے؟

اَلدِّینُ القَیِّم - غُلوّ فِی الدِّین - تَفَقُّہ فِی الدِّیْن - تَفرِقَہ فِی الدِّین - دِیْنُ الحَق

۲۵ــــ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مُسلمان کی تعریف کیا تھی اور اب آپؐ کے بعد "مسلمان" سے کیا مُراد ہوگا؟ (۵-۱)

۲۶ــــ ہم آج بھی دینِ اسلام اسی طرح سیکھ سکتے ہیں۔ جیسے حضورؐ کے سامنے بیٹھ کر سیکھنا ممکن تھا۔ کیسے؟ (۵-۱)

۲۷ــــ دینِ اسلام کی دو امتیازی خصوصیات کا ذکر کیجیے۔ (۵-۱)

۲۸ــــ مسلمان کے لیے سب سے پہلے اسلامی عقائد کا اچھی طرح جاننا کیوں ضروری ہے؟ (۶-۱)

۲۹ــــ اسلام کے "اصُول ثلاثہ" سے کیا مُراد ہے۔ اسلام کے باقی عقائد پر ان کو کیا فوقیت حاصل ہے؟ (۶-۱)

۳۰ــــ اسلام کے متعلق کوئی بات دریافت کرنا ہو تو کیا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟ (۶-۱)

Marfat.com

۲۔ توحید

۲-۱ توحید کے لفظی اور اصطلاحی معنی

لفظ "توحید" کے لُغوی معنی ہیں "ایک بنانا" اور "یک جا کر دینا"۔ اس کی اصل "وحدت" ہے اور اسی سے نکلے ہُوئے ایک اور لفظ "اتحاد" سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اصطلاح کے طور پر لفظ "توحید" اب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی : اللہ کے سِوا کسی اور کو ہرگز الٰہ نہ ماننا

قرآنِ کریم میں لفظ "توحید" تو استعمال نہیں ہُوا البتہ اللہ تعالیٰ کے لیے "واحِد" اور "اَحَد" کے نام آنے کی بنا پر اور اس موضوع پر قرآن کریم کی بکثرت تفصیلات اور بتکرار تعلیمات کے لیے بطور ایک "عنوان" کے یہ اِصطلاح اختیار کی گئی ہے اس کے لیے عربی میں ایک اور لفظ "وحدانیۃ" بھی مستعمل ہے۔ مگر زیادہ مشہور اِصطلاح "توحید" ہی ہے۔

۲-۲ شرک کے لفظی اور اصطلاحی معنی

توحید کے مقابل اور اس کی ضِد لفظ "شرک" ہے۔ یہ لفظ قرآنِ کریم میں بھی استعمال ہُوا ہے اور توحید ہی کو سمجھانے کے لیے اِستعمال ہُوا ہے اس لیے کہ توحید = شرک کا نہ ہونا اور شرک = توحید کا نہ ہونا۔ شرک کے لُغوی معنی ہیں "حصّہ دار بنالینا یا مان لینا اور ساتھ شامل کرلینا" لفظ اِسلام کے معنی کی طرح یہاں بھی "اللہ" خود بخود سمجھا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی حِصّہ دار مان لینا، اس طرح اصطلاحاً شرک کا مطلب ہے :

اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی اِلٰہ مان لینا۔

۲-۳ توحید اور شرک کا تعلق

توحید اور شرک کے لفظی اور اصطلاحی معنوں سے ہی یہ بات تو واضح ہوگئی کہ یہ دونوں ایک دُوسرے کی بالکل ضِد

Marfat.com

ضد ہیں۔ توحید اور شرک ہرگز ہرگز ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور ان میں کسی طرح کا سمجھوتہ "دھوپ اور چھاؤں" کے یکجا ہونے کی طرح ناممکن ہے۔

اس کے ساتھ جب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ توحید' دینِ اسلام کا پہلا بُنیادی اصول ہے۔ اِسلام کا سارا نظام ہی توحید کے گرد گھومتا ہے۔ توحید ہی تمام انبیاء کی دعوت کا نقطۂ آغاز تھا اور اسلامی زندگی اوّل و آخر توحید کے ساتھ وابستہ ہے۔ دُوسری طرف شرک، توحید کی نفی ہے۔ شرک ہی تمام بُرائیوں اور گمراہیوں کی اصل ہے اور اسے قرآنِ کریم میں سب سے بڑا ظلم اور ناقابلِ معافی جُرم قرار دیا گیا ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ

یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

(لقمان ۔ ۱۳)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

یقیناً اللہ تعالیٰ یہ بات تو مُعاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، البتہ اسکے علاوہ (گناہ) جسے چاہے مُعاف کردے۔

النساء (۴۸، ۱۱۶)

حدیث شریف میں شرک کو "اَكْبَرُ الْكَبَائِرِ" یعنی بڑے گناہوں میں سے بھی سب سے بڑا گناہ، کہا گیا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ کوئی اُمت اور کسی مذہب کے پیرو اس مہلک خرابی سے محفوظ نہیں رہے اور جہاں بھی اس بُرائی کی ذرا اِبتداء ہُوئی، اس نے بہت جلد ایک وباء کی صُورت اختیار کرلی۔ ان باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے ہمارے لیے نہایت ضروری ہے کہ ہم توحید اور شرک کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیں۔ آپ نے ابھی پڑھا کہ توحید کا مطلب ہے "اللہ کے سوا کسی اور کو ہرگز الٰہ نہ ماننا" اور شرک کا مطلب ہے "اللہ کے سوا کسی اور کو بھی الٰہ مان لینا"۔ اس سے یہ بات خود بخود معلوم ہو جاتی ہے کہ اگر ہم نے "اللہ اور الٰہ" کا مطلب جان لیا تو پھر توحید اور شرک کا فرق بھی سمجھ میں آجائے گا۔

۲-۴ الٰہ کے معنی

ہم پہلے الٰہ کے معنی کو لیتے ہیں، اس لیے کہ ہر قسم کے "الٰہ" کے انکار اور نفی کے بعد ہی اللہ تک پہنچنا ممکن ہے۔ لفظ "الٰہ" کے لفظی معنی عربی میں اس طرح ہیں:

Marfat.com

(۱) جس کی عبادت (پُوجا یا پرستش) کی جائے۔ (۲) جس کے بارے میں عقل حیران ہو۔ (۳) جس سے بے پناہ محبت اور عقیدت ہو۔ (۴) جو انسانی حواس سے ماوراء اور پوشیدہ ہو۔

ان سب معنوں کو ملحوظ رکھتے ہُوئے الٰہ کا ترجمہ "معبود"، "خدا"، "دیوتا" یا "GOD" کیا جاتا ہے تاہم اُردو میں زیادہ مستعمل لفظ "معبود" ہے۔

الٰہ سے مُراد کوئی ایسی ہستی لی جاتی ہے جو بے پناہ قوتوں اور طاقتوں کی مالک ہو، نظروں سے غائب ہونے کے باوجود اس سے تعلق اور ربط ممکن ہو، جو انسانوں کو حسّی اور مادی وسائل سے ماوراء طریقوں پر نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر ہو اور جس کی خوشنودی یا ناراضگی کے ساتھ انسان کی خوش قسمتی یا بدقسمتی وابستہ ہو۔

مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں اور خود عرب میں بھی لوگوں نے اس قسم کی صفات رکھنے والی متعدد ہستیوں کا عقیدہ اختیار کیا، اسی لیے عربی میں "الٰہ" کی جمع "آلھة" بھی استعمال ہوتی ہے۔ دُوسری زبانوں میں بھی الٰہ کے ہم معنی الفاظ میں یہی (واحد جمع والی) بات پائی جاتی ہے۔ ان مختلف "آلھة" یا معبودوں کو ساری اہمیت یا عظمت زیادہ تر صرف "فائدہ پہنچانے والے" یا "ضرر سے بچانے والے" سمجھ لینے کی وجہ سے دی جاتی رہی ہے، ورنہ انہیں اس کائنات یا اس کے کسی حصّے کا پیدا کرنے والا کبھی نہیں سمجھا گیا۔ الٰہ کے لفظی معنوں میں بھی "پیدا کرنے" کا مفہوم شامل نہیں ہے۔ الٰہ کو مالک تو سمجھ لیا جاتا ہے، مگر خالق کبھی نہیں سمجھا گیا۔ خالق کے ساتھ مالک کسی اور کو سمجھ لینا ہی تو شرک ہے۔

۲-۵ اللہ کا مطلب

متعدد اور مختلف "آلھة" اور معبودوں یا مالکوں" کے اس تصور کے ساتھ ہمیشہ سے اِنسانوں میں اِس پُوری کائنات کے ایک پیدا کرنے والے خالق اور مالک کے وجُود کا عقیدہ بھی موجود رہا ہے۔

قرآنِ کریم میں جہاں یہ بات بیان ہُوئی ہے کہ ہر طرح کے نفع ونقصان کا اصل اختیار بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے وہاں زیادہ زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ زمین وآسمان کا بنانے والا، رُوئے زمین پر زندگی کو وجود میں لانے والا، کائناتی قوتوں (ہوا، بجلی، پانی، بارش، پہاڑ، سمندر، نظامِ شمسی وغیرہ) کا پیدا کرنے والا اور انہیں مقررہ قوانین کا پابند کرنے والا اللہ اور صرف اللہ ہے۔ اللہ کے ساتھ دوسرے اِلٰہ بنا لینے والوں میں سے کسی نے بھی کبھی کسی اِلٰہ کو بھی مندرجہ بالا کام کرنے والا نہیں مانا۔

اِن سب سے برتر "الٰہ" بلکہ واحد الٰہ کا تصور یا خیال اوّل تو ہر انسان میں فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ فِطرت کی اس

Marfat.com

آواز کے علاوہ عقلی طور پر بھی انسان نے جُوں جُوں غور کیا، اِسے سُورج، چاند، ستارے، ہوا، پانی، نباتات، حیوانات، غرض کائنات کی ہر چیز نہایت محکم اور ناقابلِ تغیر قوانین کی پابند نظر آئی۔ یہ قوانین مقرر کرنے والا کون ہے؟ کوئی اسے کسی نام سے پکارے مگر اس کے "ہونے" سے انکار ہرگز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کے قوانین کی گرفت میں ہے اور انسان جیسے جیسے علمِ اشیاء یا سائنس میں ترقی کرتا جاتا ہے اسے ان طبیعی قوانین کے پیچھے کسی نہایت زبردست علم اور طاقت ور ارادے والی ہستی کا ہاتھ کارفرما نظر آتا ہے۔ تمام سائنسی انکشافات اِس حقیقت پر شاہد اور تمام سائنسدان اِس کے قائل ہیں۔ اِسی غیبی طاقت، اِسی پوشیدہ قوت، اِسی خالق و مالک اور بزرگ و برتر ہستی کو عربی زبان میں ایک نامعلوم زمانے سے "اللہ" کہا جاتا رہا ہے۔

اِسلام سے پہلے عربوں نے الٰہ تو کئی بنا رکھے تھے مگر اللہ ایک ہی تھا

یہی نام (اللہ) قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ" کے ذریعے یہی تعلیم دی کہ صرف اللہ ہی الٰہ ہے، دُوسرا کوئی الٰہ ہے ہی نہیں۔ دُنیا کی دُوسری زبانوں میں یقیناً اُس خالق و مالک کے لیے مختلف نام پائے جاتے ہیں اور ان ناموں سے مُراد ایک ہی ذاتِ پاک ہے۔ تاہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم نے اِسی نام "اللہ" کو اختیار کر لیا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی نام کی تعلیم دی۔ اب یہ نام اِسمِ علم یا اِسمِ ذات شمار ہوتا ہے، اِس لیے اس کا ترجمہ کسی دُوسری زبان میں نہیں کیا جا سکتا ہے۔

البتہ اگر اس زبان کے بولنے والے مسلمان بھی اپنی عام گفتگو میں "اللہ" کے لیے اپنی زبان کا وہ لفظ استعمال کریں جس سے ان کی مُراد وہی خالق و مالکِ کائنات ہو تو یہ بات درست ہوگی۔ مثلاً ہندی میں "ایشور" یا انگریزی میں "GOD" کہنا۔ ہمارے ہاں "اللہ" کی بجائے "خدا" کا لفظ رائج ہونے کی وجہ یہی اصُول ہے۔ "خدا" فارسی زبان کا لفظ ہے اور اسکے معنی "بڑا" یا "مالک" کے ہیں۔ (مثلاً فارسی میں دہ خُدا، گاؤں کے چودھری کو کہتے ہیں) اِسلام جب ایران میں پہنچا تو فارسی بولنے والوں نے اللہ کے لیے بھی وہی لفظ "خُدا" استعمال کرنا شروع کر دیا جو ان کے ہاں پہلے سے اُس ذاتِ برتر کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ کثرتِ استعمال سے یہ لفظ "خُدا" اب اسمِ جلالت "اللہ" کے ہم معنی اور مترادف ہوگیا ہے، اِسلیے اب اس کا استعمال درست سمجھا جاتا ہے۔

تاہم بہتر بات یہی ہے کہ ہمیشہ "اللہ تعالےٰ" استعمال کیا جائے۔ البتہ خُداوند کہنا کسی طور پر جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

۶-۲ اسماءُ اللہِ الحُسنیٰ (اللہ تعالیٰ کے پیارے نام)

اب جب کہ آپ نے "اللہ" اور "الٰہ" کے معنی کسی حد تک سمجھ لیے ہیں تو یقیناً توحید (یعنی اللہ تعالیٰ کو یکتا ماننا اور کسی اور کو ہرگز الٰہ نہ ماننا) یا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ (اللہ کے سوا ہرگز کوئی معبود نہیں ہے) کا مطلب بھی سمجھ لینے کی ابتدا ہو گئی ہے۔

یہ بات کہ کس میں کون سی صفات مان لینے سے وُہ "الٰہ" سمجھا جاتا ہے، مسلمان کو جان لینا نہایت ضروری ہے تاکہ وُہ غلطی سے بھی کسی اور کو اللہ نہ سمجھ بیٹھے۔ یہ بات قرآنِ کریم میں نہایت تفصیل کے ساتھ اور بار بار سمجھائی گئی ہے۔

اِن باتوں کو جاننے کا ایک آسان اور مختصر مگر جامع طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمارِ حُسنیٰ (جس سے مُراد ۹۹ صفاتی اسمارِ مُبارکہ ہیں) کو مع ترجمہ یاد کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے اسمارِ مُبارکہ تو خود عربی زبان اور قرآن وحدیث میں بھی ۹۹ سے زیادہ ہیں۔ اگر دُنیا بھر کی زبانوں کو سامنے رکھیں تو یہ اسمار حدوشمار سے باہر ہیں۔ صرف ۹۹ اسمار پر زور اس لیے دیا گیا ہے کہ ان کے سمجھ لینے سے توحید کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے، توحید کامل یہ ہے کہ ان تمام صفات میں اللہ تعالیٰ کو واحد اور احد (یکتا ولاثانی اور لاشریک) مانا جائے۔ آپ کو زندگی میں جب بھی موقع ملے، "اسمارِ حُسنیٰ" کی کوئی اچھی سی شرح (جو ہر زبان میں ملتی ہیں) بھی ضرور پڑھ لیجیے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو دُعاؤں میں اِن اسمار کے ساتھ پکارنے کا حکم دیا گیا ہے:

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ	اور اللہ کے ہیں بہت اچھے نام، تم اسے ان ناموں سے پکارا کرو۔ (الاعراف - ۱۸۰)

اِن اسمار کو سمجھ کر یاد کر لینے پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوشخبری دی ہے۔ یہاں صرف چند (بلحاظ ربطِ مضمون) نہایت اہم اسمارِ حسنیٰ مع ترجمہ لکھے جاتے ہیں:

اَلرَّبُّ — پروردگار، ہر چیز کی پرورش کرنے والا	اَلْمَالِكُ یا مَالِكَ الْمُلْكِ مالک اور حکمران۔
اَلْخَالِقُ — قبل از وجود اندازہ کرنے والا۔	اَلْبَارِئُ — عدم سے پیدا کرنے والا۔
اَلْمُصَوِّرُ — صُورت دینے والا۔	اَلْقَاهِرُ — سب پر غالب۔
اَلْعَزِیْزُ — ذرے ذرے پر مُتصرف۔	اَلْوَهَّابُ — داتا، سب کو ہر چیز عطا کرنے والا

Marfat.com

اَلرَّزَّاقُ سب کو ہر طرح کا رزق دینے والا۔ اَلْعَلِیْمُ ــــ سب کچھ جاننے والا۔
اَلْخَبِیْرُ ــــ سب اندرونی باتوں سے آگاہ۔ اَلسَّمِیْعُ ــــ سب کچھ سُننے والا۔
اَلْبَصِیْرُ ــــ سب کچھ دیکھنے والا۔ اَلْمُجِیْبُ ــ دُعا کو قبول کرنے والا۔
اَلْمُحْیِیْ ۔ زندگی بخشنے والا۔ اَلْمُمِیْتُ ــ موت دینے والا۔
اَلْقَدِیْرُ ــ زبردست قدرت والا۔ اَلتَّوَّابُ ــ توبہ قبول کرنے والا۔
اَلْغَافِرُ ، اَلْغَفَّارُ ـــ گناہ مُعاف کرنے والا۔

۷-۲ توحید کی اہمیّت

توحید کی اہمیت پر مختصر بات پہلے (۳-۲ میں) ہو چکی ہے، تاہم اب تک زیادہ وضاحت اس بات کی کی گئی ہے کہ توحید کیا ہے؟ اب ہم دینِ اسلام میں توحید کی اہمیّت پر (یعنی یہ کہ توحید کیوں ضروری ہے؟) قرآن وسُنّت کی روشنی میں نظر ڈالتے ہیں۔ توحید کا مضمون قرآنِ کریم میں بار بار اور کئی طریقوں سے بیان ہُوا ہے۔ مثلاً :

(۱) لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی بھی الٰہ نہیں ہے) یہ عبارت قرآن کریم میں ۲ جگہ آئی ہے۔
(۲) لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ (اُس اللہ کے سوا کوئی بھی الٰہ نہیں ہے) یہ بات قرآن مجید میں ۳۰ دفعہ دُہرائی گئی ہے۔
(۳) خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے متکلّم کے صیغہ میں لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَا (میرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے) تین جگہ آیا ہے۔
(۴) اِلٰهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ (تم سب کا الٰہ ایک ہی ہے) یہ بات قرآنِ کریم میں ۶ جگہ بیان ہُوئی ہے۔
(۵) اسی طرح کہیں اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ (بات صرف یہ ہے کہ اللہ ہی اکیلا الٰہ ہے)

کہیں اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ (بات تو صرف اتنی ہے کہ وہی اکیلا الٰہ ہے) کہیں وَمَا مِنْ اِلٰـهٍ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کسی طرح کا کوئی الٰہ ہے ہی نہیں اور کہیں مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰـهٍ غَيْرُهٗ (تمہارا اس کے سوا کوئی اور کسی طرح کا الٰہ نہیں ہے) کہہ کر مختلف طریقوں سے یہی مضمون ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ پُورے قرآنِ کریم میں اسمِ جلالت "اللّٰه" کُل ۲۶۹۹ دفعہ آیا ہے اور لفظ "اِلٰه" ۱۲۵ جگہ اور "اٰلِهَة" (الٰہ کی جمع) کُل ۳۶ جگہ آیا ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ قرآن مجید میں اس مضمون پر کس قدر تفصیل اور وضاحت سے بات کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں یہ بات متعدد بار، مختلف طریقوں سے اور مختلف سُورتوں میں بتکرار بیان ہُوئی ہے کہ تمام نبیوں اور رسُولوں کی تعلیم میں توحید ہی سرِفہرست تھی، کسی بھی بگڑی ہُوئی اُمت کی اصلاح کا پیغمبرانہ طریقہ یہی رہا ہے کہ سب سے

Marfat.com

پہلے عقیدہ توحید درست اور مضبوط کیا جائے۔ خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز اِسی سے فرمایا (۶-۱)

قرآنِ کریم نے صرف یہی نہیں سمجھایا کہ توحید کتنی اہم اور ضروری ہے، بلکہ یہ بھی وضاحت سے سمجھایا ہے کہ توحید کِسے کہتے ہیں۔ یہ مضمون "کتاب وسُنت" میں اِس تفصیل سے بیان ہُوا ہے کہ صِرف اِس موضوع پر مستقل تالیفات موجود ہیں۔

۸-۲ شِرک کی مختلف صُورتیں

توحید کو مختلف انداز سے سمجھانے کے ساتھ ساتھ شِرک کی مذمت اور اس کی مختلف صُورتوں، اس کے وبال اور بُرے انجام کا ذکر قرآنِ کریم میں ۱۵۰ سے زائد جگہ پر آیا ہے۔ توحید کو سمجھنے کے لیے شِرک کی کیفیت کو جاننا ضروری ہے، کیونکہ شِرک سے بچنے کا نام ہی "توحید" ہے۔

شِرک کا مطلب اللہ تعالیٰ کا اِنکار نہیں ہے بلکہ اللہ کے اقرار کے ساتھ ساتھ کسی اور کو بھی الٰہ بنا لینے کا نام شِرک ہے۔ مشرکینِ عرب بھی اللہ کے مُنکر نہ تھے (خود یہ نام ان میں صدیوں سے رائج تھا) وُہ اپنے خود ساختہ اٰلہۃ (معبُودوں) کو اللہ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھتے تھے اور ان کے ذریعے اللہ کا قُرب تلاش کرتے تھے۔ مشرکینِ عرب کے ان اِعتقادات کا ذِکر خُود قرآنِ کریم نے کئی جگہ کیا ہے

وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط	اور وُہ کہتے ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔ (یونس-۱۸)
مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط	ہم ان کی عبادت محض اِس لیے کرتے ہیں کہ وُہ اللہ کے ہاں ہمیں بلحاظ درجہ قریب تر کر دیتے ہیں۔ (الزمر-۳)

اِسی لیے قرآنِ کریم میں اللہ کے سِوا کسی اور کو کسی طرح عبادت کرنے اور خاص کر دُعا میں تو اللہ کے سِوا ہی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ مِلا کر بھی کسی اور کو پکارنے سے قطعی طور پر روک دیا گیا ہے۔ کسی کو دُعا میں پکارنے کا مطلب ہے اس میں الٰہ کی کچھ نہ کچھ صِفات ماننا یا اِسے کسی بھی درجہ میں الٰہ مان لینا اور یہی شِرک ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کی صِفات میں سے چند صفات یا کسی ایک بھی صِفت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی مخلوق میں ماننا شِرک ہے۔ اِسی طرح مخلوق کی کسی کمزوری مثلاً نیند، بھُوک، تھکاوٹ، کسی سفارشی کے آگے بے بسی یا دھاندلی وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی صفت تسلیم کرنا یا اللہ تعالیٰ کی بعض صِفات (مثلاً دیکھنا، سُننا، جاننا وغیرہ) کو مخلوق کی ویسی ہی صِفات پر

Marfat.com

قیاس کرنا بھی شرک ہی کی ایک صورت ہے جسے اصطلاح میں تشبیہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ میں کون سی صفات ضرور ماننا چاہئیں اور کون سی ہرگز نہیں ماننا چاہئیں، اس کا ایک مختصر مگر جامع بیان آیۃ الکرسی (البقرہ ۲۵۵) میں ہے۔ ہو سکے تو کسی ترجمے والے قرآن مجید میں کم از کم اس کا ترجمہ ضرور پڑھ لیں۔

قرآنِ کریم نے شرک کی اِن تمام صورتوں کو بیان کر دیا ہے جو دُنیا میں کبھی اور کسی جگہ بھی مشرکین میں رائج رہی ہیں۔ پھر ہر ایک قسم کے شرک کو دلیل کے ساتھ غلط اور باطل ثابت کیا ہے۔ اگر شرک کی ان تمام صورتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو پھر شرک کو دُور سے پہچاننا آسان ہو جاتا ہے۔ جس راستے پر شرک کی کوئی بھی صورت نظر آئے، یقین مانیے کہ وُہ راستہ توحید کی طرف نہیں لے جا سکتا، لہٰذا ہم قرآن میں بیان کردہ شرک کی تمام صورتوں کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

آج تک جن چیزوں یا ہستیوں کو اللہ تعالےٰ کے ساتھ شریک (حصّہ دار)، الٰہ بنایا گیا ہے قرآنِ کریم کی روشنی میں شرک کی ان تمام صورتوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ایسے بالکل فرضی اور افسانوی دیوی دیوتاؤں کی پرستش جن کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں، مثلاً صحت یا دولت کی دیوی، جنگ یا امن کا دیوتا وغیرہ کی بالکل فرضی اور خیالی تصویریں یا بُت بنا کر ان کے آستانے مقرر کرکے وہاں ان کی عبادت کرنا۔ اِس قسم کے شرک کو قرآنِ کریم نے یہ کہہ کر باطل قرار دیا ہے کہ یہ سب کچھ صرف تخیّل کی پیداوار اور چند فرضی نام ہیں (یہ مضمون سورۂ یوسف: ۴۰، الاعراف: ۷۱ اور النجم: ۲۳ میں بیان ہُوا ہے)

(۲) بعض کائناتی قوتوں کی پرستش مثلاً سورج، چاند، ہَوا، آگ، بجلی وغیرہ۔ یہ چیزیں فرضی بھی نہیں بلکہ فی الواقع موجود ہیں اور ان میں انسان کو نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت بھی ہے۔ اِس لیے بعض دفعہ انسانوں نے ان کو بھی عبادت کے لائق دیوی دیوتا سمجھ لیا۔ قرآنِ کریم میں اس قسم کے شرک کو یوں غلط ٹھہرایا گیا ہے کہ ان طاقتور چیزوں کا بھی ایک پیدا کرنے والا ہے اور وہی "اللہ" ہے۔ وہ تو ان چیزوں کا بھی الٰہ ہے، نیز یہ ارادہ و اختیار سے محروم ایک مخلوق ہے۔ آگ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وُہ کسی کو حرارت دے اور کسی کو نہ دے، کسی کو جلائے اور کسی کو نہ جلائے، وغیرہ۔ (اِس مضمون کے لیے دیکھیے سورۃ النحل: ۱۷، حٰمٓ السجدۃ: ۳۷)

(۳) اللہ کے نیک بندوں کی پرستش۔ بعض اُمتوں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کی تعظیم اور احترام میں حد سے بڑھ کر انہیں "الٰہ" ہی بنا ڈالا۔ تاریخ میں اس قسم کی قدیم ترین مثال حضرت نُوح علیہ السلام کی قوم میں ملتی ہے۔ جس نے اپنے کچھ نیک لوگوں (ودّ، سواع وغیرہ) کو "الٰہ" بنا کر ان کے بُت بھی تراش لیے تھے۔ پھر اللہ کے ایک نبی اور رسُول کو "خدا" اور "خدا کا بیٹا" بنا ڈالنے کی سب سے بڑی مثال حضرت مسیح علیہ السلام کے نام لیواؤں نے قائم کر دی۔ اِس قسم

Marfat.com

کے شرک کی تردید قرآنِ کریم نے یُوں کی ہے :

(ا) اوّل تو ان بزرگوں نے کبھی یہ تعلیم نہیں دی تھی کہ خود ان کو ہی الٰہ بنا لیا جائے، بلکہ وُہ سب تو خود توحید کے پابند تھے اور تمام لوگوں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے۔

(ب) دُوسرے یہ کہ ایسے نیک بندے اپنے نام لیواؤں کی اس حرکت پر خوش نہیں بلکہ سخت ناراض ہو کر آخرت میں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

شرک کی یہ قسم سب سے زیادہ خطرناک اور عام ہے، اس لیے کہ اسے نیک بندوں کی تعظیم و توقیر سمجھا جاتا ہے جو بذاتِ خُود دین کا ایک اہم حکم ہے۔ شرک ہمیشہ محبت اور عقیدت سے پیدا ہوتا ہے، نفرت یا انکار سے نہیں۔ نیکوں کی توہین اور عداوت بھی مُہلک گناہ ہے اور ان کی مشرکانہ تعظیم بھی تباہ کن جُرم ہے۔ لٰہذا نہایت احتیاط اور اعتدال سے کام لینا ضروری ہے۔

شرک یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی الٰہ بنا لینے کی مندرجہ بالا تینوں صُورتوں کا تعلق زیادہ تر ضرورت کے وقت "الٰہ" سے دُعا اور غیبی امداد حاصل کرنے سے ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں خود "الٰہ" بن بیٹھنے کی بھی ایک صُورت بیان ہُوئی ہے جس کا تعلق زیادہ تر قانون اور حکم چلانے کے اختیارات سے ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال قرآنِ کریم نے فرعون کی بیان کی ہے جس نے "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" (میں ہی تمہارا سب سے اُونچا رب ہُوں) النّٰزعٰت ۲۴ اور مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ (میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی دُوسرا خدا نہیں مانتا) القصص-۳۸ کے دعوے کر ڈالے تھے۔ اطاعت کے لحاظ سے "خُدا" بنا لینے کی دُوسری مثال قرآنِ کریم نے یہود و نصاریٰ کی دی ہے کہ انہوں نے اپنے احبار (علمائے دین) اور رہبان (مشائخ) کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (اللہ کے سوا خدا) بنا لیا تھا۔ قرآنِ کریم میں یہ بھی بیان ہُوا ہے کہ بعض لوگ تو "اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ" (اس نے اپنی خواہش کو ہی اپنا خُدا بنا لیا تھا۔ الفرقان-۴۳) کا نمونہ بنے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے جی کی خواہش کو بھی اپنا "الٰہ" یا "خدا" بنا لیتے ہیں، یعنی ان پر صرف "خواہشات کی حکمرانی" ہوتی ہے۔

۹-۲ عقیدۂ توحید کے تقاضے

الٰہ بنا دینے اور بن بیٹھنے کی مندرجہ بالا تمام صُورتوں کو ذہن میں رکھ کر ایک بار پھر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھیے، اس کے معانی پر غور کیجئے تو عقیدۂ توحید کا مطلب اور اس کے تقاضے کچھ یُوں سامنے آتے ہیں :

Marfat.com

۱ــــ اللہ تعالیٰ پر اسکی ساری صفات کے ساتھ ایمان لانا ۔ اللہ کی کسی بھی صفت میں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ ماننا۔

۲ــــ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔

۳ــــ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو صحت و مرض ، زندگی و موت اور عزت و ذلّت کے معاملہ ، بلکہ کسی بھی معاملے میں نفع اور نقصان کا مالک اور حاجت روا نہ سمجھنا اور ہمیشہ دستِ دُعا ، صرف اللہ تعالیٰ کے آگے پھیلانا۔

۴ــــ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنی ساری محبت اور عقیدت کا مرکز بنانا۔

۵ــــ کسی خود ساختہ "خدا" کی خدائی ہرگز تسلیم نہ کرنا۔ ہر فرعون کے آگے موسیٰؑ کی طرح ڈٹ جانا۔

۶ــــ زندگی میں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کے احکام سے ہی رہنمائی حاصل کرنا اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کو ہر شے پر مقدم رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین سے سرتابی نہ کرنا ، صرف اسی کی ناراضگی سے ڈرنا اور اس کے لیے کسی بیرونی (مثلاً کسی ظالم کے) یا کسی اندرونی (مثلاً اپنی ہی خواہشات کے) دباؤ کے آگے نہ جُھکنا۔

۱۰-۲ عقیدۂ توحید کی برکات

جب عقیدۂ توحید آدمی کے دِل و دماغ میں رچ بس جاتا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ :

۱ــــ آدمی صِرف ایک معبودِ حقیقی "اللہ" کے خوف کے سوا ہر قسم کے خوف اور ڈر سے نجات پالیتا ہے ۔ ہر شرک کے پیچھے ایک خوف پوشیدہ ہوتا ہے ، جب شرک نہیں رہتا تو آدمی بے خوف اور نڈر ہو جاتا ہے ۔ وہ شخص جو اس بات پر پکا ایمان رکھتا ہے کہ اللہ کے سِوا کوئی اِسے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان ، ہر خوف اور اندیشے سے بالاتر ہو جاتا ہے ۔

۲ــــ آدمی توہمات کی گندگی اور جھوٹے "خداؤں" کی گندگی سے بلند تر ہو کر انسانیت کے حقیقی شرف سے بہرہ ور ہو سکتا ہے ، ایک خُدا کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے وُہ جگہ جگہ ناک رگڑنے کی ذلت سے بچ جاتا ہے اور اسمیں جذبۂ حُرّیت پیدا ہوتا ہے ۔

۳ــــ ایک ہی اللہ (اللہ) کی مخلوق اور بندے ہونے کی حیثیت سے تمام انسان برابر کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ عقیدۂ توحید سے خود بخود آدمی کے اندر بنی نوعِ انسان کی وحدت اور مساوات کا تصور اُبھرتا ہے

۴ــــ جہاں " سب ایک مالک کے بندے " کا عقیدہ موجود ہو وہاں ہر قسم کے طبقاتی ، علاقائی اور نسلی امتیازات

Marfat.com

مِٹ جاتے ہیں (اگر ان امتیازات پر بھی اصرار ہے اور توحید کا اقرار بھی، تو پھر یہ اقرارِ توحید مشکوک ہو جاتا ہے۔)

۱۱-۲ مذاہب عالم پر اسلام کے عقیدۂ توحید کے اثرات

مسلمانوں کے اِس عقیدۂ توحید کا اثر تمام مذاہبِ عالم پر یہ پڑا ہے کہ اَب سَب مذاہب، مذہب کی صداقت کا معیار اور سچائی کی دلیل مسئلۂ توحید کو سمجھنے لگے ہیں۔ بُت پرست بھی اب بُتوں کو صرف وسیلہ کہنے لگے ہیں اور دو اور تین خُداؤں (ثنویت اور تثلیث) کے قائل ہیں۔ اپنے اپنے مذہب میں توحید ثابت کرنے کی فلسفیانہ کوششوں میں لگے ہُوئے ہیں۔

توحید کا جتنا سادہ مگر جامع اور واضح تصورِ اسلام میں ہے کسی اور مذہب میں نہیں۔ عقیدۂ توحید ہی اسلام کی اساس اور بُنیاد ہے۔ اس کے باقی تمام عقائد کا اِنحصار اور دار و مدار اِسی عقیدۂ توحید پر ہے، اِس لیے اِس موضوع پر بات ذرا طویل ہوگئی۔ آپ توحید کی اِس بحث کو دو تین دفعہ پڑھیے۔ یہ نہ صرف امتحان میں بلکہ آئندہ پوری زندگی میں اور زندگی کے ہر نازک مرحلے اور مشکل موڑ پر کام آنے والی اور مایوسیوں سے نجات دلانے والی باتیں ہیں۔

وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

◎

Marfat.com

۱۲-۲ خود آزمائی نمبر ۲

۱۔۔۔ توحید کے لفظی اور اصطلاحی معنی لکھیے (۱-۲)

۲۔۔۔ شرک کے لفظی اور اصطلاحی معنے لکھیے (۲-۲)

۳۔۔۔ توحید اور شرک کا باہمی تعلق کیا ہے؟ (۳-۲)

عملی کام قرآنِ کریم کی جس آیت میں شرک کو ناقابلِ معافی گناہ کہا گیا ہے، وُہ باترجمہ یاد کیجیے۔ دوسرے دن اسے زبانی لکھیے۔ کتاب سے دیکھ کر اپنی غلطیوں کی پڑتال کیجیے (۲-۲)

۴۔۔۔ لفظ "الٰہ" کے کوئی سے تین لفظی معنی بتایئے (۴-۲)

۵۔۔۔ الٰہ کے تصور سے عموماً کون سی صفات ذہن میں آتی ہیں؟ (۴-۲)

۶۔۔۔ الٰہ میں خالق کا مفہوم زیادہ ہے یا مالک کا؟ (۴-۲)

۷۔۔۔ مادی اور حسی وسائل سے ماوراء طریقے کا مطلب کیا ہے؟ مثال سے سمجھایئے۔ (۴-۲)

۸۔۔۔ اللہ کا خیال ہر انسان میں فطری طور پر موجود ہے اس کی کوئی مثال دیجیے۔ (۵-۲)

۹۔۔۔ سائنسی علوم کس طرح اللہ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں؟ (۵-۲)

۱۰۔۔۔ ہمیں اسم "اللہ" کو کیوں ترجیح دینی چاہیے؟ (۵-۲) اللہ کے ساتھ تعالیٰ کیوں لکھا جاتا ہے؟

۱۱۔۔۔ خدا اور خداوند میں کیا فرق ہے؟ اللہ کے لیے "خداوند" کا استعمال ایک مسلمان کے لیے کیوں جائز نہیں ہے؟ (۵-۲)

۱۲۔۔۔ اسماء الحسنیٰ کا مطلب کیا ہے ان کو جاننا اور یاد رکھنا کیوں ضروری ہے؟ (۶-۲)

عملی کام اللہ کے ناموں کے بارے میں اِس سبق (۵-۲) اور (۶-۲) میں جو آیتیں لکھی ہیں۔ وُہ مع ترجمہ یاد کیجیے اس کے بعد زبانی مع ترجمہ لکھیے اور کتاب سے ملا کر پڑتال کیجیے۔

Marfat.com

III (۶ — ۲) میں دیے گئے اسمائے حسنیٰ کو مع ترجمہ یاد کرنے کی کوشش کیجیے صرف آدھ گھنٹے کی کوشش کے بعد ایک کاغذ پر یاد ہو جانے والے اسماء مع ترجمہ لکھیے اب کتاب سے ملا کر اپنی غلطیوں کی پڑتال کیجیے۔ اگر آپ نے پہلی کوشش میں یہ سب نام مع ترجمہ یاد کر لیے تو آپ ماشاءاللہ بہت ذہین ہیں۔

۱۳ـــ اللہ تعالیٰ خود کلمہ توحید کس طرح پڑھتا ہے، "اللہ" قرآنِ کریم میں کتنی دفعہ آیا ہے؟ (۷ — ۲)

۱۴ـــ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قرآنِ کریم میں کتنی دفعہ آیا ہے۔ لَآ اِلٰہَ سے شروع ہونے والی تین آیتیں کتاب سے دیکھ کر مع ترجمہ لکھیے (۷ — ۲)

۱۵ـــ توحید تمام انبیاء کی دعوت کا نقطۂ آغاز تھا۔ وضاحت کیجیے (۷ — ۲)

۱۶ـــ قرآن میں شرک اور مشرکوں کا ذکر کتنی دفعہ آیا ہے۔ قرآن نے مشرکین کے کونسے عقائد کا ذکر کیا ہے جو وہ اپنے معبودوں کے بارے میں رکھتے تھے؟ (۸ — ۲)

۱۷ـــ تشبیہ سے کیا مراد ہے اور شرک سے اس کا کیا تعلق ہے؟

(اشارہ: پیغمبروں کو خدا جیسا ماننا، خدا کو بندوں جیسا ماننا)

عملی کام | کیا سبق میں دی گئی ہدایت کے مطابق آیۃ الکرسی کا ترجمہ دیکھا ہے؟ نہیں دیکھا تو اب دیکھ لیجیے۔ کیا آپ کو یہ کتاب پڑھنے سے پہلے آیۃ الکرسی یاد تھی؟

۱۸ـــ توحید کے بیان میں آیۃ الکرسی کو کیا اہمیت حاصل ہے؟ (۸ — ۲)

۱۹ـــ کس نبی کو لوگوں نے "خدا کا بیٹا" بنا ڈالا؟ اس کے ماننے والوں نے یا انکار کرنے والوں نے؟ (۸ — ۲)

۲۰ـــ بزرگوں کی تعظیم ہی بعض دفعہ شرک کی صورت اختیار کر لیتی ہے قرآنِ کریم سے اس کی مثالیں دیجیے (۸ — ۲)

۲۱ـــ اسلامی اور غیر اسلامی قوانین کی آمیزش کیونکر شرک کی ایک صورت ہے؟ (۸ — ۲)

۲۲ـــ عقیدۂ توحید کے کم از کم تین اہم تقاضے بیان کیجیے (۹ — ۲)

۲۳ـــ دلیری، حریت، مساوات اور طبقاتی و نسلی مفاخر کا عقیدۂ توحید سے کیا تعلق ہے؟ (۱۰ — ۲)

۲۴ـــ دوسرے مذاہب پر اسلامی توحید کے کیا اثرات ظاہر ہوئے؟ (۱۱ — ۲)

Marfat.com

۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید و الفرقان الحمید

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی

صدق اللہ العلی العظیم

(سُوْرَۃ الضُّحیٰ)

•

ترجمہ : اور بیشک آخرت کی زندگی بہتر ہے آپ کے لیے دنیا کی (پہلی) زندگی سے

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یونٹ (۴)

دینِ اسلام-II

(رسالت و آخرت)

تحریر
پروفیسر حافظ احمد یار

Marfat.com

فہرست

صفحہ

۱ — رسالت ۹۵

۱-۱ عقیدۂ رسالت و توحید کا تعلق ۹۵

۱-۲ رسالت کے لغوی اور اصطلاحی معنی ۹۶

۱-۳ نبوت اور رسالت کی ضرورت ۹۶

۱-۴ عقیدۂ رسالت کا مطلب ۹۷

۱-۵ ختم نبوت — آخری رسالت اور اس کے خصائص ۹۸

۱-۶ حضرت ختمی مرتبتؐ کے ہم (مسلمانوں) پر حقوق ۹۹

۱-۷ خود آزمائی نمبر ۱ ۱۰۱

۲ — آخرت ۱۰۲

۲-۱ عقیدۂ آخرت کی اہمیت ۱۰۲

۲-۲ آخرت کے لغوی اور اصطلاحی معنی ۱۰۳

۲-۳ عقیدۂ آخرت کا مطلب — چھ بنیادی نکات ۱۰۴

۲-۴ عقیدۂ آخرت کا عقلی ثبوت ۱۰۵

۲-۵ عقیدۂ آخرت کی برکات ۱۰۸

۲-۶ خود آزمائی نمبر ۲ ۱۱۰

Marfat.com

یونٹ کے مقاصد

اِس یونٹ کے مقاصد میں مندرجہ ذیل باتیں اہم ہیں :

۱۔ عقائد میں رسالت اور آخرت کا مفہوم، ان کی اہمیت ۔

۲۔ توحید کیساتھ رسالت اور آخرت کا تعلق

۳۔ عقائد میں رسالت اور انبیاء علیہم السلام کا مقام ۔

۴۔ اگر آخرت کو تسلیم نہ کیا جائے تو انسان کو اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۵۔ یوم حساب کی وجہ سے اِنسان نیک اعمال کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بُرے کاموں سے اِجتناب کرتا ہے ۔

Marfat.com

Marfat.com

۱۔ رسالت

عقیدۂ رسالت یا "ایمان بالرسل" یعنی رسولوں پر ایمان لانا، دینِ اسلام کا دوسرا بنیادی اصول ہے۔

۱-۱ عقیدۂ رسالت و توحید کا تعلق

بظاہر عقیدۂ رسالت کو عقیدۂ توحید سے پہلے بیان کرنا مناسب تھا، کیوں کہ توحید اور آخرت وغیرہ چیزوں کی خبر در اصل رسولوں کے ذریعے سے ہی معلوم ہوئی تاہم عقیدۂ توحید کو پہلے بیان کرنے کی چند وجوہات تھیں:۔

۱۔ خود انبیاء و رسل علیہم السلام نے اپنی دعوت کا آغاز ہمیشہ توحید سے کیا اور سب سے پہلے غیر اللہ (اللہ کے سوا دوسری چیزوں) کی عبادت سے روکا۔ اس لیے دین میں سب سے پہلے توحید کا سمجھنا ضروری تھا۔

۲۔ عقیدۂ توحید تک آدمی انبیاء سے خبر پائے بغیر بھی اپنی فطرت اور عقل کی اصل رہنمائی سے پہنچ سکتا ہے۔ اس معاملے میں انبیاء و رسل صرف "مذکِّر" یعنی ایک بھولی ہوئی یاد دلانے والے ہیں۔ البتہ انبیاء عقیدۂ توحید کی کچھ ایسی تفصیلات بتاتے ہیں جن کے بارے میں عقلِ انسانی ٹھوکر کھا سکتی ہے اور شرک کی تمام صورتیں اسی ٹھوکر کی مظہر ہیں۔ اس لیے بھی توحید کو پہلے بیان کرنا مناسب تھا۔

تاہم عقیدۂ رسالت کو توحید کے بعد بیان کرنے کی بھی کچھ وجوہ ہیں:۔

۱۔ توحید اور خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان میں "اللہ کی فرماں برداری" "اللہ کے احکام"، "اللہ کے دین" "اللہ کی عبادت" وغیرہ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ یہ باتیں کہاں سے اور کیسے معلوم ہوں گی؟ اس لحاظ سے عقیدۂ رسالت کا ایک تقاضا اور ضرورت بھی ہے۔ اس لیے اسے توحید کے بعد بیان کرنا ہی مناسب ہے۔

۲۔ آدمی کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ (اللہ کے سوا ہرگز کوئی معبود نہیں (اور) محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں کے اقرار اور اعلان سے مسلمان ہوتا ہے یا کلمۂ شہادت پڑھ کر جو یوں ہے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ بس وہی اکیلا بغیر کسی شریک یا حصہ دار کے (معبود) ہے۔ اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد

Marfat.com

(صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں)
آپ نے دیکھا ان دونوں کلموں میں نصفِ اوّل توحید اور نصفِ دوم رسالت کے مضمون پر مشتمل ہے۔ اس لیے بھی رسالت کا بیان توحید کے فوراً بعد ہی مناسب ہے۔

۱-۲ رسالت کے لغوی اور اصطلاحی معنی

سب سے پہلے ہم رسالت اور رسول کے لغوی معنی اور اصطلاحی معنی بیان کرتے ہیں۔
رسالۃ (جو عربی زبان میں اسی طرح لکھا جائے گا، تاہم اردو میں لمبی ت سے لکھنا درست ہے) کے لفظی معنی ہیں پیغام یا MESSAGE اور "رسول" کے لفظی معنی ہیں پیغامبر، "قاصد" یا MESSENGER لفظ "رسالۃ" میں پیغام بھیجنے والے (۲) پیغام (۳) پیغام لے جانے والے اور (۴) جس کی طرف پیغام ہے کا مفہوم موجود ہے۔
اپنے لفظی اور لغوی معنوں میں یہ الفاظ ہر طرح کی پیغام رسانی کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں اور عربی زبان میں شب و روز استعمال ہوتے ہیں۔

اب رسالت کے اصطلاحی معنی محض "پیغام" نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے اور رسول کا مطلب صرف پیغامبر نہیں بلکہ "اللہ کا پیغام لانے والا" ہے۔ "خدا" کی طرح "رسول" کے لیے بھی فارسی کی اصطلاح "پیغمبر" یا "پیمبر" (اور اس طرح لکھ کر اسے عام پیغامبر یا "پیام بر") سے ممتاز کر دیا جاتا ہے رسالت کے لیے پیغمبری اور رسول اللہ کی بجائے "پیغمبرِ خدا" اردو میں بھی عام مستعمل ہے، تاہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا بہتر اور زیادہ اسلامی طریقہ ہے
اب صرف رسول کے معنی بھی "رسول اللہ" ہی کے ہوں گے۔ خصوصاً جہاں "الرسول" لکھا ہو وہاں تو رسول اللہ ہی مراد ہوں گے۔ (آل) سے THE کی طرح معنی کا تعین معرفہ کے لیے ہوتا ہے)
عقیدہ رسالت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت (مسائلِ زندگی میں درست رہنمائی) کی خاطر دوسرے انسانوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ان ہی میں سے بعض کو چن لیا کرتا تھا۔ یہ برگزیدہ انسان اللہ کے رسول کہلاتے تھے اور وہ اللہ کے پیغامِ ہدایت کو بندوں تک پہنچاتے تھے۔

۱-۳ نبوّت و رسالت کی ضرورت

یہاں ایک سوال آپ کے ذہن میں ابھر رہا ہوگا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل جیسی نعمت دے دی ہے۔

Marfat.com

جس کا ایک کرشمہ وہ حیرت انگیز ترقی ہے جو انسان نے گذشتہ پانچ ہزار سال سے اب تک کی ہے، تو کیا یہ عقل ہی ہر قسم کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے؟ عقل بھی تو ہدایت ربانی ہی کی ایک صورت ہے۔ اس کے بعد نبوت یا رسالت کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ تو سُنیے! اگر ہم کائنات میں غور و فکر کریں تو یقیناً ہمیں ہر جگہ اور ہر چیز میں "خدائی رہنمائی" کے آثار اور مظاہر نظر آتے ہیں، مگر اس کے درجے اور صورتیں مختلف ہیں۔ اب ذرا ہر چیز کے اندر اسی "ربانی رہنمائی" کے چند نظارے اور نمونے دیکھیے ذرّوں کے اندر ان کے اجزاء کو اور کائنات میں سیاروں کو کس نے ایک مقررہ راہ پر لگا دیا ہے؟ نباتات کی جڑوں اور پتوں کو کس نے اپنا اپنا کام "سمجھا" دیا ہے؟ حیوانات میں رہنمائی کا ایک اور ذریعہ جبلت (INSTINCT) کہاں سے آگیا؟ شہد کی مکھی کو پھولوں سے رس لانا، عجیب و غریب چھتے بنانا اور شہد تیار کرنے کی تعلیم کس نے دی؟ بعض پرندے اسی جبلت کی رہنمائی سے کس طرح موسم کے تغیرات کو بھانپتے اور ہزارہا میل تک نقل مکانی کرتے ہیں جبلت سے اوپر رہنمائی کا درجہ یا ذریعہ عقل (INTELLIGENCE) ہے۔ اس کے کچھ مظاہر بعض حیوانات میں بھی نظر آتے ہیں۔ مگر اس کی بہتر اور ترقی یافتہ صورت انسان کو عطا ہوئی ہے، جو عقلی استدلال (REASONING) سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ پھر انسانوں میں عقل سے بھی ذرا اونچا ذریعہ ہدایت وجدان (INTUITION) ہے جو بہت کم اور خاص خاص لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ وجدان عقلی استدلال کے بغیر براہ راست کسی معاملے میں حقیقت کو پا جانے (DIRECT PERCEPTION) کا نام ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ رہنمائی کے یہ تمام ذرائع بعض دفعہ ایک ہی مسئلے میں مختلف نتائج تک پہنچاتے ہیں۔ یہ اختلاف ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ عقل اور وجدان سے بھی بالاتر ایک ایسے ذریعۂ علم و ہدایت کی ضرورت ہے جس کے بعد کسی شک یا اختلاف کی گنجائش نہ رہے۔ یہی ذریعہ نبوت یا رسالت ہے۔

۴-۱ عقیدۂ رسالت کا مطلب۔ بنیادی نکات

اب ہم کتاب و سُنّت کی روشنی میں ایمان بالرسل یا عقیدۂ رسالت سے متعلق تمام ضروری باتیں بالترتیب بیان کرتے ہیں:۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ رسالت پر ایمان لانا واجب ہے یعنی اس بات پر بھی کہ رسالت برحق ہے اور اللہ رسول بھیجا کرتا ہے اور اس بات پر بھی کہ فلاں فلاں بزرگ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول ہیں۔ ہر نبی اور رسول نے دعوت توحید کے ساتھ اپنی نبوت پر زور دیا اور رسول پر ایمان لانے کا مطلب ہے "اس کے تمام دعوؤں، دعدوں اور تعلیمات کی دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اس بات کا اقرار بھی کرنا" یہ تمام توجہ طلب ہے۔ اگر رسول کی کسی ایک بات کو بھی سچ نہ مانا تو یہ بھی تکذیب ہی کی ایک صورت رہی۔

Marfat.com

ہر نبی یا رسُول کے ماننے والے اپنے زمانے کے مسلمان اور تکذیب و انکار کرنے والے ہی اِس زمانے کے کافر ہوتے تھے۔ یعنی نبی یا رسُول کے لیے نبوّت اور رسالت کا دعوٰی کرنا ضروری ہے اور یہ دعوٰی کوئی معمُولی دعوٰی نہیں ہوتا۔ اِس کے تسلیم کرنے سے ایک نئی اُمّت وجود میں آتی ہے۔ نبوّت یا رسالت کے دعوٰی کے بعد اسے ماننے یا نہ ماننے میں کوئی "غیر جانبدار" نہیں رہ سکتا۔ اسلام یا کفر کے دو راستوں کے سوا تیسرا کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا۔

تمام انبیاء اور رسُولوں کو اللہ کی طرف سے پیغام ایک خاص مخلوق کے ذریعے سے پہنچتا تھا، جنھیں "مَلَک" یا فرشتہ کہتے ہیں۔ اِس خدمت پر مامور خاص فرشتے کا نام قرآن و سُنّت میں "جبریل" آیا ہے۔ اِس طریقۂ پیغام رسانی کو "وحی" کہتے ہیں۔ ملائک (فرشتوں) پر ایمان لانا بھی مسلمان کے لیے لازمی ہے۔ ہم فرشتوں کی حقیقت سے آگاہ نہیں کیوں کہ یہ بھی ان حواس سے پوشیدہ اور غیر مادی نظام (غیب) کا ایک حصّہ ہیں، جس پر ایمان لائے بغیر آدمی مادہ پرستی کے جال سے نہیں نکل سکتا۔ فرشتوں کے متعلق جو باتیں قرآن و سُنّت میں آئی ہیں، ہم ان کو سچ سمجھتے ہیں، بس یہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض رسُولوں کو بندوں کی ہدایت کے لیے کتابیں بھی دیں۔ قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ کو تورات حضرت عیسیٰ کو انجیل اور حضرت داؤد کو زبور کا دیا جانا بیان ہوا ہے اِس کے علاوہ صحفِ ابراہیمؑ (حضرت ابراہیمؑ کے کتابچوں) کا ذکر بھی ہے۔

ان کتابوں میں اللہ کا کلام اور پیغام ہوتا تھا اور زندگی کے معاملات میں ہر قسم کی ضروری رہنمائی بہم پہنچائی جاتی تھی، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان انبیاء کی اُمّتوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کر ڈالی۔ اب وُہ کتابیں صِرف کلامِ الٰہی باقی نہیں رہیں بلکہ کچھ کلامِ الٰہی اور کچھ اضافی ملی جلی باتیں ہیں۔ اللہ کی آخری کتاب "قرآن مجید" ہے جو اللہ کا کلام ہے اور یہ واحد آسمانی کتاب ہے جو آج تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ و موجود ہے۔

۵-۱ ختمِ نبوّت ۔ آخری رسالت اور اس کے خصائص

ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اِس سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی ہیں۔ آپؐ اللہ کے آخری نبی اور رسُول ہیں۔ آپؐ نے ہی یہ دعوٰی اور اعلان کیا کہ اب آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔[1] آپؐ سے پہلے سب انبیاءؑ اپنی اُمّتوں کو ایک آنے والے عظیم نبیؐ[2] کی بشارت دیتے رہے۔ آپؐ نے کسی آنے والے کی بشارت دینے کی بجائے آئندہ نبوّت کا دعوٰی کرنے والے کو

---

[1] آپؐ کے بعد کسی اور کو نبی ماننا گویا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اِس دعوٰی کو جھٹلانا ہے۔ اِس لیے صریح کفر ہے۔ آخری نبیؐ ہی سب انبیاء سے افضل ہے کیوں کہ آپؐ پر ایمان لائے بغیر سابقہ انبیاء پر ایمان لانا بے کار ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کسی کو نبی ماننا اِس کو آپؐ سے افضل ماننا ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

[2] جس سے مراد آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی تھے۔ آپؐ ہی "دعائے خلیل" اور "نوید مسیحا" تھے اور انبیاء کی بشارتوں کا مصداق۔

Marfat.com

کذاب" (سب سے بڑا جھوٹا) کہا۔ آپؐ کا نبوت ختم ہونے کا اعلان اِنسانیت پر ایک بڑا احسان ہے۔ اب کوئی کسی ماوراء الحواس ہستی ذریعے کے حوالے سے اپنی بات یا شخصیت کو لوگوں پر نہیں تھوپ سکتا۔ اب ہر ایک کو عقل کی مدد سے آخری وحیٔ الٰہی کی روشنی میں چلنا ہے۔

محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دین مکمل ہوگیا، وہی دینِ اسلام جو حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضورؐ سے پہلے تک تمام انبیاء اور رسُول پیش کرتے رہے۔ اب وُہ اپنی آخری شکل میں آپؐ کے ذریعے اِنسانوں کو دیا گیا۔ دینِ اِسلام کی تعلیمات آپ پر قرآنِ کریم کی صُورت میں نازل ہوتی رہیں۔ آپؐ نے اِس کتاب کو بحکم الٰہی نظامِ حفظ و کتابت کے ذریعے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسا محفوظ کر دیا کہ اِس کے کسی ایک لفظ بلکہ حرف کے طریقِ املاء و تلفظ تک میں ذرا بھر تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور اِس کتاب کی حفاظت کا یہ انتظام اور نظام "خطا نا آشنا" (FOOL PROOF) ہے کہ آئندہ بھی کبھی اِس میں کوئی تبدیلی ہونا ناممکنات میں سے ہے۔

قرآنِ کریم کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے قرآن کے معنوں کی بھی یوں حفاظت کی ہے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآنِ کریم کے ایک ایک حکم پر مکمل عمل کر کے اور پورا دینِ اسلام برپا کر کے دُنیا کو دکھا دیا۔ قرآنِ کریم کے معنی اور مطلب کی اس عملی تعبیر اور تفسیر کا مکمل ریکارڈ سُنت کی صُورت میں موجود ہے۔ سیرت اور حدیث کی ساری کتابیں اسی "سُنتِ رسُولؐ" کا بیان ہیں۔ دین کے مکمل ہو جانے اور دین کی اصل تعلیمات کے تحریف سے محفوظ ہو جانے میں بھی اِسی بات کا اشارہ ہے کہ اب نبوت ختم ہوگئی۔

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے انبیاء صرف اپنے اپنے ملک یا قوم کے لیے مبعُوث کیے جاتے تھے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سارے اِنسانوں اور پوری دُنیا کے لیے اللہ کے رسُول ہیں۔ آپؐ کا دین ہمہ گیر بھی ہے اور عالمگیر بھی۔ آپؐ کو اللہ تعالےٰ نے "اسوۂ حسنہ" مقرر کیا تو آپؐ کی پوری سیرت بھی محفوظ کر دی۔ کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہیں جس کے بارے میں آپؐ کی دی ہوئی تعلیمات میں رہنمائی موجود نہ ہو۔ آپؐ کی زندگی اتنی متنوع اور جامع تھی کہ حکومت اور سیاست، تجارت اور معاشرت، زہد اور عبادت، فصاحت اور خطابت، قانون اور عدالت اور انقلابی اور حربی قیادت بلکہ تعلیم و تربیت تک نہیں ہر جگہ آپؐ ایک اسوۂ حسنہ یا کامل نمونہ نظر آتے ہیں۔ مسلمان فخر سے سر اٹھا کر کہہ سکتا ہے کہ اسے زندگی کے کسی بھی مسئلے میں راہنمائی کے لیے کسی بھی "ازم" کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ہمارا ہادی، ہمارا آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر معاملے میں رہنما، صرف زبانی ہی نہیں بلکہ اپنے عملی نمونے کے ساتھ رہنما ہے۔ آپؐ کی رہنمائی کے مطابق چلنے میں فلاح اور آپؐ کی رہنمائی سے انحراف ہلاکت کی راہ ہے۔

۶-۱ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم (مسلمانوںؑ) پر حقوق

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق کی صحیح نوعیت معلوم ہونی چاہیے۔ کہنے کو

Marfat.com

تو اور بھی کئی امتیں اپنے انبیاء کی نام لیوا ہیں، مگر حالت یہ ہے کہ توحید جیسی بنیادی چیز کو ترک کر کے آخرت کو بالکل بھول چکی ہیں۔ قرآن و سُنت میں ہمیں اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تعلق کو سمجھنے اور اسے ہمیشہ درست رکھنے کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ حضورؐ پر ایمان لانا آپؐ کے تمام دعوؤں اور تعلیمات کی سچائی پر یقین اور اس کا اعلان کرنا

۲۔ آپؐ کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنا، آپؐ کا ہر حکم بجا لانا اور آپؐ کا ہر فیصلہ شرحِ صدر کے ساتھ قبول کرنا اور آپؐ کے نمونے کو اپنانے میں فخر محسوس کرنا۔

۳۔ آنحضورؐ سے بے پناہ محبت کرنا۔ اپنے تمام مفادات اور اپنی تمام خواہشات کو حضورؐ کے احکام کے تابع کر دینے کو اس محبت کا مظہر اور معیار بنانا۔

۴۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے زیادہ ادب اور احترام کرنا اور آپؐ کی عظمت اور جلال کے احساس سے ہمیشہ تواضع اور انکسار سے رہنا۔ آپؐ کی ادنیٰ سی نافرمانی اور خلاف ورزی سے بھی ہر وقت بچتے رہنا۔

۵۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت یعنی تمام مسلمانوں کی خیرخواہی کرنا اور ان کے مسائل اور مصائب میں اضافے کا سبب نہ بننا۔

۶۔ حضورؐ کے پیغام کو اپنے قول اور عمل سے آگے پھیلانا۔ تبلیغِ دین سے غافل یا بے تعلق نہ رہنا۔

Marfat.com

خود آزمائی نمبر ۱

۱۔ عقیدۂ رسالت دراصل عقیدۂ توحید کا تقاضا ہے وضاحت کیجئے۔ (۱-۳)

۲۔ کلمہ میں توحید کا اقرار پہلے ہے یا رسالت کا؟ (۱-۳)

عملی کام ایک دن کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت مع ترجمہ یاد کیجیے دوسرے دن ان کو مع ترجمہ حافظے کی مدد سے لکھیے اور اپنی غلطیوں کی پڑتال کیجیے۔

۳۔ رسالت اور رسُول کے لفظی اور اصطلاحی معنی بتائیے (۲-۳)

۴۔ نبوت یا رسالت کی ضرورت کیوں ہے؟ (۲-۳)

۵۔ جبلت، وجدان اور عقل کیا کام دیتے ہیں۔ نیز بتائیے کہ انسان اور حیوان کی عقل میں کیا فرق ہے؟ (۲-۳)

۶۔ رسالت پر ایمان اور کسی خاص رسُول پر ایمان میں کیا فرق ہے؟ (۴-۳)

۷۔ نبوّت اور رسالت کے لفظی معنی لکھیے۔ دونوں میں مشترک بات کیا ہے؟ (۴-۳)

عملی کام کتاب میں دیے ہوئے انبیاءؑ کے نام یاد کیجیے پھر ایک دن حافظے کی مدد سے تمام نام لکھیے، کتاب سے ملائیے۔ کتنے نام بھول گئے؟ اگر آپ پندرہ منٹ میں یہ سب نام یاد کرلیں تو آپ ماشاء اللہ بہت ذہین ہیں۔

۸۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ والی بات پر اصرار کیوں غلط ہے؟ (۴-۳)

عملی کام اطاعتِ رسُولؐ کے متعلق حاشیے میں لکھی ہوئی آیات کتاب سے دیکھ کر لکھیے اور ترجمہ بھی یاد کیجیے۔

۹۔ مندرجہ ذیل الفاظ کو فقروں میں استعمال کیجیے۔ معصوم، مبشر، معجزہ، آیت، اطاعت (۴-۳)

۱۰۔ تمام انبیاءؑ کی تعلیمات میں سے تین بنیادی مشترک چیزوں کا ذکر کیجیے۔ (۴-۳)

۱۱۔ نور اور بشر کی بحث کس لحاظ سے ایک فضول بحث ہے؟ (۴-۳)

۱۲۔ قرآن اور پہلی آسمانی کتابوں میں سب سے بڑا فرق کیا ہے؟ (۴-۳)

Marfat.com

۲- آخرت

۲-۱ عقیدۂ آخرت کی اہمیّت

اِیمَانٌ بِالْیَوْمِ الْآخِرِ (آخری دن پر ایمان) یا عقیدۂ آخرت اسلام کا تیسرا بنیادی اصول یا عقیدہ ہے۔ اس عقیدے کی اہمیت سمجھنے کے لیے حسبِ ذیل امور پر غور کیجیے:۔

۱۔۔۔ قرآن میں آخرت کا بیان اتنی جگہ اور اتنی آیات میں ہوا ہے کہ مجموعی طور پر یہ توحید و رسالت کے بیان سے بھی زیادہ بنتا ہے۔

۲۔۔۔ قرآنِ کریم میں چوبیس (۲۴) مقامات پر ایمان کا ذکر صرف "اللہ" اور آخرت پر ایمان کہہ کر کیا گیا ہے۔ (حالانکہ ایمان کے اصول میں اللہ کے رسولوں بلکہ اس کے فرشتوں اور کتابوں پر ایمان لانا بھی شامل ہے) اِس سے صرف عقیدۂ توحید کے ساتھ عقیدۂ آخرت کا تعلق اور اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

۳۔۔۔ قرآنِ کریم میں آخرت کا ذکر "اَلْیَوْمُ الْاٰخِرُ" کہہ کر ۲۴ جگہ آیا ہے۔ اور لفظ "اَلْاٰخِرَۃُ" **112** جگہ پر آیا ہے اس کے علاوہ "یَوْمُ الْبَعْثِ" (جی اٹھنے کا دن)، یَوْمُ الْحَسْرَۃِ (حسرت کا دن)، یَوْمُ الْحِسَابُ (حساب کا دن) یَوْمُ الْفَصْلِ (قطعی فیصلہ کا دن)، یَوْمُ الْخُرُوْجِ (نکلنے کا دن)، یَوْمُ الْقِیَامَۃ (کھڑے ہونے کا دن) یَوْمُ الْحَقِّ (برحق دن) وغیرہ کوئی بیس کے قریب ناموں سے اس کا ذکر آیا ہے۔ یَوْمَ ---- (جس دن کہ) یا یَوْمَئِذٍ --(آج کے دن) سے شروع ہونے والی دو سو کے قریب آیات میں آخرت کا بیان موجود ہے۔

۴۔۔۔ قرآنِ کریم میں تقابل پر زور دینے کے لیے بیس سے زائد مقامات پر "دنیا اور آخرت" کا یک جا ذکر ہوا ہے۔[1] اس کے علاوہ عقیدۂ آخرت کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے ثَوَابُ الْاٰخِرَۃِ (آخرت کا ثواب)، اَجْرُ الْاٰخِرَۃِ (آخرت کا اجر) دَارُ الْاٰخِرَۃِ (آخرت کا گھر)، عَذَابُ الْاٰخِرَۃِ (آخرت کی سزا) حَرْثُ الْاٰخِرَۃِ (آخرت کی کھیتی) اور نَکَالُ الْاٰخِرَۃِ (آخرت کی ذلت) وغیرہ تراکیب کا استعمال بکثرت کیا گیا ہے۔

---

[1] ہمارے ہاں عموماً "دین اور دنیا" ایک دوسرے کے مقابل تصور کیے جاتے ہیں۔ قرآن و سُنت کے مطابق اصل مقابلہ دین اور دُنیا میں نہیں بلکہ "دنیا اور آخرت" میں ہے۔ مسلمان کو دنیا چھوڑ دینے کا حکم نہیں ہے۔ البتہ جہاں دنیا اور آخرت کے فائدے میں سے ایک کو چھوڑنا ضروری ہو جائے تو مسلمان وُہ ہے جو دنیا کے مقابلے میں آخرت کے فائدے کو ترجیح دے۔

Marfat.com

۵۔۔۔۔ یہی وُہ عقیدہ ہے جو دنیا کے تمام مذاہب میں کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آخرت کا خیال فطری طور پر ہر شخص کے اندر گاڑ دیا گیا ہے۔ جب سے انسان اِس دنیا میں بسنے لگا ہے، یا کم از کم جب سے اِس کی تاریخ کسی طرح سے بھی معلوم ہوتی ہے، "خدا" اور "آخرت" کا عقیدہ یا ان کا کچھ نہ کچھ تصور ہمیشہ انسانوں میں موجود رہا ہے۔

۶۔۔۔۔ قرآنِ کریم میں جن انبیاءؑ کے حالات بیان ہوئے ہیں اِن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی نے توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدے کو ہمیشہ اپنی دعوت کا نقطۂ آغاز قرار دیا۔

۷۔۔۔۔ اِس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ "عقیدۂ آخرت" اسلام کا اساسی عقیدہ ہے۔ توحید اور رسالت کی طرح اِس کے بارے میں بھی کسی شک و شبہ میں مبتلا رہنا اسلام اور ایمان کے یکسر منافی ہے۔ اِس لیے ان تمام عقائد کو عقلی دلائل سے سمجھ کر علی وجہ البصیرت اختیار کیجیے۔ قرآنِ کریم نے خود یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

۲-۲ آخرت کے لُغوی اور اصطلاحی معنی

آگے چلنے سے پہلے ہم "اٰخِرَۃٌ" کے لفظی اور اصطلاحی معنی بیان کرتے ہیں۔ عربی میں "اٰخِرٌ" کا معنیٰ ہوتا ہے "آخری"۔ سب سے پیچھے، کسی لمبائی مثلاً رسی یا فاصلے وغیرہ کا دوسرا سرا (آخر کی ضد یا متقابل کا لفظ "اوّل" ہے جو اُردو میں بھی مستعمل ہے) انگریزی میں اِس کا ترجمہ LAST یا LETTER END, END سے کر سکتے ہیں۔ لفظ "اٰخِرَۃٌ" اِسی "آخر" کا مؤنث ہے۔ قرآنِ کریم میں چونکہ یہ لفظ "الدَّار" (گھر) کے ساتھ بطور صفت کے استعمال ہوا ہے۔ اور دار کا لفظ عربی میں مؤنث ہے۔ (جیسے اُردو میں مکان کہیں تو مذکر اور کوٹھی کہیں تو مؤنث ہوگا) اِس لیے صفت بھی مؤنث "اٰخِرَۃ" استعمال ہوتی ہے اور یوں "اَلدَّارُ الْاٰخِرَۃِ" کا معنی بنا "آخری گھر" کثرتِ استعمال سے "دار" کا لفظ ساتھ استعمال نہ ہونے پر صرف لفظ "اَلْاٰخِرَۃ" کے معنی بھی وُہی "آخری گھر" ہی ہوں گے۔ "یَوْم" (دن) کا لفظ چونکہ عربی میں بھی (اُردو کی طرح) مذکر ہے اِس لیے اِس کے ساتھ ترکیب توصیفی میں "آخر" بھی مذکر استعمال ہوتا ہے اور یُوں آخرت کے معنوں میں دوسرا لفظ "اَلْیَوْمُ الْاٰخِرِ" بنتا ہے، جس کے معنی ہیں "آخری دن"۔

اب آیئے اصطلاحی معنوں کی طرف۔ کون سا آخری گھر؟ کون سا آخری دن؟ "اٰخِرَۃ" (جسے اُردو میں آخرت لکھنا درست ہے) کے اصطلاحی معنی یوں بنتے ہیں کہ "مرنے کے بعد دوسری زندگی اور اس میں ملنے والا ٹھکانا"۔ اور "اِیمَانٌ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" یا عقیدۂ آخرت کا مطلب ہوا کہ "اِس بات کا اعتقاد کہ مرنے کے بعد دوبارہ ایک زندگی ملے گی"۔ قرآن مجید میں اِس آخری یا دوسری زندگی کے لیے ایک لفظ "مَعَاد" بھی استعمال ہوا ہے اور اِس کے معنی ہیں لَوٹنے کا وقت یا جگہ اور اصطلاحی معنی وہی ہیں جو "آخرت" کے ہیں، مگر یہ لفظ اُردو میں بہت کم استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

اگر بات صرف دوبارہ زندگی کی ہوتی تو اس میں گھبرانے کی کیا ضرورت۔ اِس سے تو بظاہر مسرت ہونی چاہیے کہ ہم دوبارہ زندہ ہوں گے لیکن مسئلہ صرف دوبارہ زندگی پانے کا نہیں۔ اِس کے ساتھ کچھ اور امور بھی وابستہ ہیں۔

۲-۳ عقیدۂ آخرت کا مطلب ــ چھ بنیادی نکات

اب ذرا قرآنِ حکیم اور سُنّت رسُول کی روشنی میں عقیدۂ آخرت کی کچھ تفصیل سنیئے۔ یہ مضمون قرآنِ کریم کی سینکڑوں آیات کا خلاصہ ہے۔ انفرادی طور پر تو ہر انسان کی موت ایک قطعی اور یقینی امر ہے جس سے دنیا کا کوئی آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ قرآنِ کریم میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک دن یہ پُورا کرۂ ارض تباہ ہو جائے گا اور سب کے سب انسان مر جائیں گے۔ قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انبیاء بھی یہی تعلیم دیتے رہے۔ اس تباہی کے وقت کو قرآنِ کریم میں چالیس مقامات پر "اَلسَّاعَة" (مقررہ گھڑی یا وقت) کہا گیا ہے۔ (ہمارے ہاں عام طور پر اس کے لیے لفظ "قیامت" بولا جاتا ہے۔ اور اب یہ "اَلسَّاعَة" کے معنی ہی رکھتا ہے۔ تاہم قرآنِ کریم میں "یَوْمُ الْقِیَامَة" مرنے والے دن کے لیے نہیں بلکہ دوبارہ جی اٹھنے کے دن کے لیے آیا ہے) اس کی بڑی خوفناک کیفیت بیان ہوتی ہے۔

کفار ہمیشہ رسُولوں کی اس بات کو ناممکن کہہ کر اِس کا مذاق اُڑاتے۔ اُن کے دانشور کہتے تھے کہ دُنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ طوفان، زلزلہ، سیلاب، جنگ، وباء وغیرہ میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں انسان ضرور مر سکتے ہیں، مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ایک بھی انسان زندہ نہ رہے۔ انبیاءؑ صدیوں تک یہ بات دہراتے رہے ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو پہلے نبی سے ہزاروں سال بعد آخر میں تشریف لاتے انہوں نے بھی یہی بات فرمائی، بلکہ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اب وہ وقت دُور بھی نہیں ہے۔ اس کو بھی چودہ سو برس گزر چکے۔

موت انفرادی ہو یا اجتماعی، یہ زندگی کا انجام نہیں ہے، بلکہ ایک اور زندگی کا آغاز ہے۔ ہر انسان مرتے ہی ایک طرح کی "عبوری نئی زندگی" شروع کرتا ہے، جسے قرآنِ کریم نے "برزخ" کہا ہے۔ جب اجتماعی ہلاکت واقع ہو چکے گی تو اس کے بعد دوبارہ سب کے سب انسانوں کو زندہ کیا جائیگا۔ اب ایک ایک فرد سے اکیلے اکیلے اس پہلی (دنیاکی) زندگی میں کیے گئے اعمال کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ انسان کی کوئی نیکی یا بدی چھپی نہیں رہ جائے گی۔ قرآنِ کریم نے اس یَوْمُ الْحِسَاب کی جو تفصیلات بیان کی ہیں، وہ لرزانے والی ہیں۔ اس دن دھن، دھونس، دھاندلی بڑوں کے کچھ کام نہیں آسکے گی

Marfat.com

نہ سفارش نہ بہانہ، معافی کا وقت بھی گزر چکا ہوگا۔ اس کے ساتھ اس دنیا میں بظاہر ضائع جانے والی نیکیوں کے مسرت افزا نتائج نیکوں کے سامنے آئیں گے۔ قرآنِ کریم کی صرف دو آیات اس حساب کتاب کی کیفیت سمجھانے کے لیے کافی ہیں۔ فرمایا

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ — تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے گا، اسے دیکھ لیگا

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ — اور جو ایک ذرہ بھر بُرائی کرے گا۔ اسے دیکھ لیگا

(الزلزال : ۷،۸)

اس حساب کتاب کے نتیجے میں مجموعی طور پر نیک و بد اور اچھے اور بُرے انسان الگ الگ کر دیے جائیں گے۔ دونوں قسم کے انسانوں کو اب ایک ابدی زندگی دی جائے گی۔ جس میں موت نہیں آئے گی مگر زیادہ نیکی کرنے والوں کو نعمتوں سے نوازا جائے گا، جب کہ زیادہ بُرائی کرنے والے بدترین سزا پائیں گے۔ اس انعام اور اس سزا کا ذکر قرآنِ کریم نے "جَنَّة" (بہشت) اور جہنم (دوزخ) کہہ کر کیا ہے۔ آخرت کے اس حساب کتاب میں۔ اللہ کی عدالت میں۔ کون سے قانون کیمطابق پرکھ کی جائے گی؟ نیکی و بدی کا معیار کیا ہوگا؟ گواہ کہاں سے لائے جائیں گے؟ ہر آدمی کے اعمال کا ریکارڈ کہاں سے لیا جائے گا؟ یہ سب کچھ اس دین اور قانون کے مطابق ہوگا جس کی خبر اس زندگی میں رسولوں کے ذریعے دے دی گئی تھی۔ اسی لیے اُس دن کا نام بھی قرآن میں "يَوْمُ الدِّيْن" آیا ہے، یعنی جزاء سزا کا دن یا "دین" کے نتائج کے ظہور کا دن۔ اس دن توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان یا ان کے انکار کے اچھے بُرے نتائج سامنے آجائیں گے۔ اس دن انبیاء کی تبشیر (خوشخبری دینے) اور انذار (ڈرانے) کی ایک ایک بات درست ثابت ہوگی۔ تمام انبیاء کی عظمت اور ان کی تعلیمات کی صداقت اس دن روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگی۔ ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن اپنے بلند ترین مرتبے "مقامِ محمود" پر جلوہ گر ہوں گے۔

قرآنِ کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد اس آنے والی زندگی میں شعور کا تسلسل (CONTINUITY OF CONSCIOUSNESS) جاری رہے گا، یعنی تمام اچھے یا بُرے لوگ اپنے اس دنیاوی زندگی میں کیے گئے کاموں اور کہی گئی باتوں کو یاد کریں گے، انہیں علم ہوگا اور بتادیا جائے گا کہ انعام کس لیے مل رہا ہے۔ اور سزا کس لیے؟

۴-۲ عقیدۂ آخرت کا عقلی ثبوت

یہ تو تھا عقیدۂ آخرت یعنی موت کے بعد کی زندگی کا مختصر حال، جس طرح قرآنِ کریم نے بیان کیا ہے۔ اب ذرا

Marfat.com

دوسرے پہلو پر غور کیجیے۔ ان تمام باتوں کے واقع ہونے پر یقین کرنا یا ایمان لانا واقعی آسان کام نہیں ہے۔ عقل کوتاہ بین کو یہ ساری باتیں ناممکن اور بے بنیاد نظر آتی ہیں۔ پہلے انبیاء کے مخاطب بھی اور کفارِ مکہ اور مشرکین عرب بھی مرنے کے بعد دوبارہ کسی زندگی کے تصور کو "دماغ کا خلل" سمجھتے تھے۔ وُہ سب سے زیادہ اسی "عقیدۂ آخرت" اور "حیات بعد الموت" کو جھٹلاتے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ آج بھی بہت سے لوگ آخرت کے صریح منکر یا کم از کم اِس کے بارے میں شک و شبے میں مبتلا ہیں۔ آیئے دیکھیں قرآنِ کریم نے انکار آخرت کے "دلائل" کو کس طرح معقول جوابات سے رد کیا ہے اور اس "آخرت" کے ثبوت میں کیسے دِل میں اتر جانے والے دلائل پیش کیے ہیں۔

کفارِ مکہ کا پہلا اعتراض بڑا "سائنٹفک" قسم کا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ جب انسان کی ہڈیاں بھی گل سڑ گئیں تو وُہ دوبارہ زندہ کیسے کیا جائیگا۔ انہیں اپنے اِس استدلال پر بڑا ناز بھی تھا۔ اسے وُہ مکہ کی ہر مجلس میں دُہراتے پھرتے تھے۔ یہ تو ایک سائنسی حقیقت ہے کہ انسان جن عناصر کا مجموعہ ہے کم از کم جسم کی حد تک (روح کا معاملہ تو سائنس کی حد سے باہر ہے) ان سب کا علم ہے باہم تناسب اور توازن تک کا۔ مگر مرنے کے بعد یہ سب عناصر منتشر ہو جاتے ہیں۔ ان سب کا دوبارہ ایک جگہ، اسی ترکیب اور تناسب سے جمع ہونا ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا موت کے بعد زندگی ہی ثابت نہیں ہو سکتی تو آخرت کی باقی باتیں خود بخود غلط ثابت ہو جاتی ہیں۔ اس کا جواب قرآنِ کریم نے بار بار یہ دیا ہے کہ تم اپنی پہلی زندگی پر غور کرو۔ تمہارے اِس فانی جسم کے عناصر کس کس طریقے سے کہاں کہاں سے جمع کر کے تمہیں یہ زندگی دی گئی۔ کائنات میں دیکھتے نہیں کس طرح بے جان (INORGANIC) عناصر سے زندگی (LIVING ORGANISM) پھوٹتی ہے۔ نباتات، حیوانات اور خود انسان کے مراحل تخلیق اور تولد و تناسل پر غور کرو۔ وُہ زبردست طاقت، جو علیم و حکیم اور عزیز و قدیر اس کرۂ ارض پر حیات کے یہ عجائبات دکھا سکتا ہے اُس کے لیے تمہیں دوبارہ زندگی دینا کیسے ممکن نہیں؟ زمین سے نکلنے والی کن کن خوراکوں کے ذریعے تمہاری تولید کا سامان تمہارے والدین کے جسم میں لا جمع کیا۔ پھر رحم مادر سے جس زندگی کا آغاز ہوا، اس کے مراحل پر غور کرو۔ تم جب ماں کے پیٹ میں تھے، تو کیا اپنی بیس سال کی عمر کے تجربات کا کوئی تصور کر سکتے تھے؟ حالانکہ ان بیس برسوں میں تو تمہاری جسمانی زندگی کا تسلسل بھی موجود رہا ہے، پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اِس کرۂ ارض پر رہنے والی تمام مخلوقات سے افضل اور بہتر ہے۔ یہ صاحب عقل و ارادہ مخلوق ہے۔ اس کے اندر حیرت انگیز جسمانی، ذہنی اور روحانی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اگر نظریۂ ارتقاء کو مان لیا جائے تب بھی یہ زندگی کی سب سے زیادہ "ارتقاء یافتہ" صورت ہے۔ تو کیا اِس کا موت کے ذریعے بالکل ضائع ہو جانا عقلاً قابلِ قبول ہے؟ کیا یہ سارا ارتقاء اور انسان کی ساری استعداد ایک "فعل عبث" ہے؟

Marfat.com

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ (المؤمنون - ١١٥)

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے۔ کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ (المومنون ١١٥)

کائنات کی ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے کوئی چیز بیکار نہیں اور غور کیجئے انسان کو کائنات کی ہر شے کی ضرورت ہے مگر انسان کی ضرورت کس کو ہے؟ ہر چیز انسان کے بغیر رہ سکتی ہے۔ مگر انسان۔ زمین، ہوا اور پانی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تو کیا یہ عقل کی بات ہے کہ یہ مخلوق (انسان) جس کے لیے گویا سب کچھ بنایا گیا ہے، یہ خود بے کار محض ہو؟ انسانی ذہن اسے قبول نہیں کر سکتا۔ عقل ہی کہتی ہے کہ حضرت انسان کے لیے یقیناً

ع ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

اِنسان کے اندر نیکی و بدی یا اچھائی، بُرائی کا ایک فطری تصور موجود ہے۔ اجتماعی عقل انسانی یعنی تمام قوموں اور ملکوں کے لوگ بعض کاموں کے بُرا ہونے اور بعض کاموں کے اچھا ہونے پر متفق ہیں۔ اسی بنیاد پر مختلف قوموں میں جرم و سزا اور قانون و انصاف کے پیمانے بنائے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہم یہ اکثر دیکھتے ہیں کہ بعض انسان ساری دنیا کی رائے میں بُرے کام کرتے ہیں، مگر پوری زندگی میں وُہ کسی طرح قانون و انصاف کی گرفت میں نہیں آتے، مرکر یہ بھی خاک ہو گئے۔ دوسری طرف کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو زندگی بھر وُہ تمام اچھے کام کرتے ہیں جنہیں ساری دنیا اچھے کام کہتی ہے مگر پوری زندگی میں کوئی انہیں داد نہیں دیتا۔ نہ وُہ کوئی انعام پاتے ہیں نہ شہرت، اپنی نیکی کا انہیں کوئی دنیوی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہ بھی مرکر خاک ہو جاتے ہیں۔ دونوں برابر ہو گئے، وُہ بھی خاک یہ بھی خاک۔ پاک اور ناپاک کا ایک ہی انجام! عقل اسے کیسے تسلیم کرے؟ انسانی ضمیر اور فطرت کا تقاضا ہے کہ کوئی ایسا نظامِ انصاف ہونا چاہیئے، جہاں نیکی اور بدی کو پرکھ کر آخری اور مکمل نتائج سامنے لائے جائیں۔ یہی ہے عقیدۂ آخرت کا فطری تقاضا اور عقلی ثبوت۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ۔ کیا ہم ایمان لانے اور اچھے کام کرنے والوں کو ان جیسا کر دیں۔ جو زمین میں بگاڑ پھیلاتے ہیں۔ یا ہم پرہیزگاروں کو نافرمان شریروں کے برابر کر دیں؟ (ص: ٢٨)

کفار کو، منکرین آخرت کو موت کے بعد زندگی اور جزا و سزا پر تعجب تھا۔ قرآنِ کریم نے فطرتِ انسانی نے انبیاءؑ اور رسولوں نے کس طرح خود ان کی دانشوری کو ایک تعجب انگیز حماقت ثابت کر دیا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

Marfat.com

۵-۲ عقیدۂ آخرت کی برکات

عقیدۂ آخرت کے خوشگوار اثرات اور ذریعۂ تعلیم و تربیت کے طور پر اس کے استعمال کے فوائد دو طرح سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

۱۔ بُرائی سے بچنے میں ۲۔ نیکی کی طرف چلنے میں۔

قرآن کریم نے ایک جگہ (سورۃ المومنون: ۱۲-۱۶ میں) انسان کی تخلیق اور تولید کے مختلف مراحل کا ذکر کر کے اس سے "اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ" کی قدرتِ کاملہ پر استدلال کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے

ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تُبْعَثُوْنَ ۝

"تو پھر یقیناً اس کے بعد تم ضرور ہی مرنے والے ہو۔ پھر یقیناً تم سب قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے"۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کو زور دار الفاظ میں بیان کرنا تو خیر کوئی بات ہوئی۔ آیات بالا میں قابلِ غور بات یہ ہے۔ کہ موت کے "یقیناً" اور "ضرور ہی" واقع ہونے کی خبر دینا بھی کوئی ناقابلِ یقین بات ہے؟ کون نہیں جانتا کہ موت تو آئے گی ہی۔ پھر ان آیتوں میں "موت" اور "موت کے بعد زندگی" کو یکساں یقین انگیز الفاظ بلکہ موت کے یقینی ہونے کو زیادہ تاکید کے ساتھ بیان کرنے میں آخر حکمت کیا ہے؟ ہاں یقیناً ہے۔ آدمی اگر مرنے کے بعد آنے والی زندگی کو بھول بھی جائے اور صرف یہی یاد رکھے کہ اسے مرنا ضرور ہے اور کچھ معلوم نہیں موت کس وقت آ جائے تو اتنی سی بات بھی اسے ہزاروں بُرائیوں سے روک سکتی ہے۔ "میں جو یہ ناجائز ذرائع سے ملازمت کر رہا ہوں یا دولت حاصل کر رہا ہوں کیا ممکن نہیں کہ میں دنیا میں ہی اس سے فائدہ نہ اٹھا سکوں"؟ "مکر و فریب سے حاصل ہونے والے مفادات سے استفادہ کب تک"؟ "کسی مظلوم کی آہوں کی قیمت پر، معاشرے کو تباہ کرنے کے عوض میں اور قوم، ملک یا دین سے غداری کے انعام میں مجھے جو کچھ مل رہا ہے کیا یہ کچھ بعید ہے کہ مجھے دو دن بھی اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہ مل سکے؟ تو پھر آخر یہ کیوں کروں"؟ اگر ایک آدمی بُرائی کرتے وقت اس انداز میں اور ان خطوط پر سوچنے لگے تو کیا صرف موت کے ذکر سے ہی وُہ بُرائی سے بچ نہیں سکتا؟ اور پھر اگر انسان کو آخرت کے حساب کتاب کا خیال بھی ہو تو وُہ ہر وقت اپنا احتساب کیوں نہیں کرے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ عقیدۂ آخرت کے بغیر بہتر اور صالح معاشرے کا قیام ناممکن ہے۔

عقیدۂ آخرت کی حکمتوں، فائدوں، معاشرتی زندگی پر اس کے صحت مند اثرات اور اخلاقی نظام میں اس

Marfat.com

کی اہمیت کا یہ صرف قانونی یا زیادہ سے زیادہ اخلاقی پہلو ہے۔ یہ بھی اچھا ہے۔ مگر اتنا ہی جتنا ایک طالب علم کا صرف فیل ہونے سے بچ جانا۔ آخرت کی سزا کا تصور بس بُرائی سے بچا سکتا ہے۔ بھلائیوں کی دوڑ میں آگے نکلنے پر آمادہ نہیں کر سکتا یہ کام عقیدۂ آخرت کا دوسرا پہلو یعنی آخرت کی نعمتوں کے تصور سے ہوتا ہے۔ " جب ایک آدمی اس بات پر دل سے ایمان لاتا ہے کہ اس دنیا کی ساری نعمتیں اور لذتیں آخرت کے مقابلے میں ہیچ ہیں، تو دنیا کی آرائش اور ضرورت سے زائد چیزوں سے پرہیز اور قناعت کے ساتھ ساتھ آخرت کی فکر، ان کاموں سے دلچسپی جو اخروی زندگی میں نفع دے سکیں۔ اللہ کے سامنے حاضری کا شوق، جو کچھ اللہ کے ہاں ہے اسے دنیا پر ترجیح دینا، ایمان پر خاتمہ اور اللہ کی راہ میں موت کا استقبال یہ امور اس کے احساس و شعور اور ایمان و وجدان کا جزو بن جاتے ہیں۔ ایسا آدمی جب آخرت کا ذکر کرتا ہے تو ایک بے ساختگی لذت اور لُطف کی کیفیت سے کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت بڑی قوت، گرمجوشی اور یقین کے ساتھ دیتا ہے۔ یہ دراصل عقیدۂ آخرت کی خاصیت ہے کہ وہ قدرتی طور پر اپنے ماننے والوں میں اس زندگی کی بے وقعتی، خواہشات پر قابو اور مردانگی و حق پرستی کے اوصاف پیدا کرتا ہے۔ اس میں قطعاً شک نہیں کہ اسلام کی ابتدائی دور کی فتوحات و ترقیات اور اس کی عام تبلیغ و اشاعت اسی ایمان اور عقیدۂ آخرت کی مرہونِ منت تھیں۔

مگر خیال رہے کہ عقیدۂ آخرت اور اس دنیا کی زندگی کے حقیر و قلیل ہونے کے بارے میں قرآن کریم و اسلام کے نقطۂ نظر کا اس ناپسندیدہ رہبانیت اور ترکِ دنیا کے تصور سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں مگر جسے اسلام کی تعلیمات سے غفلت اور بعض غیر اسلامی رجحانات کے زیرِ اثر خود مسلمانوں میں بھی راہ پا گیا تھا۔

عقیدۂ آخرت اس دنیا کی حق تلفی اور اس کی صحیح قدر و قیمت سے انکار کے بغیر صرف آخرت کی ترجیح پر قائم ہے اس کی بنیاد آخرت کی جدوجہد حق و صداقت کے لیے سعی مسلسل اور لازوال زندگی کے حصُول کے لیے عارضی اور فانی خواہشات کی قربانی اور رضائے الٰہی کی طلب ہے۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ مسلمان صرف اسی عقیدے کی کمزوری کی وجہ سے کمزور ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی نئی نسل جو آج کل ہوا و ہوس میں گرفتار نظر آ رہی ہے۔ اس کو اس عقیدے، عقیدۂ آخرت کی تجدید، اس کے از سرِ نو احیاء اور مسلمانوں میں اس کی اشاعت کی شدید ضرورت ہے۔ کھسکی ہُوئی چول اس وقت تک اپنی صحیح جگہ پر نہیں آئے گی اور مسلمانوں کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا۔ جب تک وہ اس زندگی اور آنے والی زندگی کو قرآن کریم کے نقطۂ نگاہ سے دیکھنا شروع نہ کریں گے۔"

Marfat.com

۶-۲ خود آزمائی نمبر ۲

۱۔۔۔ آخرت کا لفظ قرآنِ کریم میں کتنی جگہ آیا ہے؟ (۱-۴)

۲۔۔۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔ یَوْمُ الحساب، یَوْمُ الحسرۃ، یوم الدین، الیومُ الحق، اور یَوْمُ البعث (۱-۴)

۳۔۔۔ عقیدۂ آخرت کی اہمیت کو کوئی سے تین نکات کے ذریعے سے واضح کیجیے۔ (۲-۴)

۴۔۔۔ معاد اور آخرت میں کیا تعلق ہے؟ (۲-۴)

۵۔۔۔ اَلسَّاعَۃ سے کیا مُراد ہے؟ قرآنِ کریم میں یہ لفظ کتنی بار آیا ہے؟ (۳-۴)

عملی کام

"مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ" والی دونوں آیات یاد کیجیے اور زبانی مع ترجمہ لکھیے۔ پھر غلطیوں کی پڑتال کیجیے۔

۶۔۔۔ آخرت کا حساب کتاب کس قانون کے مطابق ہوگا (۳-۴)

۷۔۔۔ عقیدۂ آخرت کے ثبوت میں قرآنِ کریم نے کیا دلائل پیش کیے ہیں؟ (۴-۴)

۸۔۔۔ کفار کو حیات بعد الموت پر سب سے بڑا اعتراض کیا تھا، قرآنِ کریم نے اس کا کیا جواب دیا ہے؟ (۴-۴)

۹۔۔۔ عقیدۂ آخرت بدی سے کیسے بچاتا ہے اور نیکی پر کیسے آمادہ کرتا ہے؟ (۵-۴)

۱۰۔۔۔ انبیاء بگڑی ہوئی اُمتوں کی اصلاح کے لیے سب سے پہلے کن دو عقائد پر زور دیتے تھے؟

Marfat.com

Marfat.com

۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

صدق اللہ العظیم

ترجمہ : جن و انس کو ہم نے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یونٹ (۵)

دینِ اسلام - III

(عبادات)

تحریر

پروفیسر حافظ احمد یار

Marfat.com

فہرست

		صفحہ
۱	عبادات	۱۱۵
۱-۱	عبادت کے معنی	۱۱۵
۱-۲	عبادت کا عقیدے سے تعلق	۱۱۶
۱-۳	اسلامی عبادات کی اہمیت	۱۱۶
۱-۴	عبادات اور عبادت کا مفہوم	۱۱۷
۲	نماز	۱۱۸
۲-۱	نماز کے معنی	۱۱۸
۲-۲	نماز کی اہمیت	۱۱۸
۲-۳	اِسلام میں نماز کی تاریخ	۱۱۹
۲-۴	نماز کی اصطلاحات	۱۱۹
۲-۵	نظامِ نماز ـ سُنّتِ متواترہ	۱۲۰
۲-۶	نماز کی رُوح اور خشوع	۱۲۱
۲-۷	نماز کا فلسفہ	۱۲۲
۲-۸	بے نمازیوں کا فلسفہ	۱۲۲
۲-۹	خود آزمائی نمبرا	۱۲۳
۳	زکوٰۃ	۱۲۴
۳-۱	زکوٰۃ کے معنی	۱۲۴

Marfat.com

صفحہ

۳-۲ زکوٰۃ کی اہمیت ____ ۱۳۵

۳-۳ زکوٰۃ کے احکام ____ ۱۳۵

۳-۴ زکوٰۃ کے مقاصد ____ ۱۳۶

۳-۵ خود آزمائی نمبر ۲ ____ ۱۲۸

۴ — روزہ ____ ۱۲۹

۴-۱ روزے کے معنی ____ ۱۲۹

۴-۲ روزے کی اہمیّت ____ ۱۲۹

۴-۳ روزے کے مقاصد ____ ۱۳۰

۴-۴ روزے کے متفرق احکام ____ ۱۳۱

۴-۵ خود آزمائی نمبر ۳ ____ ۱۳۲

۵ — حج ____ ۱۳۳

۵-۱ حج کے معنی ____ ۱۳۳

۵-۲ حج کی اہمیت ____ ۱۳۴

۵-۳ حج کے مقاصد اور منافع ____ ۱۳۵

۵-۴ خود آزمائی نمبر ۴ ____ ۱۳۷

۶ — جہاد ____ ۱۳۸

۶-۱ جہاد کا مفہوم ____ ۱۳۸

۶-۲ جہاد، قرآن کی نظر میں ____ ۱۳۹

۶-۳ جہاد، حدیث کی رُو سے ____ ۱۴۰

۶-۴ خود آزمائی نمبر ۵ ____ ۱۴۱

Marfat.com

□ یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مقاصد حسبِ ذیل ہیں :

۱ ــــ آپ "عبادات" کے لفظی اور اصطلاحی معنوں سے آگاہ ہو جائیں ۔

۲ ــــ عبادت اور عقیدے کے تعلق کو سمجھ سکیں ۔

۳ ــــ عبادت کی اہمیت آپ پر واضح ہو جائے ۔

۴ ــــ دینِ اسلام کی اہم اور بنیادی عبادات نماز ، روزہ ، زکوٰۃ اور حج کے ضروری احکام اور اغراض و مقاصد سمجھ سکیں ۔

۵ ــــ جہاد کی ضرورت ، اہمیت اور افادیت آپ پر واضح ہو جائے گی ۔

Marfat.com

۱۔ عبادات

۱-۱ عبادت کے معنی

عبادت کے لفظی اور اصطلاحی معنوں کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ "عبادت" کا ترجمہ عام طور پر "بندگی" کیا جاتا ہے۔ عربی میں "عبد" اور فارسی میں "بندہ" زرخرید غلام کو کہتے ہیں (جن کا پہلے زمانے میں عام رواج تھا) اس لحاظ سے عبادت یا بندگی کا مطلب ہوا غُلام ہونا، غلامی قبول کرنا یعنی مالک کے ہر حکم کی دل وجان سے تعمیل کرنا۔ ہر کام اپنے آقا و مالک کی خوشنودی کے لیے کرنا۔ اسی سے عبادت میں "پُوجا اور پرستش" کا معنی پیدا ہوتا ہے، اِسی سے عبادت کے اِصطلاحی معنی نکلتے ہیں یعنی "ایک خاص مقررہ کیفیت اور ہیئت کے ساتھ اپنے خلوص اور عاجزی کا اظہار کرنا" جس کے مختلف طریقے ہر مذہب وملت میں رائج ہیں۔

آپ کو "غلامی" کے تصور سے عبادت کے معنوں کا تعلق شاید عجیب لگا ہو۔ غلامی تو سیاسی بھی بُری اور مُعاشرتی بھی۔ کیا اسلام کا مطلب ہے "آزادی" کھودینا اور "غلامی" اختیار کرلینا؟ جی ہاں! مگر کس سے "آزادی" اور کس کی "غلامی"؟ یہ بھی تو سوچئے دُنیا میں مطلق آزادی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہاں ہر شخص کو چھڑی گھمانے کی آزادی اس حد پر ختم ہو جاتی ہے، جہاں سے دُوسرے کی ناک کی حد شروع ہوتی ہے۔ کیا کسی بھی اِنسانی معاشرے میں (اور آپ جانتے ہیں کہ انسان ہی وہ "جانور" ہے جو معاشرے کے بغیر نہیں رہ سکتا) ہر آدمی کو یہ آزادی دی جاسکتی ہے کہ وہ جو چاہے کرے تو بھئی! آزادی کو محدُود تو کرنا ہی پڑے گا اور مادر پدر آزادی کو تو آپ بھی بُرا ہی کہیں گے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا معنی آپ نے پڑھا اور سمجھا۔ اللہ کے سوا کوئی معبُود نہیں یعنی ہم اللہ کے سوا کسی اور کے بندے اور غُلام نہیں ہیں۔ یہی وہ غلامی ہے جو انسان کو باقی ساری "غلامیوں" سے نجات دلا دیتی ہے۔ ورنہ وہ آدمی قدم قدم پر، جگہ جگہ۔ قسم قسم کی غلامی میں گرفتار رہتا ہے۔ اِسلام تو ابتدا ہی سے انسانیت کو شرف اور حُریت سے شناسا کرتا ہے۔ اللہ کی غلامی تو ظاہری "غلامیوں" سے ہی نہیں، باطنی "غلامیوں" مثلاً خواہشات تک کی غلامی سے آزاد کر دیتی ہے۔

Marfat.com

۱-۲ عبادات کا عقیدے سے تعلق

آپ نے غور کیا کہ عبادت کے معنوں میں "عمل" اور "کام" کا مفہوم موجود ہے۔ آپ نے پہلے یونٹ میں "دینِ اسلام" کے بنیادی اُصول اور عقائد کا مطالعہ کیا۔ یہ عقیدہ یا ایمان خود بخود آدمی سے عمل بلکہ عقائد کے مطابق عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ حق اور سچ میں یہ تاثیر ہے کہ جب وہ دل و دماغ میں اُترتا ہے تو فوراً عمل میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی زبان سے حق قبول کرنے یا ایمان لانے کا اقرار کرے تو اس کے قول کی صداقت کا پہلا امتحان (TEST) بھی یہی ہے کہ اس "حق" یا "ایمان" کے عملی مطالبے اور تقاضے پورے کرنے پر آمادہ بھی ہے یا نہیں؟ عقیدے کے ساتھ اگر عبادت نہیں تو عقیدے کا اقرار مشکوک ہے۔

۱-۳ اِسلامی عبادات کی اہمیّت

اسی لیے اسلام میں ایمان یا عقیدے کی درستی کے بعد سب سے پہلے عبادات پر زور دیا گیا ہے۔
عبادات "اللہ کے ساتھ براہ راست ربط اور تعلق" کی ایک عملی صُورت ہونے کے باعث، بذاتِ خود مقصد اور نصب العین بھی ہیں اور اسلام کے باقی احکام و قوانین پر عمل کے لیے آمادہ کرنے اور ان احکام کی رُوح کو سمجھنے کے لیے تربیت کا ایک "ذریعہ" بھی ہیں۔

قرنِ اوّل کے مُسلمانوں کو ان عقائد اور عبادات نے ہی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ اللہ پر ایمان اور اس کے ساتھ ربط (بذریعہ عبادت) نے تمام مشکلات کو ان کی نظر میں ہیچ کر دیا، بڑی سے بڑی قربانی دینا ان کے لیے آسان ہوگیا اور وہ ایمان اور عبادت کی رُوح سے آشنا ہو گئے۔ ان کی زندگیاں، ان کے عقائد اور عبادات کے نتائج کی منہ بولتی تصویریں تھیں۔ وہ نہ دُنیا سے لاتعلق تھے، نہ آخرت سے غافل۔ وہ عبادات کے احکام، ان کی ظاہری شکل وصُورت، ان کی کیفیت اور ہیئت سے بھی واقف تھے اور عبادات کے معنی، مقصد اور اس کی رُوح اور حقیقت سے بھی۔

یاد رکھئے! عبادات کا ظاہر بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ان کا باطن اہم ہے۔

Marfat.com

۴-۱ عبادات اور عبادت کا مفہوم

آیئے اب ہم اسلام کی بنیادی عبادات پر قرآن وسنت کی روشنی میں نظر ڈالیں۔ وہ عبادات یہ ہیں (i) نماز (ii) زکوۃ (iii) روزہ (iv) حج

اور ہاں یاد رکھئے ہم نے انہیں "بنیادی عبادات" اس لیے کہا ہے کہ یوں تو اسلام کے ہر حکم کی تعمیل عبادت ہے، چاہے اس کا تعلق اللہ سے ہو یا اس کے بندوں سے۔ بلکہ مکمل اسلامی زندگی بسر کرنے والے آدمی کا ہر کام حتیٰ کہ خرید و فروخت، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لکھنا پڑھنا سب ہی عبادت ہوتا ہے، مگر "مکمل اسلامی زندگی" کی بنیاد بلکہ عملی بنیاد تو یہ عبادات ہی ہیں جب تک عمارت کی بنیاد ہی نہ رکھی جائے، اُوپر کون سے محل تعمیر ہوں گے؟ تمام "اسلامی مذاہب" کے نزدیک ان چار عبادات میں کسی ایک کا انکار صریح کفر ہے اور ترک (چھوڑ دینا، عمل نہ کرنا) بھی کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ اور جرم ہے۔ اس میں کسی کا ادنیٰ اختلاف بھی نہیں۔

Marfat.com

۲۔ نماز

دین اسلام کا اوّلین ستون اور سب سے اہم عبادت "نماز" ہے۔

۲-۱ نماز کے معنی

نماز کے لیے اصل عربی لفظ جو قرآن وحدیث میں استعمال ہوا ہے، صَلٰوۃ (پڑھنے میں صلاۃ) ہے۔ "نماز" قدیم فارسی زبان کا لفظ ہے اور غالباً اسلام سے پہلے وہاں کے مذہب میں یہ لفظ جسمانی عبادت کی کسی صورت پر بولا جاتا تھا مگر کثرتِ استعمال سے اب یہ لفظ (نماز) صلوٰۃ کے بالکل ہم معنی اور مترادف ہوگیا ہے۔ (آپ کو یاد ہوگا یہی بات اس سے پہلے کلمات "خدا"، "پیغمبر"، "دوزخ" "بہشت"، "فرشتہ" اور "بندگی" کے بارے میں بتا چکے ہیں) لہٰذا لفظ نماز کا استعمال بالکل درست اور بجا ہے۔ عربی کے لفظ صلوٰۃ کے لفظی معنی تو کئی ہیں (اور دُنیا کی تمام زبانوں میں متعدد معنوں والے اسم اور فعل عام ہیں) مگر جو معنی صلوٰۃ کے اصطلاحی معنوں سے قریب ہیں وہ ہیں "دعا، رحمت، استغفار اور حسنِ ثنا"۔

اِصطلاح میں نماز "اللہ کی عبادت کا مقررہ اِسلامی طریقہ ہے"۔

۲-۲ نماز کی اہمیت

نماز یا صلوٰۃ ایک بدنی عبادت کی حیثیت سے تمام مذاہب کا جزو رہی ہے۔ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ توحید خالص، نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے برحق دین والوں کا شعار رہا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت موسیٰ، حضرت زکریا اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کے نمازی ہونے کا ذکر قرآنِ کریم میں آیا ہے۔ پہلی اُمتوں کے نیک لوگوں کی خوبیوں میں ان کے پابندِ نماز ہونے کا ذکر بھی قرآن کریم میں ایک سے زیادہ جگہ پر آیا ہے۔

قرآنِ کریم میں پہلی اُمتوں کے بُرے آدمیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی ایک خاص خرابی "نماز ترک کرنا اور اس سے غفلت کرنا" بتائی گئی ہے۔

Marfat.com

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غارِ حرا میں پہلی وحی کے لیے جب جبرائیل امین آئے تو اس وقت آپ کو سب سے پہلے اللہ کی عبادت کا یہ طریقہ، جسے ہم نماز کہتے ہیں، سکھایا گیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے تیرہ برس میں مسلمانوں پر صرف یہی ایک عبادت "نماز" فرض تھی۔ باقی عبادات بہت بعد میں یعنی مدنی دور میں فرض ہوئیں۔

۲-۳ اسلام میں نماز کی تاریخ

شروع میں صبح و شام کی صرف دو نمازیں اور وہ بھی صرف دو دو رکعت کی فرض تھیں۔ مکی زندگی کے آخری برسوں میں واقعہ معراج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نماز کے اوقات دو کی بجائے پانچ کر دیئے گئے۔ حدیث شریف میں ہے "اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ" نماز مومنوں کے لیے معراج ہے۔

مدینہ پہنچ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی اور باقاعدہ نماز باجماعت کا اہتمام فرمایا۔ اس کے لیے اذان کا طریقہ جاری فرمایا۔ ساتھ ہی فجر کے سوا باقی تمام نمازوں کی رکعتوں کی تعداد دو سے بڑھا کر چار کر دی گئی۔ البتہ مغرب کی تین رکعت مقرر کی گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر یا حضر، بیماری یا صحت، امن یا جنگ کسی حالت میں بھی آخر وقت تک نماز باجماعت کو نہیں چھوڑا۔ خاص مجبوریوں میں نماز کے ادا کرنے میں احکام نرم کر دیئے گئے[1] مگر اصل نماز کو کسی حالت میں ترک نہیں کیا گیا حتیٰ کہ کسی انتہائی مجبوری میں نماز چھوٹ جانے پر کسی دوسرے وقت میں اس کو "قضا" کے طور پر بھی پڑھنے کا حکم دیا۔ نماز ہی ایسی عبادت ہے جو مسلمانوں کو ہوش و حواس کے ہوتے ہوئے کسی صورت میں معاف نہیں ہے۔ صرف خواتین کو ان کے خاص دنوں میں نماز پڑھنا منع ہے (اور اس کی قضا بھی نہیں ہے) تاہم ان کے لیے یہ مستحب (بہتر) ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی نماز کے اوقات میں باقاعدہ وضو کر کے کسی صاف پاک جگہ پر کم از کم نماز پڑھنے کے وقت کے برابر دیر تک ویسے کوئی ذکر یا تسبیح پڑھتی رہیں اور یہ اس لیے کہ ان کی وضو اور نماز کی عادت ٹوٹنے نہ پائے، ورنہ بالکل ہی چھوٹ جانے کا خطرہ ہے۔

۲-۴ نماز کی اصطلاحات

ہم نے اوپر دو لفظ "فرض" اور "مستحب" استعمال کئے ہیں۔ اس سے ایک اور ضروری بات کی طرف بھی توجہ کریں۔ آپ نماز کے ضمن میں "رکعت"، "رکوع"، "سجود"، "تشہد"، "تکبیر" وغیرہ اصطلاحات سے ضرور واقف ہوں گے۔ یہ اصطلاحات تو

---

[1] مثلاً طہارت (وضو کی جگہ تیمم) قصر، خوف وغیرہ کے احکام۔

Marfat.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی استعمال ہونے لگی تھیں۔ مگر "فرض"، "سنت (مؤکدہ یا غیر مؤکدہ)" "واجب"، "مستحب" یا "نفل" وغیرہ کی اصطلاحات آپ کے بعد رائج ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل نماز تو صرف وہ رکعات ہیں جنہیں ہم اب "فرض" کہتے ہیں۔ حضور کے زمانے میں اسے صَلٰوۃٌ مَّکْتُوْبَۃٌ یعنی "فرض کی گئی نماز" کہتے تھے اور یہی وہ نماز تھی جو حضورؐ نے مدنی دور میں ہمیشہ با جماعت ادا فرمائی۔ ابتدا میں ہم نے نماز کی رکعتیں دو دو اور بعد میں چار چار ہونے کا ذکر کیا تھا۔ اس سے بھی مُراد اسی "فرض نماز" یا صَلٰوۃٌ مَّکْتُوْبَۃٌ کی رکعتیں تھیں۔

مدنی زندگی کے دس سال میں صحابہ کرامؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح نماز پڑھتے دیکھا، اسی طرح خود پڑھی اور پھر آگے اسی طرح پڑھنا سکھائی۔ صحابہ کرامؓ نے دیکھا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی جماعت کرانے تشریف لاتے تو مختلف اوقات کی نمازوں میں اصل فرض رکعتوں (کی جماعت) سے پہلے یا بعد میں بھی کچھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ ان زائد از فرض رکعات میں سے بعض کا تو آپؐ نے ایسا التزام فرمایا کہ کسی حالت میں اور کبھی ان کو نہیں چھوڑا[۱] مثلاً فجر کی دو سُنتیں۔ بعض رکعات کو آپ نے کبھی پڑھا اور کبھی نہیں بھی پڑھا، مثلاً عصر یا عشاء کی پہلی سنتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو سامنے رکھتے ہوئے بعد میں ائمہ فقہا نے نماز کی رکعتوں کی بلحاظ اہمیت درجہ بندی کر دی تاکہ عام مسلمانوں کو زیادہ ضروری یا کم ضروری یا غیر ضروری کا فرق معلوم ہو تو کم از کم زیادہ ضروری کی پابندی تو ہر حالت میں کریں گے۔

۵-۲ نظامِ نماز ـ سُنّتِ متواترہ

نماز کا مفصل نظام، حدِ اوقات، وضو، اذان، تکبیر، جماعت، رکعات، قیام، رکوع، سجود، تشہد، سلام۔ "نماز پنجگانہ" کے علاوہ زائد (نفلی) نمازوں، تہجد، اشراق وغیرہ کے اوقات، جمعہ، عیدین اور جنازہ وغیرہ خاص خاص نمازوں کی ساری تفصیل خود رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عملی تواتر (یعنی ساری اُمت کا ایک دُوسرے کو کرتے دیکھ کر سیکھتے سکھاتے چلے جانا) کے ساتھ ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ" (جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو اسی طرح پڑھا کرو)

جب عرب سے مختلف قبائل کے وفد اور لوگ اسلام قبول کرنے مدینہ آتے (آخری دورِ نبویؐ میں) تو اکثر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دو دن پاس ٹھہرا لیتے۔ ایک دن پانچوں نمازیں اوّل وقت میں پڑھا دیتے۔ دُوسرے دن ہر نماز اپنے آخری وقت میں پڑھاتے پھر رخصت کرتے وقت فرماتے: "تم نے ہر نماز کا اوّل اور آخر وقت معلوم کر لیا۔ جاؤ اب ان ہی اوقات کے اندر نماز پڑھا کرو۔"

نماز کے پڑھنے کے طریقے میں ہمارے اندر جو اختلافات ہیں، یہ بھی سب حضورؐ سے ہی ثابت ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] اصطلاح میں ان "فرض" رکعات کے علاوہ رکعات کو "رواتب" بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

کی نماز ہماری طرح رٹی رٹائی نہیں تھی ۔ آپ نماز میں جتنی دُعائیں پڑھتے تھے، وہ سب جمع کی جائیں تو ایک مستقل کتاب بن جائے اسی طرح نماز کے ادا کرنے کی بعض کیفیات کے بھی آپ سے ہی ایک سے زائد طریقے ثابت ہیں۔ جس امام کو جو بات کسی (اس کے نزدیک زیادہ) معتبر طریقے سے پہنچی اس نے اس کے مطابق عمل اختیار کر لیا۔ لہٰذا نماز کے طریقے جو سنت سے ثابت ہوں، سب درست ہیں۔ اس میں کسی سے اُلجھنا نادانی اور جہالت ہے۔ ہاں اگر کہیں نماز میں یا اس سے پہلے یا بعد کوئی ایسی چیز بطور ثواب لازمی سمجھی جانے لگی ہو جو سنت سے ثابت نہ ہو سکے اور جس کا وجود عہدِ نبوی میں نہ تھا، تو یہ چیز یقیناً غلط ہوگی۔ آپ کو جب کبھی اس قسم کے اختلافات وغیرہ میں کوئی اُلجھن پیش آئے تو کسی ایسے عالمِ دین سے جس کے علم اور دیانت پر آپ کو بھروسہ ہو، اس سے صرف یہ پُوچھ لیجئے کہ یہ کام سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مُبارک زمانے میں (جسے خیر القرون، بہترین زمانہ کہا گیا ہے) بھی اسی طرح ہوتا تھا۔ اگر نہیں تھا تو پھر یہ کام ہرگز کوئی نیکی نہیں کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ تو بعض نیکیوں سے محروم رہ گئے، جو اب ہمیں نصیب ہو رہی ہیں۔

ہمارے دین میں اجتماعی عبادات (نماز میں جماعت، جمعہ، عیدین وغیرہ) کا جو طریقہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ہماری عبادات تحریف سے محفوظ رہی ہیں۔ جو کام سب مُسلمان مل کر کرتے اور ہوتا دیکھتے رہتے ہیں اس میں کوئی نئی بات داخل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری نماز کے اندر کوئی ایسی نئی بات جو سُنت سے ثابت نہ ہو، راہ نہیں پا سکی۔ مثلاً نماز میں سجدے ہر رکعت میں دو ہی ہیں۔ سجدہ سب سے بڑی عبادت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب کے قریب تر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود سجدے دو کی بجائے تین یا چار کرنے کو کوئی بھی جائز نہیں کہے گا اس لیے کہ حضورؐ کے عمل اور سُنت سے صرف دو سجدے ہر رکعت میں ثابت ہیں۔

۶-۲ نماز کی رُوح اور خشوع

نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے ان عبارات کے اسرار و نکات اور ان کے معانی و مقاصد پر بات کرنا یہاں ناممکن ہے تاہم آپ ایک اچھے مُسلمان کی حیثیت سے اور پڑھے لکھے مُسلمان کی حیثیت سے اس موضوع پر کوئی کتاب کبھی ضرور مطالعہ کیجیے گا۔

نماز میں توجہ الی اللہ اور خشوع اور خضوع اور یکسوئی وغیرہ نہایت ضروری امور ہیں، بلکہ نماز کی اصل رُوح اور غرض و غایت ہیں۔ یہ باتیں کیسے حاصل ہوں؟ اس کا کم از کم طریقہ تو یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت اپنے منہ سے نکلنے والے ایک ایک لفظ پر آپ خیال رکھیں کہ اب میں فلاں لفظ بول رہا ہوں، اس سے توجہ اِدھر اُدھر نہیں جائے گی، لفظوں کی طرف ہی رہے گی۔

دوسرا اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ پوری نماز کا ترجمہ یاد کر لیں۔ یہ کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں ہے نماز پڑھتے وقت ان الفاظ کے

Marfat.com

ذہن میں رکھیں تو بھی آپ اللہ سے ربط کی ایک لذت محسوس کریں گے۔

اور تیسرا اور سب سے اچھا طریقہ یہ ہے جو خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمایا ہوا ہے اور وہ یہ تصور ہے کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ اللہ کی عبادت یوں کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو یہ ذہن میں رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ ہمیشہ نماز با جماعت پڑھنے سے بھی بہت سی انفرادی خامیوں کی اصلاح خود بخود ہوتی رہتی ہے۔

۷-۲ نماز کا فلسفہ

بعض اوقات سوال کیا جاتا ہے کہ نماز کے فوائد کیا ہیں؟ نماز کے کچھ فوائد یا برکات قرآن و سنت میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ یہ آیت آپ نے پڑھی یا سُنی ہوگی " اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ نماز بے حیائیوں اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ اہل علم مسلمانوں نے نماز کے مقاصد و معانی، اس کے منافع و برکات اور نماز کے پُورے نظام کے " فلسفے " پر بہت کچھ لکھا ہے۔ موقع دے تو ایسی کتابیں بھی ضرور پڑھیے گا۔ نماز (اور باقی سب عبادات بھی) بُنیادی طور پر اللہ سے براہِ راست ربط کا ذریعہ ہیں۔ دن میں پانچ بار لازماً اور اللہ توفیق دے تو رات کی تنہائیوں میں جب سب لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوں۔ اس وقت تہجد میں اس ربط اور دلی تعلق کو اور مضبوط بنائیے۔ جب تک نماز کے بعد مسرت اور اطمینان کی کیفیت محسوس نہ کرنے لگیں، یہ مشق اور کوشش جاری رکھیں۔ اگر رب سے رابطہ بڑھا تو یہ خود بخود باقی تمام اعمال و اقوال پر چھا جائے گا اور نماز کی ساری برکات خود بخود حاصل ہوتی چلی جائیں گی۔ اگر اس ربط کے قائم کرنے میں ہی ناکام رہے یا اس پر توجہ نہ دی تو باقی فلسفے اور حکمتیں " بگھارنا " ذہنی عیاشی اور علمی بازی گری ہے۔

۸-۲ بے نمازیوں کا فلسفہ

منافع حاصل ہوں یا نہ ہوں، حکمتیں سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں، خود نمازیوں میں کوئی اثر نظر آئے یا نہ آئے، نماز کو بے فائدہ چیز مت کہیں۔ نماز وہ چیز ہے جس کا اہتمام رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فرماتے اور اپنے صحابہؓ کو بھی اس اہتمام کا حکم دیتے تھے۔ آپ نے نماز کو " دین کا ستون " قرار دیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہمارے اور ان (غیر مسلموں) کے درمیان بنیادی فرق یا خطِ امتیاز نماز ہے۔ آپ کبھی ان لوگوں کی بات پر کان نہ دھریں جو اکثر کہتے ہیں کہ جو نماز لوگوں کا مال کھانے سے اور دوسروں پر ظلم کرنے سے نہیں روکتی، ایسی نمازوں کا کیا فائدہ؟

یاد رکھیے اگر کوئی نمازی ایسے کام کرتا ہے تو یہ سمجھیے کہ وہ ٹھیک طریقے پر اپنے رب کے سامنے پیش ہی نہیں ہوا، وہ نماز کو

Marfat.com

اللہ سے رابطہ کا ذریعہ سمجھا ہی نہیں، اس میں نماز پر کیا الزام؟ رہ گئے ایسی باتیں کرکے نماز کی اہمیت گھٹانے والے لوگ، تو آپ دیکھیں گے کہ اکثر ایسے لوگ خود بے نماز ہوتے ہیں اور اپنی اس حرکت اور غفلت کا جواز تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

۹-۲ خود آزمائی نمبر ۱

۱۔ عبادت کے لفظی اور اصطلاحی معنی لکھیے (۱-۱)

۲۔ ایمان اور عبادت کیوں لازم و ملزوم ہیں (۳-۱)

۳۔ اسلام کی بنیادی عبادات کیا ہیں؟ ان کو بنیادی کہنے کی وجہ بھی لکھیے (۴-۱)

۴۔ مندرجہ ذیل کے اصل عربی، قرآنی الفاظ کیا ہیں۔ خدا، پیغمبر، فرشتہ، نماز، روزہ، دوزخ بہشت، بندگی وغیرہ۔

۵۔ پانچ نمازیں کب فرض ہوئی تھیں؟ (۱-۲)

عملی کام کیا آپ نماز سے متعلق مندرجہ ذیل اصطلاحات کا مطلب جانتے ہیں؟ اگر نہیں تو اپنے ٹیوٹر سے دریافت کیجیے۔

وضو، تیمم، قصر، رکعت، رکوع، سجود، تشہد، تکبیر، فرض، سُنّت اور مستحب۔

۶۔ نماز کی کون سی اصطلاحات حضورؐ کے زمانے میں رائج تھیں اور کون سی بعد میں رائج ہوئیں؟ (۲-۲)

۷۔ فرض رکعات سے کیا مُراد ہے؟ دن رات کی پانچ نمازوں میں کل کتنی رکعات فرض ہیں؟ (۴-۲)

۸۔ نظامِ صلوٰۃ کی ساری تفصیلات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ اِس سے کیا مُراد ہے؟ (۵-۲)

۹۔ حضورؐ نماز کے اوقات اور نماز کا طریقہ سکھانے کے لیے عموماً صحابہؓ سے کیا فرمایا کرتے تھے؟

۱۰۔ مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کے طریقے میں کیا اصول ملحوظ رکھنا چاہیئے؟

Marfat.com

۳۔ زکوٰۃ

۳-۱ زکوٰۃ کے معنی

زکوٰۃ (پڑھنے میں زکاۃ) عربی زبان کے جس فعل سے نکلا ہے اس کے لفظی معنی ہیں (۱) پھلنا پھولنا، بڑھنا، زیادہ ہونا (۲) اور پاک صاف ہونا۔ زکوٰۃ کسی چیز کے نہایت عمدہ اور بہترین حصے کو بھی کہتے ہیں۔ اپنے اصطلاحی معنوں میں لفظ زکوٰۃ اپنے دونوں لفظی معنوں سے تعلق رکھتا ہے۔ زکوٰۃ سے مال پاک اور صاف ہو جاتا ہے (جو کمایا ہی حرام طریقے پر ہو یہ اس کی بات نہیں ہے) اور اپنی برکتوں (محض روحانی نہیں بلکہ اقتصادی بھی اور معاشی بھی) کے لحاظ سے یہ مال کی زیادتی کا باعث بھی بنتی ہے۔

اِصطلاح میں "زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے جس میں شریعت نے مال کی مقدار، زکوٰۃ کی شرح اور اس کے مصارف کا تعین کر دیا ہے۔ یعنی اپنے مال میں سے مقررہ قوانین کے مطابق ایک حصہ لازماً نکالنا۔" زکوٰۃ کے لئے قرآن کریم میں دوسرا لفظ صَدَقَۃٌ (جس کی جمع صدقات ہے) استعمال ہوا ہے۔ صدقے کا لفظی تعلق صِدق (سچ) سے ہے اور صدقہ اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کو ثواب اور نیکی کا کام سمجھ کر دیا جائے۔ تحفہ یا انعام یا بخشش وغیرہ کے طور پر نہیں۔ اسے صدقہ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس سے گویا انسان اپنے مالک (اللہ تعالیٰ) کے سامنے اپنی عبودیت اور اقرارِ بندگی کو سچا ثابت کرتا ہے۔ اسی لیے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کا مفہوم صرف "مال دینے" کی بجائے زیادہ وسیع کر دیا۔ ایک طویل حدیث میں آنحضورؐ نے "انصاف کرنا، کسی کا ہاتھ بٹا دینا، سامان اٹھانے یا سوار ہونے میں مدد کر دینا، اچھی بات کرنا، نماز کی طرف چلنا، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا، کسی بے کس محتاج کی امداد کرنا، بھلائی کا حکم دینا، سب کو صدقہ کہا حتیٰ کہ فرمایا" اور کچھ بھی نہیں کر سکتے تو لوگوں کے ساتھ برائی کرنے سے باز رہنا بھی صدقہ ہے۔"

اصطلاح میں اب صدقات کا لفظ عام ہے۔ یہ واجب اور غیر واجب (نفلی) صدقات سب پر بولا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کا لفظ معین اور فرض صدقے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ زکوٰۃ کی جگہ کسی غیر عربی لفظ نے نہیں لی بلکہ فارسی، اردو پنجابی، ترکی وغیرہ میں قرآن کریم کا اصل لفظ زکوٰۃ ہی اس مقصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

۲-۳ زکوٰۃ کی اہمیت

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل اُمور سامنے رکھیے :

قرآن کریم میں آٹھ جگہ زکوٰۃ ادا کرنے اور نماز کو قائم کرنے کا حکم ساتھ ساتھ ملا کر دیا گیا ہے۔ نماز کی اہمیت پر پہلے بات ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ انفاق (مال خرچ کرنا) اور صدقے کے الفاظ سے بھی زکوٰۃ کا حکم متعدد جگہ آیا ہے۔

نماز کی طرح زکوٰۃ کو بھی پہلے انبیاء نے دین کا ضروری حصہ قرار دیا۔ حضرت اسماعیل اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کے "پابندِ زکوٰۃ" ہونے کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے۔

پہلی اُمتوں کے نیک لوگوں اور اس اُمت کے عنداللہ بلند مرتبہ پانے والوں کی ایک خاص صفت "زکوٰۃ ادا کرنا اور اپنے مال میں مستحق کا حق ماننا" بیان ہوئی ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی طرح زکوٰۃ کا بھی ایک معیّن نظام قائم فرمایا اور اس نظام کو چلانا حکومت کا فریضہ قرار دیا۔ بڑی تفصیل کے ساتھ اس کے احکام جاری فرمائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منکرین زکوٰۃ کو بھی مرتدین کی طرح اسلام کے باغی قرار دے کر ان سے جہاد کیا۔

۳-۳ زکوٰۃ کے احکام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کی جو تفصیلات ثابت ہیں ان کا بیان خاصا طویل ہے۔ چند اہم اور اصولی اُمور مختصراً لکھے جاتے ہیں۔ آپؐ نے اَموال کی نشاندہی فرما دی، جن پر زکوٰۃ واجب ہو گی اُس میں (i) زرعی پیداوار[1] (ii) معدنیات یا کوئی دفینہ (iii) سونا، چاندی، نقدی اور مال تجارت (iv) مویشی (اونٹ، بھیڑ، بکری اور گائے) شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک چیز کی (ماسوائے دفینہ یا معدنی دولت کے) وہ کم از کم مقدار مقرر فرمائی جس پر زکوٰۃ لی جائے گی۔ اس مقدار کو اصطلاح میں "نصاب" کہتے ہیں۔ جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب تھی، آپؐ نے اس کی شرح زکوٰۃ بھی مقرر فرما دی، جس کی چار قسمیں کی جا سکتی ہیں یعنی $\frac{1}{5}$، $\frac{1}{10}$، $\frac{1}{20}$ اور $\frac{1}{40}$ یا علی الترتیب ۲۰ فیصد، ۱۰ فیصد، ۵ فیصد اور ۲.۵ فیصد مصارف زکوٰۃ خود قرآن کریم نے بیان کر دیے تھے۔ آپؐ نے اہل بیت پر زکوٰۃ لینا حرام قرار دیا۔

یہ ہیں وہ بنیادی باتیں جن سے مختلف اسلامی مذاہب کے ائمہ نے زکوٰۃ کے مختلف مسائل نکالے ہیں۔ آپ جسے درست سمجھتے ہیں، اس کے قول پر عمل کیجئے۔

---

[1] زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے لیے ہم عشر (دسواں حصہ) کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اِسلئے ہمارے ہاں زکوٰۃ اور عشر دو الگ الگ نام رائج ہو گئے ہیں لیکن درحقیقت عشر بھی زکوٰۃ ہی ہے۔

Marfat.com

۴-۳- زکوٰۃ کے مقاصد

زکوٰۃ کا نظام بنیادی طور پر اس اصول پر قائم ہوا ہے کہ دراصل ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس نے بندوں کو حق ملکیت انسان کی تکریم اور اس پر اعتماد کے لیے دیا ہے۔ ملکیت کی لذت بھی انسان کے اندر فطری طور پر رکھی گئی ہے اور اس کرۂ ارض پر انسان کی ترقی میں اس فطری جبلت کا بڑا ہاتھ ہے۔ البتہ اس کے غلط استعمال سے روکنے کے لیے اسلام نے ملکیت کو امانت بلکہ خُدا کی امانت قرار دیا ہے اور اسی لیے انفاق کے احکام دے کر بندوں کی تربیت اور آزمائش کا بندوبست یکجا کر دیا ہے۔

اگر نماز براہ راست اللہ کے ساتھ رابطے کی صُورت ہے تو زکوٰۃ براہ راست خُدا کے (غریب و مستحق) بندوں کے ساتھ رابطے کو لازمی قرار دیتی ہے۔ اسلامی حکومت بھی اموالِ ظاہرہ (جسے بآسانی دیکھا جا سکتا ہو) کی زکوٰۃ وصول کرتی ہے۔ اموالِ باطنہ (وہ مال جس کا مالک کو علم ہے دوسرے معلوم ہی نہیں کر سکتے مثلاً زیورات وغیرہ) کی زکوٰۃ خود مستحقوں تک پہنچانا فرض ہے۔ زکوٰۃ ایسی عبادت ہے جس کا اصل مقصد مخلوق کو نفع پہنچانا ہے۔ یہ کام بندوں سے براہِ راست رابطے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اگر زکوٰۃ اور دُوسرے صدقات اسی اصول اور جذبے سے ادا کئے جائیں تو معاشرے میں گداگر کوئی نہ رہے، بلکہ نظامِ زکوٰۃ کا مقصد ہی گداگری کو روکنا ہے۔ جب ہر زکوٰۃ دینے والا خود اللہ کے ان بندوں سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش میں لگا ہوگا، جب سوال کرنے والے مستحقین کو خود تلاش کیا جائے گا، تو گداگری اور خصوصاً پیشہ ورانہ گداگری کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے زکوٰۃ اور صدقات کو اُلٹا گداگری کے فروغ کا سبب بنا دیا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ ہم نے پیشہ ور شخصوں یا اداروں یا انجمنوں یا جماعتوں کو زکوٰۃ دینے میں سہولت سمجھی اور مستحق کی تلاش ایک مشکل کام نظر آیا یا پھر غریب، عزتِ نفس رکھنے والے محتاج سے براہ راست رابطے کو شاید اپنی وجاہت اور وقار کے خلاف سمجھا۔

عام لوگ زکوٰۃ کو ایک ٹیکس کہہ دیتے ہیں۔ یاد رکھئے زکوٰۃ ٹیکس نہیں، عبادت ہے۔ سرکاری ٹیکس تو ایک طرح کا جُرمانہ سمجھ کر بامجبوری ادا کیا جاتا ہے، زکوٰۃ میں تو اُلٹا یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بارگاہ الٰہی میں قبول ہی نہ ہو۔ زکوٰۃ اور حکومت کے ٹیکسوں میں بنیادی فرق ایسا ہے کہ یہ ایک دُوسرے کی بالکل ضد ہیں۔ زکوٰۃ امیروں سے لے کر غریبوں کو دی جاتی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِهِمْ وَتُرَدُّ اِلٰی فُقَرَائِهِمْ۔ "ان (مُسلمانوں) کے امیروں سے لی جاتی ہے اور اُن کے فقراء (غریبوں) کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔" اس کے برعکس دُنیا بھر کی حکومتوں کے ٹیکس عموماً غریبوں سے لیے اور امیروں پر خرچ کیے جاتے ہیں۔ براہِ راست یا بالواسطہ ٹیکس کا بوجھ غریب پر پڑتا ہے، مگر براہِ راست یا بالواسطہ اس کا زیادہ حصہ حکومت کے بڑوں کے کام آتا ہے۔

زکوٰۃ اور ربا (سُود) ایک دُوسرے کے یکسر مخالف نظام بلکہ دو باہم متضاد ذہنیتوں کا مظہر ہیں۔ سُودی نظام عصرِ حاضر کی سب سے بڑی لعنت ہے۔ اسلام نے اسی لیے سُود کو قطعاً حرام اور زکوٰۃ کو واجب قرار دیا۔ ربا (سُود) سے محنت (LABOUR) اور خطرے (RISK.)

Marfat.com

کے بغیر زیادہ سے زیادہ دولت اپنی تجوریوں میں بھرنے کا جنوں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس زکوٰۃ خطرات اور مشکلات کا مقابلہ کر کے سخت محنت سے کمائے ہوئے پیسے میں بھی دُوسروں کو حصّہ دار بنانے کا ایک نظام ہے۔ ایک صرف "لینے" میں ہی مسرت حاصل کرتا ہے دُوسرا "دینے" کی لذت سے آشنا ہوتا ہے۔

آج کل معیشت اور اقتصاد کی اصطلاحوں میں بات کرنا وقت کی ضرورت بن گیا ہے۔ نظامِ معیشت کے لیے گردشِ زر (CIRCULATION OF WEALTH) کو اب آبِ حیات سمجھا جانے لگا ہے۔ اسلام نے اپنے بہت سے احکام کے ذریعے سے اس گردشِ زر کا انتظام کیا ہے۔ زکوٰۃ ان میں سے ایک ہے۔

زکوٰۃ دولت کو منجمد رکھنے کی بجائے، سرمایہ کاری کی ترغیب دیتی ہے۔ جو مال ایک سال تک زائد از ضرورت پڑا رہے، اس پر زکوٰۃ لگتی ہے اور اگر وہ سال گزرنے سے پہلے کسی تجارت وغیرہ میں لگا دیا جائے تو نہ صرف اس پر زکوٰۃ ہوگی بلکہ اس کے منافع پر بھی پر ہوگی۔ اس طرح زکوٰۃ نہ صرف ہمارے رُوحانی تزکیہ کا سبب بنتی ہے کہ وہ ایک عبادت ہے، بلکہ ہماری مُعاشرت اور معیشت کے بہت سے روگوں کا علاج بھی بہم پہنچاتی ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ زکوٰۃ آدمی کے مال میں سے "کم از کم" لینے کے اُصُول پر فرض ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات اسلامی تعلیمات کا ایک نمایاں باب ہیں۔ سب سے بڑھ کر قرآنِ کریم نے یہ معیار دیا ہے کہ ضرورت سے زائد سب محتاجوں پر خرچ کر دو اور "ضرورت سے زائد" کا تعین کون کرے گا؟ عقیدہ توحید اور عقیدہ آخرت کے اصل اثرات ظاہر ہونے کا مقام یہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ اور ان میں سے بھی خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ نے اس کی عملی مثالیں قائم کر دیں کہ حکمران ہوتے ہُوئے بھی خود اپنی خوراک، لباس اور مکان وغیرہ کا معیارِ زندگی اس سے اُونچا نہیں ہونے دیا جو وہ اپنی رعیت کے افراد کو کم از کم دے سکتے تھے۔

ذخیرہ
محمد جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی
لاہور پاکستان

Marfat.com

۵-۳ خود آزمائی نمبر ۲

۱۔ زکوٰۃ کے لفظی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں ؟ (۱-۳)

۲۔ صدقہ سے کیا مُراد ہے ؟ زکوٰۃ اور صدقات میں کیا تعلق ہے اور کیا فرق ہے ؟ (۱-۳)

۳۔ زکوٰۃ کی اہمیت پر کم از کم چار سطر کا نوٹ لکھیے (۲-۳)

۴۔ زکوٰۃ اور عشر کا باہم کیا تعلق ہے ؟ (۳-۳)

۵۔ زکوٰۃ میں نصاب کسے کہتے ہیں ؟ (۳-۳)

۶۔ " ملکیت ایک امانت ہے" اس اصُول کا زکوٰۃ سے کیا تعلق ہے ؟ (۴-۳)

۷۔ اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ سے کیا مُراد ہے ؟ (۴-۳)

۸۔ زکوٰۃ اور ٹیکس میں کیا فرق ہے ؟ (۴-۳)

۹۔ زکوٰۃ اور سود کا باہم کیا تعلق ہے ؟ (۴-۳)

۱۰۔ " ضرورت سے زائد" محتاجوں کو دے دینا بڑا دل خوش کن نظریہ ہے۔ دُنیا میں کہیں اس پر عمل بھی ہوا ہے ؟ کوئی مثال دیجئے (۴-۳)

Marfat.com

۴- روزہ

۴-۱ روزے کے معنی

دین اسلام میں تیسری بُنیادی عبادت "روزہ" ہے۔ روزے کے لیے اصل عربی لفظ "صوم" ہے اور اس سے مصدر "صیام" ہے جس کے معنی ہوتے ہیں "روزہ رکھنا"۔ قرآن و حدیث میں یہ دونوں لفظ "صوم اور صیام" استعمال ہوئے ہیں۔ "روزہ" بھی ایک فارسی لفظ ہے اور بعض دُوسری اصطلاحات کی طرح یہ لفظ بھی اسی طرح "صوم" کے ہم معنی اور مترادف ہے۔

اسلامی اصطلاح کے طور پر روزے کا مطلب ہے فجر سے لے کر مغرب تک کھانے، پینے اور فعلِ جنسی سے مکمل اجتناب۔ اسلام میں صوم (روزہ) کی بہت سی اقسام ہیں، جن کی تفصیل "کتاب اور سُنّت" سے معلوم ہوتی ہے بعض روزے واجب (فرض) ہوتے ہیں مثلاً رمضان اور کفارہ یا نذر کے روزے۔ بعض دنوں میں روزہ رکھنا مستحب (بہتر) ہے اور بعض دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ جن روزوں کو اسلامی عبادات میں ایک "رکن" کی حیثیت حاصل ہے، اس سے مُراد ہیں "صیامِ رمضان" یعنی رمضان مبارک کے پُورے مہینے کے روزے رکھنا یہی وجہ ہے کہ بنیادی اسلامی عبادت اور اسلام کے ایک "رکن" کی حیثیت سے جب لفظ "روزہ" بصیغہ واحد بھی بولا جاتا ہے، تو اس سے "ماہ رمضان کے روزے" ہی مُراد ہوتے ہیں۔

۴-۲ روزے کی اہمیّت

روزے کی اہمیت اور فرضیت کو سمجھنے کے لیے حسبِ ذیل امور سامنے رکھیے:

قرآنِ کریم میں واضح الفاظ میں مُسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (روزے رکھنا تم پر فرض کر دیا گیا ہے) البقرہ: ۱۸۳

قرآن کریم نے روزوں کے لیے ماہِ رمضان کا تعین کر دیا ہے اور اس کی وجہ بھی بتا دی ہے کہ رمضان المبارک کا نزولِ قرآن سے تعلق اسے یہ اہمیت دیتا ہے۔

Marfat.com

قرآن کریم نے روزے کے تمام بنیادی ضروری احکام (مثلاً سفر یا بیماری اور اوقاتِ روزہ وغیرہ) بیان کر دیے ہیں۔

رمضان کے روزے پہلی دفعہ ۲ھ میں فرض ہوئے تھے۔ اس وقت سے لے کر آخر تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سال نہ صرف روزے رکھے اور رکھائے بلکہ نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزے کو بھی ایک اجتماعی نظام کی صُورت دی۔ اس کی سب سے نمایاں خصوصیت (i) سحور (سحری کھانے کے لیے اُٹھنا (ii) قیام اللیل (رات کو قرآن کریم سُننے کے لیے زائد رکعات نماز پڑھنا، جسے اب ہم تراویح کہتے ہیں) (iii) صدقۃ الفطر (رمضان کے اختتام پر ضرورت مندوں کو "روٹی" بہم پہنچانے کی مہم اور (iv) عید الفطر (کی محض تقریبات نہیں بلکہ نماز) کا اہتمام ہیں۔

رَمضان شریف قمری کیلنڈر کا نواں مہینہ ہے اور اس کے آغاز و اختتام کا دارومدار رُویتِ ہلال (چاند دکھائی دینے) پر ہے۔ آنحضورؐ نے نہ صرف اس رویت کے بارے میں بلکہ روزے کے دیگر ضروری احکام اور اس کے مقاصد کو بھی نہایت وضاحت سے سمجھایا۔ نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزے کی ان تفصیلات سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ روزہ پہلی اُمّتوں میں بھی ایک فرض عبادت کے طور پر رائج تھا اور آج بھی کسی نہ کسی صُورت میں موجود ہے لیکن اِسلامی روزے میں یوں تو اور بھی بہت سی زائد خُوبیاں ہیں مگر سال کا پُورا ایک مہینہ اور وہ بھی اجتماعی نظم کے ساتھ روزے رکھنے کی تو دُنیا بھر میں کہیں مثال نہیں ملتی۔

رمضان المبارک اپنے اس اجتماعی رنگ کی وجہ سے تمام عالمِ اسلام میں "نیکی کا میلہ" بن جاتا ہے۔ محلوں سے لے کر جھونپڑیوں تک اور شہروں سے لے کر دُور افتادہ گاؤں تک ہر جگہ رمضان المبارک اپنی ایک شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کے لیے ایک مناسب اور سازگار ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور نہیں تو آدمی عار کے خوف سے بھی روزہ رکھ لیتا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ چیز بھی اس کے اندر کسی تبدیلی کا باعث بن جائے۔

۳-۴ روزے کے مقاصد

کھانے پینے سے بچنا روزے کی ظاہری صُورت ہے، اگرچہ یہ بھی ضروری ہے مگر کتاب وسُنّت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ دار کو ہر طرح کی بُری باتوں سے بچنا ضروری ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صاف فرمایا کہ :۔ مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ "جس نے جھوٹی بات اور اس پر عمل کو ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے"۔ کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الظَّمَأُ۔ "کتنے ہی ایسے روزہ دار ہوتے ہیں جنہیں اُن کے روزوں سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا"۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ روزہ اور رمضان المبارک صرف سلبی (NEGATIVE) پہلو نہیں رکھتے کہ جس میں صرف "مت کرو"

Marfat.com

یا (DON'TS) ہی پر زور ہو۔ ان کا ایک ایجابی (POSITIVE) پہلو بھی ہے۔ یہاں بہت سی نیکیوں کے لیے "ضرور کرو" (DO'S) بھی موجود ہے۔ نماز، نوافل، تلاوتِ قرآن، خیرات اور صدقات، الغرض اس مہینے میں ہر طرح کی نیکی بکثرت کرنے اور ہر طرح کی بُرائی سے باز رہنے کے احکام دیے گئے ہیں۔

روزے کے عام فوائد مثلاً صحت پر اچھے اثرات، جفاکشی اور سخت کوشی کی تربیت، غریبوں کی بھوک کا احساس وغیرہ وغیرہ یہ سب باتیں اپنی جگہ درست اور بجا، مگر دُوسری عبادات کی طرح روزہ بھی اپنے رب سے براہ راست رابطے کی ایک صُورت ہے۔ روزے کی حالت میں آدمی کو ہر وقت یہ احساس ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے کہ اللہ اس کے قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ علیحدگی میں بھی، جہاں اُسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا، ہرگز کھانے پینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہی ہے اپنا احتساب خود کرنا جس کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَأَخَّرَ "جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے"۔

۴-۴ روزے کے متفرق احکام

مُسافر یا بیمار یا کوئی اور "عذرِ شرعی" رکھنے والے مرد یا عورت کو رمضان میں فوت ہو جانے والے روزوں کی قضا بعد میں دینا یعنی قضا روزے رکھنا اسی طرح واجب ہے جس طرح خود رمضان کے روزے رکھنا ضروری ہیں۔

رمضان کے روزے رکھ کر جانتے بوجھتے ہُوئے توڑنے سے ساٹھ دن کے روزے رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ بھُول اور نسیان سے کچھ کھا لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے احترام کی دیدہ دلیری سے خلاف ورزی کرنا سخت گناہ ہے۔

کفارہ اور نذر کے روزے بھی قضا روزوں کی طرح واجب ہوتے ہیں۔ ہر قمری مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ (ایامِ بیض) ۹ ذی الحج (حج کا دن) اور ہر سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھنا مستحب (یعنی اچھا اور بہتر) ہے۔ دونوں عیدوں کے دن، ایامِ تشریق ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ روزوں کی ان اَقسام کے اپنے کچھ اَحکام اور مسائل ہیں۔ یہاں ہمارا مقصد صرف آپ کو صِرف روزے کی اہمیت، اُس کے ضرُوری اَور مُتعلقہ اَحکام اور روزے کے مقاصد اور اغراض سے، آگاہ کرنا تھا۔

Marfat.com

۵-۴ خود آزمائی نمبر ۳

۱۔ صوم اور صیام میں کیا فرق ہے ؟ (۱-۴)

۲۔ روزہ بطور عبادت سے کون سے روزے مُراد ہوتے ہیں ؟ (۱-۴)

۳۔ روزے کی اہمیت پر کم از کم چار سطروں کا ایک نوٹ لکھیے (۲-۴)

۴۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے :

سحور، قیام اللیل، صدقۃ الفطر، رویت ہلال (۲-۴)

۵۔ اسلامی روزے میں کون سی خصوصیت ہے جو دُنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی ؟ (۲-۴)

۶۔ روزے کے اجتماعی نظام کے فوائد کیا ہیں ؟ (۲-۴)

۷۔ روزے کے اصل اغراض و مقاصد کیا ہیں ؟ (۳-۴)

۸۔ ممنوع روزے سے کیا مُراد ہے مثال دے کر سمجھائیے ۔ (۳-۴)

Marfat.com

۵- حج

۵-۱ حج کے معنی

ہماری چوتھی بنیادی عبادت حج ہے۔ حج کے لفظی معنی زیارت کا ارادہ کرنا، کسی کے پاس بار بار جانا ہیں۔ لفظ حِجّۃ کے معنی "برس" اور "سال" بھی ہیں۔ اس طرح حج کے لفظی معنی بنتے ہیں "سالانہ زیارت"۔ عربی میں اسی لیے حج کے دنوں کو "موسمِ حج" بلکہ بعض دفعہ صرف "موسم" بھی کہتے ہیں۔ حج کا یہ نام اس کے ہر سال آنے کی بنا پر رکھا گیا ہے۔

اسلامی اصطلاح کے طور پر حج کا مطلب ہے "ایامِ حج میں خانہ کعبہ کی زیارت کو جانا اور تمام مناسک حج پورے کرنا"۔ اسلامی بنیادی عبادات کے طور پر حج ہر صاحبِ استطاعت مُسلمان پر زندگی میں ایک دفعہ واجب ہے۔ مندرجہ بالا عبارت میں "ایامِ حج"، "خانہ کعبہ"، "مناسک"، "استطاعت" اور "ایک دفعہ" کے الفاظ غور طلب ہیں اور تشریح طلب بھی۔

"ایامِ حج" سے مُراد قمری تقویم کے آخری مہینے ذوالحجہ کی ۸ سے ۱۳ تاریخ تک کے دن ہیں۔ اصل حج کا دن تو ۹ ذوالحجہ ہے مگر حج کے تمام مناسک مذکورہ تاریخوں میں پُورے کیے جاتے ہیں۔ ایامِ حج کے علاوہ خانہ کعبہ کی زیارت کو "عُمرہ" کہتے ہیں۔

"کعبہ" مکہ مکرمہ کے اس "کمرہ نما" مرکزِ عبادت کو کہا جاتا ہے۔ جس کی بنیاد آج سے قریباً چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ اسے "کعبہ" تو اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی لمبائی، چوڑائی اور اُونچائی قریب قریب برابر ہے، یعنی "مکعب نما"۔ اس کا دُوسرا مشہور بلکہ اصل نام "بیت اللہ" (اللہ کا گھر) ہے۔ اسے قرآن کریم میں "البیت الحرام" (عزت والا گھر)، "البیتُ العتیق" (قدیم ترین گھر) اور بعض دفعہ صرف "البیت" (گھر) بھی کہا گیا ہے۔ فارسی کے لفظ "خانہ" کے معنی گھر یا مکان ہی ہیں۔ اسی سے خانہ کعبہ (ترکیب توصیفی) اور خانۂ خدا (ترکیب اضافی) ہمارے ہاں مستعمل ہیں۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ عربی میں بیت عموماً رہائشی جگہ، گھر کو نہیں بلکہ صرف مکان کو کہتے ہیں۔ رہائشی مکان یا جگہ کو عربی میں "دار" کہا جاتا ہے۔ اسی لیے کعبہ کو اللہ کی طرف نسبت دیتے ہوئے "دار اللہ" نہیں بلکہ بیت اللہ کہتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جگہ نہیں رہتا، وہ تو سب جگہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کا نام بیتُ اللہ اس لیے رکھا تھا کہ اس میں صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی جائے گی۔ ان معنوں میں ہی ہم مسجد کو بھی اللہ کا گھر کہتے ہیں۔ اِسی لیے

Marfat.com

مسجدوں کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے : وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا - "یقیناً مسجدیں صرف اللہ (کی عبادت) کے لیے ہیں۔ پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔" (الجن : ۱۸)

مناسکِ حج سے مُراد وہ تمام شرعی احکام، رسوم اور قواعد و ضوابط ہیں جن کی حج میں پابندی کی جاتی ہے۔ اس میں میقات، احرام، طواف، سعی، عرفہ، رمی، قربانی وغیرہ امور شامل ہیں۔

استطاعت کا مطلب ہے کہ آدمی ہر لحاظ سے سفرِ حج پر جانے اور واپس آنے کے قابل ہو۔ اس میں سفر کے مکمل اخراجات (بلکہ اس دوران اپنے گھر والوں کے اخراجات بھی) کے علاوہ صحت، راستے کا امن وغیرہ شامل ہیں۔ اگر مالی استطاعت ہو مگر دُوسری رکاوٹیں نہ جانے دیں تو ایسے آدمی کو وصیت کر جانا چاہیئے کہ اس کی موت کی صُورت میں کوئی دُوسرا آدمی (مرنے والے کے خرچ پر) اس کی طرف سے حج کرے۔ اس حج کو حجِ بدل کہتے ہیں۔ اِسلامی عبادات میں سے "بدل" کا حکم صرف حج کے لیے ہے۔

"ایک دفعہ" کا مطلب واضح ہے، حج مسلمانوں پر زندگی میں صرف ایک دفعہ واجب ہے۔ ایک سے زیادہ دفعہ حج کا موقع ملے تو یہ بڑی سعادت ہے، مگر حکومت کی طرف سے دُوسری دفعہ حج پر پابندی کو یہ جھوٹ بول کر توڑنا کہ "پہلی دفعہ حج پر جا رہا ہوں" سخت گناہ ہے۔ پہلے ہی قدم پر جھُوٹ بولا تو "حاجی صاحب" آگے کیا کچھ نہیں کر گزریں گے ؟

۵-۲ حج کی اہمیّت

اِسلام کی بُنیادی عبادت ہونے کے لحاظ سے حج کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے حسبِ ذیل امور سامنے رکھیے :-

قرآن کریم میں مُسلمانوں پر حج کے فرض ہونے کا ذکر کرنے کے ساتھ ہی استطاعت کے ہوتے ہُوئے حج نہ کرنے کو کفر کہا گیا ہے۔
وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا، وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ ○ "لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے (اس کے) گھر کا حج اور جو کفر و انکار کرے تو اللہ تعالیٰ سب جہانوں سے بے نیاز ہے۔" (آل عمران : ۹۷)

حج ہی ایک ایسی عبادت ہے جو ملّتِ ابراہیمی کا خاص شعار ہے اور یہی وُہ عبادت ہے جو پچھلے تین چار ہزار سال سے تاریخی تسلسل کے ساتھ چلی آ رہی ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو "حجِ کعبہ" کے لیے بُلائیں۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر حج کو بھی دُوسری بنیادی عبادات کی طرح ان چیزوں میں شمار کیا، جن پر اِسلام قائم ہے اور جن میں سے کسی ایک کا انکار یا ترک ایوانِ اِسلام کو گرا دینے کی کوشش سمجھا جائے گا۔

Marfat.com

۲-۵ حج کے مقاصد اور منافع

حج کے بہت سے مناسک حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی بیوی ہاجرؑ[1] اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعض اعمال کا اعادہ (دہرانا) ہے مثلاً طواف، سعی، رمی، قربانی وغیرہ۔ قرآن و سُنّت میں یہ بات واضح طور پر بیان ہُوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ اسلام کو اپنے عظیم جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کی قائم کردہ سُنّت کی بنیادوں پر دوبارہ زندہ کیا۔

حج کا ایک اہم مقصد اسی سنت ابراہیمی کی تجدید کا عہد کرنا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ آج کی دُنیا میں حضرت ابراہیمؑ ہی واحد شخصیّت ہیں، جن کی تعظیم اور احترام اس کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کی اکثریت کے دل میں ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے علاوہ مسیحی اور یہودی بھی اس میں شامل ہیں اور دُنیا کی غالب آبادی ان تین مذاہب کے ماننے والوں پر مشتمل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو اللہ کی وحدانیت (توحید) اور اس سے اخلاص تھا۔ حج اس کی دائمی یادگار اور زندہ دعوت ہے۔

اِنسان ایک جذباتی مخلوق ہے۔ انسانی فطرت میں سب سے قوی جذبہ "مُحبّت" ہے۔ اِنسان کسی کو دل دے کر اپنی ساری شخصیّت کو اس کے آگے جھکا دینے میں ایک فطری لذت محسوس کرتا ہے۔ اِنسانی محبت و عشق کی داستانوں میں اسی فطری جذبے کی حیرت انگیز جلوہ گری نظر آتی ہے۔ بڑے صاحب جبروت بادشاہوں نے اپنے کسی محبوب کے قدموں پر اپنا سر رکھنے میں ایک لذت محسوس کی۔ وہ نام نہاد مُحبّت جو انسان سے اغوا اور قتل جیسے جرائم کراتی ہے، وہ محبت نہیں ہوس اور شیطانی خواہشات ہوتی ہیں۔ اصل مُحبّت تو گھل گھل کر مرنے میں ایک لذّت پانے کا نام ہے۔ اسی لیے عشق مجازی (عشقِ بتاں) کو عشق حقیقی (عشقِ خُدا) کو پانے اور سمجھنے کی ابتدائی مثال قرار دیا جاتا ہے۔ حج اسی محبُوب حقیقی (اللہ جل جلالہٗ) کے حضُور میں حاضری کی ایک صُورت ہے۔ اہلِ دِل کے لیے سفرِ حج درِ محبُوب پر حاضری دینے کے ذوق کی تسکین اور لذتِ درد کا ایک سامان ہے۔ محبوب کی یاد کی لذّت ہر جگہ اور ہر وقت ممکن ہے مگر جو لطف محبوب سے نسبت رکھنے والے مکان کو دیکھنے میں ہے وہ صرف یاد میں کہاں؟ یہیں آ کر تصوّف اور شاعری کے تخیل کی حدیں آپس میں ملتی ہیں۔

بہت سی خرابیوں کے گھس آنے کے باوجود حج ہمیشہ اہل صدق و طلب اور وارفتگانِ ذات سبحانی کا بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ کعبے کی پوری تاریخ میں اس قسم کے انسانوں کا سب سے پہلا بڑا اجتماع حجۃ الوداع تھا، جس میں خود حبیبِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کو اپنے ساتھ لیے مناسک حج ادا فرما رہے تھے۔ بعد میں حاجیوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور اب تو لاکھوں تک پہنچتی ہے، مگر وہ عشق و مستی غائب ہوتی چلی گئی ہے اور ہوتی چلی جا رہی ہے۔

---

[1] لفظ ہاجر ہے جو ایک غیر عربی نام ہے۔ ہمارے ہاں ہاجرہ یا ہاجراں اس کی مستعمل صُورت ہے۔

Marfat.com

دُوسری عبادات کی طرح حج کے منافع اور مقاصد اور اس میں پوشیدہ حکمتوں کو جاننا اور سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ حج کی اہمیت کے مختلف پہلو جاننے کے لیے بھی اور اس لیے بھی کہ کس طرح آج مسلمانوں نے ان مقاصد کو نظر انداز کر رکھا ہے اور ان حکمتوں سے آنکھیں بند کر لی ہیں مثلاً (۱) احرام کا لباس کس طرح شاہ و گدا کی تمیز مٹا دیتا ہے (اگرچہ کعبہ کے متولی ہمیشہ اس تمیز کو کسی نہ کسی رنگ میں برقرار رکھتے رہے ہیں، آج بھی کعبہ کا دروازہ صرف بادشاہوں اور سربراہوں کے لیے کھولا جاتا ہے) (۲) دُنیا بھر کے مُسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہو کر اپنے علمی و سیاسی اور مُعاشرتی مسائل پر بحث کا موقع ملتا ہے۔ پُرانے زمانے میں لوگ حج پر جا کر طلبِ علم کے لیے مہینوں اور برسوں وہاں قیام بھی کرتے تھے۔ آج کل تو حج ایک مشینی عمل بن کر رہ گیا ہے۔ جانا، ایک رواں دواں پروگرام کے مطابق سب کاموں سے کم سے کم وقت میں فارغ ہونا اور واپس ہو جانا۔ بعض لوگ تو حج کو مسلمانوں کی ایک سالانہ کانفرنس ہی سمجھ لینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حالانکہ حج ایک عبادت ہے۔ یہ کانفرنسوں کی طرح "نشستند، گفتند و برخاستند" والا مُعاملہ نہ ہے نہ ہونا چاہیئے۔ حج کے تمام اصلی فوائد و مقاصد مثلاً مسلمانوں میں اتحاد و مساوات، باہمی خیر سگالی اور خیر خواہی، افہام و تفہیم وغیرہ اسی لیے حاصل نہیں ہو رہے کہ حج کو اللہ سے ربط کا ذریعہ نہیں سمجھا جاتا، جو تمام اسلامی عبادات کی اصل حکمت اور امتیازی شان ہے۔

یہ تھا اسلام کی بنیادی عبادات "نماز"، "زکوٰۃ"، "روزہ" اور "حج" کا مختصر بیان۔ اللہ کے ساتھ براہ راست ربط کی صُورت ہونے کے باعث یہ عبادات بذاتِ خود ایک "مقصد" ہیں۔ ان کی ظاہری صُورت پر عمل کرنا اور ان کی پابندی کرنا بھی برکات سے خالی نہیں اور اسی لیے یہ ظاہری پابندی بھی واجب ہے اور یہ وجوب قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اسلام کے بہت سے مقاصد ان عبادات کی ظاہری بجا آوری سے بھی پُورے ہو جاتے ہیں۔ عبادات کی ظاہری اہمیت کو گھٹانا اور اس کے فلسفہ و حکمت اور اس کے ذریعہ تربیتِ اسلامی ہونے پر ہی زور دینا گاڑی کو گھوڑے کے آگے جوتنے والی بات ہے۔ رہا ظاہری پابندی کے ساتھ ساتھ ان عبادات کی باطنی حکمتوں پر غور و فکر اور ان کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا، تو اس سے انکار کرنے والوں کی جہالت میں کیا شک رہ جاتا ہے؟

◎

Marfat.com

خود آزمائی نمبر ۴-۵

۱۔۔۔ حج کے لفظی معنی لکھیے۔ ان معنوں میں ہی سالانہ کا مفہوم کیسے پیدا ہوتا ہے؟ (۱-۵)

۲۔۔۔ ایامِ حج سے کیا مُراد ہے؟ (۱-۵)

۳۔۔۔ خانہ کعبہ کو "بیت اللہ" کہنے سے کیا مُراد ہے؟ (۱-۵)

۴۔۔۔ مناسک حج کا مطلب کیا ہے؟ اِن کے بارے میں معلومات کس موقع پر حاصل کرنی چاہئیں اور کیوں؟ (۱-۵)

۵۔۔۔ حج کے لیے استطاعت کا مطلب کیا ہے؟ (۱-۵)

۶۔۔۔ حج کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تعلق ہے؟ (۲-۵، ۳-۵)

۷۔۔۔ "حج۔ لذت درد کا ایک سامان" کے عنوان سے ایک پیراگراف لکھیے جو کم از کم چھ سطروں کا ہو۔ (۳-۵)

۸۔۔۔ حج کے منافع اور مقاصد کیا ہیں اور آج کل ان کو کس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے؟

(۳-۵)

Marfat.com

۶۔ جہاد

اِسلام الہامی مذاہب کے سلسلے کی تکمیلی کڑی ہے اور تمام عالمِ انسانی کے لیے ربّانی پیغام اور ضابطۂ حیات ہے چونکہ اِسلام کا دیگر مذاہب پر غلبۂ ولولہ جہاد اور بھرپور تیاری کے بغیر ممکن نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے احکام اپنی کتاب پاک میں نازل فرمائے اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے ان احکام کی تشریح فرمائی۔

۱-۶ جہاد کا مفہوم

لُغتِ عرب میں اِسلام کے معروف معنی امن وسلامتی کے ہیں اور امن وآشتی کے اس مقصدِ جلیل کو حاصل کرنے کا وسیلہ جہاد ہے۔ جہاد کے لُغوی معنی ہیں کمال درجہ کوشش کرنا اور قرآن وسنت کی اصطلاح میں اس کے معنی ایسی بھرپور سعی وجہد کے ہیں جو سچائی کی راہ میں یا اِسلام کی سربلندی کے لیے کی جائے۔

قرآنی دلائل کی قوت سے دُوسرے مذاہب پر اِسلام کی فضیلت یا برتری ثابت کرنا جہاد بالقرآن ہے۔ اگر یہ سعی بلیغ زبان سے کی جائے تو جہاد باللسان کہلائے گا اور اگر زورِ قلم سے کی جائے تو اسے جہاد بالقلم کہیں گے۔ اگر انسان اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانے کی کوشش کرے تو یہ جہاد بالقلب ہے۔ اگر اسلام کے دشمنوں سے نمٹنے کی بندۂ مومن تدبیر کرے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے تو جہاد بالمال ہے اور اگر اس راہ میں جان کی بازی لگا دی جائے تو یہ جہاد بالنفس ہے۔ جہاد کے وسیع تر مفہوم کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو مُسلمان کی ہر صبح وشام بلکہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ حق اور اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر بسر ہوتا ہے۔ پس جہاد کا مفہوم اگر اسے دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور خُون بہانے تک محدود کر دیا جائے تو یہ بڑی زیادتی ہوگی۔

اِسلام کی تعلیمات کے بنیادی ماخذ قرآن مجید میں جہاد کے بارے میں پہلے پہل جو حکم نازل ہُوا۔ اس کے الفاظ پر غور فرمایئے اور دیکھئے کہ کن لوگوں سے کن حالات میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کرنے کی اجازت دی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ اَلَّذِيْنَ	جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ اُن پر ظلم ہُوا ہے اور

Marfat.com

أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ

اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے ان کا قصور صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار کہتے تھے۔

اسلام کی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ کفار مکہ نے السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ (اوّلین مومنین) کو کتنی بڑی اذیتیں دیں۔ ان کو ستانے کے لیے کیسے کیسے اندازِ ظلم و ستم ایجاد کئے۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی تکلیفیں دیں اور انہیں جلاوطن کرنے، نظر بند کرنے بلکہ قتل کر دینے کے منصوبے باندھے۔ یہاں تک کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے حکم سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں حضورؐ نے مہاجرین و انصار کے تعاون سے ایک نئے معاشرے، نئے تمدن اور نئی ریاست کی داغ بیل ڈالی۔ کفار مکہ نے یہاں بھی انہیں آرام سے نہ رہنے دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ اور ان کے صحابہ کرام کو اپنی جان و مال، عزت و ناموس اور دین کی حفاظت کی غرض سے جہاد کی اجازت دے دی۔

اگرچہ اسلام نے سب معاملات میں تحمل، بُردباری اور رواداری کی تعلیم دی لیکن اسلام نے انہیں کسی ایسے حملے کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں پر اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام مسلط کرنے کے لیے کیا جائے۔ اسلام نے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ جو کوئی تمہارے انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے، تم پر ظلم و ستم ڈھائے، تمہاری جائز ملکیتوں سے تم کو بےدخل کرے، تم سے ایمان و ضمیر کی آزادی سلب کرے، تمہارے اجتماعی نظام کو درہم برہم کرنا چاہے اور محض اس وجہ سے درپے آزار ہو کہ تم مسلمان ہو تو اس کے مقابلے میں ہرگز کمزوری نہ دکھاؤ اور اپنی پوری طاقت اس کے ظلم کو روکنے میں صرف کر دو۔ جہاد اگرچہ فرض کفایہ ہے مگر جب اعلانِ عام ہو جائے کہ دشمن نے ایک اسلامی مملکت پر حملہ کیا ہے تو پھر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر جو جہاد کی قدرت رکھتا ہو، فرداً فرداً اس پر فرضیت جہاد ہو جاتی ہے۔

۲-۶ جہاد، قرآن کی نظر میں

- وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ — اے پیغمبرؐ! مومنین کو جنگ پر اکسایئے۔
- اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ — مومن اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر شیطان کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔
- جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ — اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔

Marfat.com

○ وَجَاهِدُوا حَقَّ جِهَادِهٖ ۔ — جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

○ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً ۔ — اللہ تعالیٰ نے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو گھر بیٹھنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے ترجیح دی ہے۔

○ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۔ — تم اہلِ کفر سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ مٹ جائے اور سارے کا سارا دین اللہ کے لیے ہو جائے۔

۶۳ جہاد، حدیث کی رُو سے

○ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا سب سے اچھا عمل ہے۔

○ خُدا کی راہ میں ایک دن ڈٹ جانا دُوسری جگہوں میں گزارے ہُوئے ہزاروں دنوں سے بہتر ہے۔

○ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔

○ جہاد فی سبیل اللہ کی ایک صبح یا شام دُنیا کی ان تمام نعمتوں سے افضل ہے جن پر سُورج نکلتا اور ڈوبتا ہے۔

○ جہاد فی سبیل اللہ میں ایک دن اور رات کی پاسبانی کرنا ایک ماہ کے روزوں اور شب بیداری سے بہتر ہے۔

○ جب تمہیں جہاد کے لیے بُلایا جائے تو تم اپنے گھروں سے نکل پڑو۔

○ وہ مومن جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتا ہے سب سے افضل ہے۔

○ جس شخص کے پاؤں راہِ خُدا میں غبار آلود ہو جائیں اُسے جہنم کی آگ نہ چھُوئے گی۔

○ جنت میں جانے کے بعد کوئی شخص دُنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرے گا مگر شہید اس کی آرزو کرے گا کہ وہ دُنیا میں دس مرتبہ جائے اور دس مرتبہ مارا جائے کیونکہ وہ شہادت کا اجر و ثواب جانتا ہے۔

○ سب سے پہلے جنت میں جانے والوں میں شہید بھی ہوں گے۔

◎

Marfat.com

خود آزمائی نمبر ۵   ۴-۶

۱ــــ جہاد کا مفہوم قرآن و سُنّت کی روشنی میں واضح کیجیے۔

۲ــــ جہاد کس حالت میں فرض ہوتا ہے؟

۳ــــ اُردو میں ترجمہ کیجیے۔

(ا) جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

(ب) وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ط

(ج) وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ط

۴ــــ جہاد کی اقسام بیان کیجیے نیز بتایئے کہ سب سے بہتر جہاد کون سا ہے؟

۵ــــ درست پر یہ (✓) علامت لگایئے۔

(ا) جہاد مستحب ہے۔

(ب) جہاد سُنّت مؤکدہ ہے۔

(ج) جہاد فرض ہے۔

(د) جہاد سُنّت غیر مؤکدہ ہے۔

۶ــــ خالی جگہ کو مناسب لفظ سے پُر کیجیے

مسلمانوں نے .... کے لیے جہاد کیا

فتوحات ــــ اللہ کی خوشنودی ــــ مال و دولت

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

صدق اللہ العظیم

ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یونٹ (۶)

اُسوۂ حسنہ

(سیرتِ طیبہ)

تحریر

محمد حنیف

ڈاکٹر حافظ محمد طفیل

Marfat.com

فہرست

	صفحہ
☐ یونٹ کا تعارف	۱۴۷
☐ یونٹ کے مقاصد	۱۴۸
۱۔ سیرتِ طیبہ، ولادت تا بعثت	۱۵۰
۲۔ بعثت	۱۵۶
۳۔ تبلیغ	۱۵۸
۴۔ ہجرت	۱۶۲
۵۔ میثاقِ مدینہ اور مواخات	۱۶۶
۶۔ فتح مکہ	۱۶۸
۷۔ حجۃ الوداع	۱۷۲
۸۔ وصالِ نبویؐ	۱۷۵
۹۔ خود آزمائی	۱۷۶

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؀

یونٹ کا تعارف

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے احوال زندگی کا بار بار اور غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرنا نہ صرف مسلمانوں کے لیے نہایت ضروری ہے۔ بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے کیوں کہ آپ کی نبوّت اور آپ کا پیغام صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ پوری انسانیت کے لیے محسن اعظم ہیں۔

مسلمانوں کے لیے تو یہ مطالعہ اِس لیے نہایت ضروری ہے کہ خالق کائنات خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں حکم دیا ہے، کہ ہم آنحضورؐ کے نقشِ قدم پر چلیں، ان کی اتباع کریں اور ان کے اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی کے لیے نمونۂ عمل قرار دے کر اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگنے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کی تعمیل ہم اسی وقت کر سکتے ہیں جب ہم آپؐ کی سیرتِ طیبہ سے واقفیت حاصل کریں بار بار پڑھیں، سُنیں اور دُوسروں کو سُنائیں، خود یاد رکھیں اور دوسروں کو یاد دلاتے رہیں۔

ایک غیر مسلم کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ نوعِ انسانی میں مردِ کامل کا یہی ایک نمونہ ہے۔ ہر انسان کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہر پہلو سے کامیاب و کامران اور ہر اعتبار سے مکمل انسان کیا ہوتا ہے؟ ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ کامیاب زندگی بسر کرے اور اگر کامیاب زندگی کا کوئی نمونہ میسر آجائے تو یہ کام آسان ہو جاتا ہے۔

قرآنِ کریم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو ہمارے لیے مشعلِ راہ قرار دیا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(سورۃ الاحزاب - ۲۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

اور کوئی زندگی اس وقت تک مشعلِ راہ نہیں بن سکتی جب تک اس کے جملہ پہلو ہمارے سامنے موجود نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تمام جزئیات کو محفوظ کر لیا۔ یہ پیغمبرِ اسلامؐ کی بے پایاں عظمت اور ان کے لازوال چشمۂ ہدایت ہونے کا زندہ ثبوت ہے کہ آپ کی حیاتِ مقدسہ کے جملہ پہلو ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح

Marfat.com

ہمارے سامنے ہیں۔ آپ کا شخصی کردار، رحمت، شفقت عبادت، شجاعت، عدالت، صداقت، سخاوت، فراست، متانت، ایثار، احساسِ ذمہ داری، عاجزی، تواضع، صبر، توکل، ثابت قدمی الغرض زندگی کے ہر پہلو کے عملی نمونے ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ آپ گھریلو زندگی میں اچھے شوہر، اچھے باپ اور بہترین نانا تھے۔ جماعتی زندگی میں بہترین دوست، قابلِ اعتماد ساتھی، شفیق سردار، مساکین کے سرپرست و غمخوار کا بہترین نمونہ ہیں۔ اسی طرح ملی زندگی میں عدل و انصاف، فوجوں کی کمان، انتظاماتِ حکومت، رعایا پروری، سیاسی سوجھ بوجھ، دوستوں کی دلداری اور دشمنوں تک سے نیک سلوک کا ایسا بہترین نقشہ ہمیں سیرتِ طیبہ میں دکھائی دیتا ہے کہ ایسا اور کہیں نہیں ملتا۔

سیرتِ طیبہ کا مطالعہ ایک اور پہلو سے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ دنیا کے بعض مفکرین زندگی کے حقائق کو فلسفیانہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن وہ عملی تجربے سے عاری ہوتے ہیں۔ جب کہ سیرتِ طیبہ کی اہمیت اور عظمت اس حقیقت سے واضح ہوتی ہے کہ آپؐ نے جس کام کے کرنے یا جس فعل سے بچنے کی تعلیم دی اس پر خود عمل کر کے دکھایا۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ایسی سہل اور سادہ ہیں کہ جو انسان کی فطرت کے عین مطابق ہیں اور ان پر عمل کرنا چنداں دشوار نہیں ہے۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

◎

یُونٹ کے مقاصد

اِس یُونٹ کے بُنیادی مقاصد درج ذیل ہیں :

۱ــــ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے رُوشناس کرانا۔

۲ــــ آپ کو یہ بتانا کہ حضورؐ کی سیرتِ طیّبہ ہمارے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔

۳ــــ سیرتِ رسولؐ کے اہم مقاصد :

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

کا شعور پیدا کرنا۔

Marfat.com

۱۔ سیرتِ طیّبہ

(ولادت تا بعثت)

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف روایات مذکور ہیں۔ اکثر علماء ۹ ربیع الاوّل کو صحیح تاریخ مانتے ہیں مگر جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاوّل مطابق ۲۳ اپریل ۵۷۱ء بروز سوموار صبح صادق کے وقت ہوئی۔¹ آپؐ کی والدہ ماجدہ کا بیان کثرت سے روایات میں نقل ہُوا ہے کہ جب آپؐ کی ولادت ہُوئی تو مجھے یُوں محسوس ہُوا کہ میرے اندر سے ایک نُور نکلا ہے جس سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے ہیں۔

روایات میں بیان ہوا ہے کہ آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطّلب آپؐ کو اُٹھا کر خانہ کعبہ میں لے گئے اور آپؐ کے لیے دُعا مانگی۔ پیدائش کے ساتویں روز سنّتِ ابراہیمی کے مطابق جناب عبدالمطّلب نے آپؐ کا عقیقہ کیا اور اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔ کھانے کے بعد پوچھا گیا کہ اے عبدالمطّلب! آپ نے جس بیٹے کی یہ دعوتِ عقیقہ کی ہے اس کا نام کیا رکھا ہے تو اُنھوں نے کہا میں نے اس کا نام "محمّد" رکھا ہے۔

لوگوں کو یہ نام بالکل نیا لگا کیونکہ اس سے پہلے عرب اس نام سے غیر مانوس تھے۔ "محمّد" کا سادہ سا ترجمہ ہے: "وہ ذات جس کی تعریف بہت یا بار بار کی گئی ہو" (مُحَمَّد الّذِیْ یُحْمَدُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ)۔ اس سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ محمّد سے مراد وُہ ذات ہے جس کی تعریف کا سلسلہ جاری رہے اور یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ دُنیا بھر کے انسانوں میں جس قدر آپؐ کی ذات کی تعریف کی گئی ہے اور آپؐ کی زندگی پر جتنا لکھا گیا ہے اس کا ایک معمولی حصّہ بھی کسی اور ہستی کے نصیب میں نہیں آیا۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ محض اعتقاد ہی نہیں بلکہ غیر مسلم علماء نے بھی علمی لحاظ سے آپؐ کی زندگی پر بہت کچھ لکھا ہے۔ یُوں آپؐ کے نام کے لیے جناب عبدالمطلب کے ذہن میں اتفاقاً "محمّد" کا آنا منشاءِ خداوندی معلوم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نام بذاتِ خود ایک معجزہ ہے۔

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ ماجدہ نے دُودھ پلایا لیکن شرفاءِ مکّہ میں یہ دستور تھا کہ وہ عرب کی خالص خصوصیات اور بچّوں میں فصاحت کا جوہر پیدا کرنے کے لیے شیر خوار بچّوں کو دیہات اور قصبات میں

¹ مصدقہ روایت کے مطابق ربیع الاوّل کا دُوسرا سوموار آپ کا یوم ولادت ہے۔ اس رُوز کیا تاریخ تھی، اس بارے میں تحقیقات جاری ہیں۔

Marfat.com

بھیج دیتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق آنحضرت کی پیدائش کے چند روز بعد حضرت عبد المطلب نے اپنے پوتے کو ایک دایہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا۔ جو قبیلہ بنو ہوازن کی دوسری عورتوں کے ہمراہ بچوں کی تلاش میں مکہ آئی ہوئی تھیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے دو سال آپ کو دودھ پلایا۔ جب دو سال گزر گئے اور دودھ چھڑانے کا وقت قریب آیا تو حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا بیان ہے کہ یہ بچہ قبیلے کے سارے بچوں سے زیادہ تندرست اور توانا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے چار برس کا ہو۔ ہم بچے کو اس کی ماں کے پاس مکہ واپس لے گئے مگر ہمارا جی چاہتا تھا کہ وہ ہمارے پاس کچھ مدت اور رہے۔ میں نے اس کی ماں سے کہا کہ میرے اس بیٹے کو میرے پاس کچھ عرصہ اور رہنے دو تاکہ یہ خوب پل کر تنومند ہو جائے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مکہ کی خراب آب و ہوا اس کی صحت پر برا اثر ڈالے گی۔ چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے اصرار پر انہیں اس عظیم بچے کو مزید مدت کے لیے اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دوبارہ قبیلہ ہوازن میں گئے تو اس وقت ایک نیا واقعہ پیش آیا جس کی تفاصیل حضرت حلیمہ سعدیہؓ سے اس طرح مروی ہیں کہ مکہ سے واپس آکر ابھی ہم دو تین مہینے ہی رہنے پائے تھے کہ ایک روز بچہ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہمارے گھروں کے پیچھے ہماری بکریوں میں تھا۔ اتنے میں اس کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ میرے اس قریشی بھائی کے پاس دو سفید پوش آدمی آئے۔ انہوں نے اس کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔ میرا شوہر اور میں دونوں بھاگتے ہوئے گئے اور دیکھا کہ بچہ کھڑا ہے اور اس کا رنگ فق ہے۔ اس کے رضاعی باپ نے اسے اٹھایا اور پوچھا بیٹے تجھے کیا ہو گیا؟ بچے نے بتایا کہ دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے۔ مجھے لٹا کر انہوں نے میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی اور پھر ویسا ہی کر دیا جیسا وہ تھا۔ ایک اور روایت میں ہے۔ کہ میرے پیٹ میں وہ کوئی چیز تلاش کرتے رہے معلوم نہیں وہ کیا چیز تھی؟

حلیمہ سعدیہؓ بیان کرتی ہیں۔ کہ ہم اس بچے کو گھر واپس لے آئے تو میرے شوہر کہنے لگے حلیمہ مجھے ڈر ہے کہ اس بچے کو کچھ ہو نہ جائے بہتر یہی ہے کہ اسے اس کے گھر پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ ہم اسے لے کر اس کی ماں کے پاس مکہ پہنچے۔ جب حضرت آمنہؓ نے ہمیں دیکھا تو انہوں نے کہا " تم کیسے اس کو واپس لے آئیں تم تو اسے اپنے پاس رکھنے کے لیے بڑی حریص تھیں؟ " میں نے کہا اللہ نے ب بچے کو خوب پال کر بڑا کر دیا ہے اور میری جو ذمہ داری تھی وہ میں نے پوری کر دی اب مجھے اندیشہ ہے کہ اسے کچھ حوادث پیش نہ آجائیں۔ حضرت آمنہؓ نے کہا کہ اصل بات کیا ہے؟ مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔ حلیمہؓ نے ان کے اصرار پر شق صدر کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس پر حضرت آمنہؓ نے کہا کہ تمہیں اس بچے کے بارے میں شیطان کا خوف ہے! حلیمہؓ نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت آمنہؓ نے بتایا کہ خدا کی قسم شیطان کے لیے اس پر کوئی راہ

Marfat.com

نہیں! میرے اس بچے کی بڑی شان ہے۔ اِس طرح چار سال کی عمر میں یہ عظیم بچہ اپنی ماں کے پاس واپس مکہ آ گیا۔ بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیہات میں قبیلہ بنی سعد میں قیام کرنے کی وجہ سے آپ کی عربی زبان نہایت فصیح ہو گئی تھی کیونکہ آپؐ قریشی تھے اور بنی سعد میں آپؐ نے بچپن گزارا تھا جن کی زبان فصیح عربی تھی۔ اسی بناء پر آپؐ فرمایا کرتے تھے۔

"مَیں تم میں سب سے زیادہ عربی دان ہوں۔ مَیں قریشی ہوں اور بنی سعد بن بکر میں میری رضاعت کا زمانہ گزرا ہے۔"

ابن سعد اور ابن اسحاق کے بیان کے مطابق آپ کی عمر چھ سال تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو اُمّ ایمن کے ساتھ مدینہ لے گئیں تاکہ وہاں آپ کی پردادی کے خاندان (عدی بن نجار) سے آپ کو ملائے اور متعارف کرائے۔ مدینہ میں ایک ماہ قیام رہا۔ اِس دوران میں انہوں نے وُہ مکان آپ کو دکھایا جہاں آپ کے والد حضرت عبد اللہ کا انتقال ہوا تھا وہ جگہ بھی دکھائی جہاں وہ مدفون تھے۔ بچپن میں دیکھے ہوئے یہ مقامات اور دیگر واقعات آپ کو ہمیشہ یاد رہے جس کی شہادت بعد کی روایات سے ملتی ہے۔

ایک ماہ مدینہ میں قیام کے بعد آپؐ کی والدہ ماجدہ آپؐ کو ہمراہ لے کر واپس مکہ جانے کے لیے روانہ ہوئیں۔ تو راستے میں اَبواء کے مقام پر حضرت آمنہؓ کا انتقال ہو گیا اور یہیں دفن ہوئیں۔ اور اُمّ ایمن جو حضرت عبد المطلب کی باندی تھیں حضور کو ساتھ لے کر مکہ واپس پہنچیں اور یہ یتیم بچہ چھ برس کی عمر میں ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا۔

حضرت آمنہؓ کی وفات کے بعد حضور کے دادا حضرت عبد المطلب نے آپ کو اپنے ساتھ رکھا۔ حضرت عبد المطلب کو شروع سے ہی اپنے یتیم پوتے سے بے پناہ محبت تھی۔ بیٹے کے بعد بہو کے انتقال نے اس محبت کو شیفتگی کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ انہوں نے اپنے پوتے کو تمام اولاد سے بڑھ کر چاہا۔ وُہ آپ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے۔ اور اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے، جب تک آپؐ اِس میں شریک نہ ہوں۔ اور کبھی کبھی کھانے کے وقت آپؐ کو گود میں بٹھا لیتے تھے۔ لیکن دادا کی یہ شفقت بھی حضورؐ کو زیادہ دیر تک حاصل نہ رہی۔ جب آپؐ کی عمر مبارک آٹھ سال تھی تو آپ کے دادا عبد المطلب بھی بیاسی برس کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ حجون میں دفن ہوئے۔ پہلے والدین اور دادا کا سایۂ عاطفت اٹھا کر یہ دکھانا مقصود تھا کہ یہ نونہال جس آغوشِ رحمت میں پرورش پانے والا ہے وُہ ان سب اسباب سے بے نیاز ہے۔

حضرت عبد المطلب کی وفات کے بعد بعض روایات کے مطابق ان کی وصیت کی رو سے اور بعض روایات کے

Marfat.com

مطابق بطور خود حضرت ابو طالب نے حضورؐ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ حضرت ابو طالب آپؐ کے حقیقی چچا تھے۔ انہوں نے آپؐ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھا۔ جب آپؐ کی عمر بارہ سال اور دو مہینہ ہوئی تو آپؐ کے چچا ابو طالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر کیا۔ آپ بھی اپنے چچا کے ساتھ شریک سفر تھے۔ راستہ میں مقام تیما پر قیام کیا۔ مورخین کے بیان کے مطابق بحیرہ راہب کا واقعہ اسی سفر میں اسی مقام پر پیش آیا۔ یہاں ایک عیسائی راہب بحیرہ نامی رہتا تھا۔ وہ قافلے کو دیکھ کر خلافِ معمول اپنے حجرے سے باہر آیا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا یہ سید المرسلین ہیں

آپؐ بچپن میں جب حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں قیام پذیر تھے تو اس وقت اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔ اور جب آپؐ سنِ شعور کو پہنچے تو مکہ میں بھی آپؐ نے یہی مشغلہ اپنایا۔ ایک دفعہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کیا آپؐ نے بھی چرائی ہیں؟ فرمایا ہاں بخاری شریف کی کتاب الاجارہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت نقل ہوئی ہے۔ جس میں اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا "میں اہلِ مکہ کی بکریاں کچھ دینار کے عوض چرایا کرتا تھا"۔ جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ آپؐ نے پہلے انبیاء علیہم السلام کی سُنت کے مطابق اپنی ابتدائی زندگی میں بکریاں چرائیں۔

حضور علیہ السلام کی عمر پندرہ سال تھی کہ حرب فجار کا معرکہ بھی ہوا۔ عربوں میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا جو سلسلہ چلا آرہا تھا ان میں حرب فجار[1] سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک تھی۔ یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلوں کے مابین ہوئی۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں شرکت کی۔ آل ہاشم کے عَلم تلے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جنگ میں شریک تھے۔ چونکہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے اور خاندان کی عزت و وقار کا معاملہ تھا۔ اِس لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اِس جنگ میں شرکت فرمائی لیکن جیسا کہ ابنِ ہشام نے لکھا ہے۔ آپؐ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ قوموں میں شجاعت کی آبیاری اور حمیت وغیرت کی ترویج کے لیے جنگ ایک مفید اور ناگزیر کام ہے۔ لیکن بہت سی طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں جو جنگ کی طرف آمادہ نہیں ہوتیں بلکہ وہ صلح اور آشتی کا دامن تھام کر انسانیت کو ترقی اور یگانگت سے ہم کنار کرنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ جنگ فجار سے جب لوگ واپس آئے۔ تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان ہاشم کے سربراہ زبیر بن عبد المطلب نے صلح کی تجویز پیش

---

[1] حرب کے معنی ہیں جنگ۔ اس جنگ کو حرب فجار اس لیے کہا گیا کہ یہ جنگ حدودِ حرم میں اور حرمت والے مہینوں میں لڑی گئی۔

Marfat.com

کی۔ جسے سب نے اچھی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ یہ مُعاہدہ؂ ہوا کہ

۱ ـــــ ہم بے امنی کو دُور کریں گے (۲) مظلوموں اور غریبوں کی مدد کریں گے۔ (۳) مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شریک تھے اور اپنے عہدِ نبوت میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس مُعاہدے کے مقابلے میں اگر مجھ کو سُرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جاتے تو میں نہ بدلتا اور اگر آج بھی ایسے معاہدے کے لیے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔

عرب اور خصوصاً قریش صدیوں سے تجارت کے پیشے سے منسلک تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے آپؐ کو بھی کسبِ معاش کی فکر دامن گیر ہوئی چنانچہ آپؐ نے اپنا خاندانی پیشہ اپنایا کیوں کہ اس میں آپؐ کو تجربہ بھی حاصل تھا۔ جیسا کہ حضرت ابوطالب کے ساتھ آپؐ بچپن میں بعض تجارتی سفر کر چکے تھے۔ اور آپؐ کے حسنِ معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی۔ اس لیے مالدار لوگ منافع کی شرکت پر آپؐ کو سرمایہ دیتے تھے آپ نہایت محنت اور دیانت کے ساتھ ان کا کام کرتے۔ تجارت کی غرض سے شام۔ بصرہ اور یمن کے آپؐ نے متعدد سفر کیے۔ آپؐ کی دیانت اور امانت کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ آپؐ کے ساتھ تجارتی معاملات کرنے والوں کی شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ تجارتی اصُولوں کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ تاجر کے محاسنِ اخلاق میں سب سے نادر مثال ایفائے عہد اور اتمامِ وعدہ کی ہو سکتی ہے۔ لیکن منصبِ رسالتؐ سے پہلے مکّہ کا یہ تاجر جو صادق و امین کے القاب سے جانا جاتا تھا۔ اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا۔ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تجارت کا معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ طے پا چکا تھا۔ اور کچھ طے کرنا باقی تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر آکر باقی معاملہ طے کرتا ہوں۔ اتفاق سے میں اپنا وعدہ بھُول گیا، تیسرے دن وعدہ گاہ پر پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ کھڑے پایا۔ ایک صحابی حضرت سائب کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے شریک تجارت تھے لیکن معاملہ ہمیشہ صاف رکھا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی تجربات اور دیانت داری کا شہرہ سُن کر خاندان قریش کی ایک معزز اور مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے درخواست کی کہ میرا سامان تجارت کی غرض سے شام لے جایئے۔ جو معاوضہ میں اَوروں کو دیتی ہوں آپؐ کو اس سے زیادہ دوں گی۔ آپؐ نے منظور کر لیا اور حضرت خدیجہ کا سامان لے کر بصرہ روانہ

؂ یہ معاہدہ حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس معاہدے میں شامل تین افراد کے نام میں لفظ "فضل" مشترک تھا۔

Marfat.com

ہو گئے۔ اِس سفر میں حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ آپؐ کے ہمراہ تھا۔ جس نے واپس آکر اپنی مالکہ کو آپؐ کی دیانت کے مشاہدے سے آگاہ کیا۔

اِس سفر تجارت سے واپسی کے چند ماہ بعد حضرت خدیجہ نے آپؐ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیغام نکاح کو قبول فرمایا اور حضرت ابو طالب نے نکاح پڑھایا۔ اِس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کا پچیسواں سال تھا، جب کہ حضرت خدیجہ کی عمر چالیس برس تھی۔ ابن عبد اللہ نے لکھا ہے کہ یہ شادی سفر تجارت سے حضورؐ کی واپسی کے دو مہینے اور پچیس دن بعد وقوع پذیر ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا پینتیسواں سال تھا کہ قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کا منصوبہ بنایا کیونکہ خانہ کعبہ کی دیواریں سیلاب کی وجہ سے پھٹ چکی تھیں، تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لیے تاکہ کوئی اِس شرف سے محروم نہ رہ جائے۔ لیکن جب حجرِ اسود کو نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا کیوں کہ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت اس کے ہاتھ سے انجام پائے۔ نوبت لڑائی تک جا پہنچی۔

خاندان قریش کے سب سے معمر شخص ابو امیہ بن مغیرہ نے تجویز پیش کی کہ کل صبح سب سے پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں آئے وہی ثالث قرار دے دیا جائے۔ سب نے اِس تجویز سے اتفاق کیا۔ دُوسرے دن قبائل کے معززین موقع پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے جس پر لوگوں کی نظر پڑی وُہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پُروقار شخصیت تھی۔ چنانچہ حجرِ اسود کو نصب کرنے کا مبارک کام آپؐ کے سپرد ہوا۔ آپؐ نے پسند نہ فرمایا کہ آپؐ تنہا اس شرف سے بہرہ ور ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے اعلان فرمایا کہ سب قبائل اپنا اپنا ایک سردار منتخب فرمالیں۔ جب سردار منتخب ہو کر آگئے تو آپؐ نے اپنی چادر بچھا کر حجرِ اسود کو اس میں رکھ دیا اور سب سرداروں سے کہا کہ چادر کے کنارے تھام لیں اور اوپر اٹھائیں جب چادر جائے مقررہ کے برابر پہنچ گئی تو آپؐ نے حجرِ اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا۔ اس طرح ایک بڑی کشمکش اور لڑائی کا خطرہ آپؐ کی حکمت عملی سے ٹل گیا۔

Marfat.com

۲ ۔ بعثت

انبیاء علیہم السّلام کو جو خصوصیات عام انسانوں سے ممتاز کرتی ہیں اُن میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اُن سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس مکالمہ الٰہیہ ہی کی ایک صورت وحی ہے۔ وحی کا لغوی معنی ہے مخفی طور پر سرعت کے ساتھ کسی بات کا بتا دینا۔ سرعت کا مفہوم یہ ہے کہ جو بات وحی کی صورت میں دل میں آئے وہ کسی پیشگی خیالات کی ترتیب کا نتیجہ نہ ہو بلکہ ایک دم غیب سے اس کا علم ہو جائے۔ اہل لغت نے اس کے مختلف معنی بیان کئے ہیں اشارہ کرنا، لکھ دینا، پیغام دینا، دوسروں سے چھپا کر کسی سے چپکے چپکے بات کرنا۔ دینی اصطلاح میں وحی سے مراد وہ کلمِ الٰہیہ ہے جو جبرئیل نبیوں پر لے کر آتے تھے اور یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السّلام سے شروع ہو کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا اور قیامت تک وحی کا دروازہ بند ہو گیا۔

منصب نبوت سے سرفراز ہونے سے قبل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بُت پرستی کو مناسب خیال نہیں کرتے تھے آپؐ بتوں کی عبادت سے نفرت کرتے تھے اور اصل حقیقت کی تلاش میں رہتے تھے۔ اگرچہ آپؐ نے اپنا بچپن اور شباب ایسے سماج میں گزارا جو جملہ خرابیوں کا گڑھ تھا لیکن قدرت نے آپؐ کو ایسی فطرت سلیمہ اور نیک سرشتی عطا فرمائی تھی کہ آپؐ نے اس ماحول سے کوئی اثر قبول نہیں کیا اور نبوت سے پہلے بھی آپؐ نے ایک متوازن اور قابل رشک صالح زندگی بسر کی۔

آپؐ غیر سنجیدہ باتوں، کھیل تماشے اور راگ رنگ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ عمر کے ساتھ ساتھ آپؐ کی طبیعت زیادہ خلوت پسند ہوتی گئی اور آپؐ نے یہ طریقہ اختیار فرمالیا کہ سامانِ خورد و نوش لے کر اکثر مکہ سے باہر "حرا" نامی پہاڑی پر ایک غار میں تشریف لے جاتے اور تنہائی اور سکون کے عالم میں کئی کئی دن عبادت میں مشغول رہتے۔

اس دوران پہلے تو آپؐ کو سچے خواب آنے لگے یعنی جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے بعینہٖ وہی عملی طور پر پیش آ جاتا اور جب آپؐ کی عمر چالیس سال ہوئی اور آپؐ اپنے معمول کے مطابق غار حرا میں مقیم تھے کہ ۶۱۰ء کے رمضان المبارک کی ایک رات (اکثر روایات کے مطابق ۲۷ رمضان المبارک) کو دفعتہً حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نمودار ہو کر فرمایا:

Marfat.com

اِقراء یعنی پڑھیے۔ اپ نے فرمایا : مَا اَنَا بِقَارِیٍ (مَیں تو پڑھنا نہیں جانتا)۔ اس پر جبریلؑ نے آپؐ کو اپنے سے لپٹا اور بھینچا اور پھر اس مکالمہ و معانقہ کا اعادہ ہُوا۔ گویا بارِ وحی کے اُٹھانے کے لیے جن قوتوں کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملکوتی واسطے سے بشری جسم میں پوری طرح سرایت کر دی گئیں اور تیسری بار کی تکرار کے بعد پانچ آیتیں اقرأ سے مَالَمْ یَعْلَم تک پڑھ دی گئیں۔

اقرأ باسمِ ربّكَ الّذی خلَقَ ۝	پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا۔
خَلَقَ الاِنسانَ من عَلَقٍ ۝	بنایا آدمی کو جمے ہُوئے لہُو سے۔
اِقرأ وَربُّكَ الاَکرمُ ۝	پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔
اَلّذی عَلّمَ بالقلَمِ ۝	جس نے علم سکھایا قلم سے
عَلّمَ الانسانَ مالَمْ یَعلَمْ ۝	سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔

Marfat.com

۳۔ تبلیغ

تبلیغ کا لغوی معنی ہے "پہنچانا"۔ دینی اصطلاح میں اس کا مفہوم امورِ دین کو دُوسرے افراد اور اقوام تک پہنچانا اور اُنھیں قبول کرنے کی دعوت دینا ہے۔ یہ وہ مقدس فریضہ ہے جسے تمام انبیاء علیہم السلام نے سرانجام دیا۔ ہر نبی کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ہُوا کہ وہ احکام و ہدایتِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچائیں کیونکہ ان احکام پر عمل کر کے ہی وہ ایک مہذب مُعاشرے کی تشکیل کریں۔ جس کے افراد اپنے خالق کی منشا و رضا کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوں اور اللہ کی زمین پر اللہ کے تابع و مطیع ہو کر رہتے ہوں۔

یہی حکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہُوا۔

يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ	اے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم تیرے پروردگار نے
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدہ: ٦٧)	جو حکم تم پر اُتارا ہے وہ (لوگوں تک) پہنچاؤ۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز بعثت سے ہی اس فرض کی بجاآوری شروع کر دی تھی۔ آپؐ نے تبلیغِ اسلام کے لیے حسنِ تدبر اور تدریج سے کام لینا شروع کیا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو تبلیغ کی جو حکمت سکھائی تھی اس کے مطابق آپؐ نے یک لخت اعلانِ نبوت کر دینے اور قوموں کو دعوتِ عام دینے سے اپنے مشن کا آغاز نہیں کیا بلکہ ابتدائی تین سال تک آپؐ خفیہ طریقے سے اسلام کو ان نیک رُوحوں تک پہنچاتے رہے جو محض دلیل و برہان اور تفہیم و تذکیر سے توحید کو قبول کرنے اور شرک چھوڑ دینے پر آمادہ ہو سکتی تھیں، اور اس کے ساتھ ساتھ جن اصحاب پر اعتماد بھی کیا جا سکتا تھا۔ کہ وُہ اس تحریک کو اس وقت تک راز میں رکھیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہادیٔ برحق اعلانِ عام اور اعلانیہ تبلیغ شروع کر دینے کا فیصلہ نہ کریں۔ خفیہ تبلیغ کی اس آزمائشی مدت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، جو پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے، کے بلند پایہ کردار سے تبلیغِ اسلام کو بہت مدد ملی۔ جو شخص بھی اسلام قبول کر لیتا وُہ خفیہ طریقۂ اسلام کی تبلیغ شروع کر دیتا۔ اس دَور میں مسلمان عبادت بھی خفیہ طریقہ سے کیا کرتے تھے۔

اس خفیہ تبلیغ کو شروع ہونے اڑھائی سال سے کچھ زیادہ مدت گزر چکی تھی کہ ایک روز مسلمان مکّہ کی ایک گھاٹی میں نماز ادا کر رہے تھے اور مشرکین کے ایک گروہ نے انہیں عبادت کرتے دیکھ لیا اور انہیں سخت سُست

Marfat.com

کہنا شروع کر دیا۔ نوبت لڑائی جھگڑے تک پہنچی۔ اِس ناخوشگوار واقعہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اور احتیاطی تدابیر میں اضافہ کرنے کی غرض سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تاخیر حضرت ارقم کے مکان کو جو صفا کے قریب واقع تھا۔ مُسلمانوں کے اجتماع اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا دیا تاکہ مُسلمان یہیں جمع ہو کر نماز بھی پڑھیں اور جو لوگ خفیہ طریقہ سے مُسلمان ہوتے جائیں وُہ یہاں آتے رہیں اس طرح سے دارِ ارقم کو اشاعتِ اسلام کا پہلا مرکز ہونے کا شرف حاصل ہوا اور اِس کی عظمت ہمیشہ قائم رہی کیوں کہ بعد میں بھی یہ مکان اشاعتِ اسلام کا مرکز رہا۔

یہاں یہ امر خاص طور سے قابلِ غور ہے کہ خفیہ دعوت کے اس تین سالہ دَور میں اشاعتِ اسلام کا کام کس حد تک پھیلا تاکہ اِس حقیقت کو اُجاگر کرنے میں مدد مل سکے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا بلکہ یہ انسانی فطرت کی پکار تھی جس پر اِس نے لبّیک کہا، چنانچہ یہ امر واضح رہنا چاہیئے کہ اِس کٹھن دَور میں قریش کے بہت سے بڑے بڑے قبیلوں کے سرکردہ افراد، ان کے لواحقین حتیٰ کہ غلام اور باندیوں تک نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں مسلمان ہونے والوں کی جو تفصیلی فہرست ملتی ہے، اس کے مطابق مسلمان ہونے والوں کی تعداد ۱۳۳ تک پہنچتی ہے۔ یہ وہی صحیح الفکر اور سلیم الفطرت لوگ تھے۔ جنہوں نے افہام و تفہیم سے شرک کی بُرائی کو سمجھا، توحید کی حقیقت کو مانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسُول تسلیم کیا۔ ان میں اکثر لوگ تلاشِ حق میں سرگرداں تھے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدّیقؓ، حضرت عثمانؓ بن مظعون جو پہلے سے ہی جاہلیت کی خرافات سے بچتے اور حق کی تلاش میں مشغول رہتے تھے۔ بعض صحابہ ایسے تھے جو زمانۂ اسلام سے پہلے بُت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو کہتے تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے جو دنیوی طور پر اعلیٰ مناصب یا مقامات پر فائز نہیں تھے۔ اس طرح سے خفیہ تبلیغ کے تین سالوں میں اسلام کا پودا خاصا تن آور ہو چکا تھا۔ اب اس امر کی ضرورت محسُوس کی جانے لگی تھی کہ اسلام کی دعوت خفیہ طریقے کی بجائے سرِعام کی جائے۔ اور پیغام سرمدی کو حیاتِ انسانی کے گوشے گوشے تک پہنچا دیا جائے۔

چنانچہ اسی دَور میں اعلانیہ تبلیغ کے احکام نازل ہوئے اور وقت کا یہ تقاضا پورا ہوا۔

۱ — فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ — جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے کھول کر کہہ دو۔

۲ — یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ۝ — اے چادر اوڑھنے والے اُٹھ اور ڈرا۔

۳ — وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ۝ — اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

جب اعلانیہ تبلیغ کا حکم آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمرِ ہمت باندھی اور اس کام میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ آپ نے سب سے پہلے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ کوہِ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے

Marfat.com

کہوں کہ اِس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آرہا ہے، تو تم یقین کرلو گے ؟ سب نے کہا ہاں . کیوں کہ آپؐ کو ہم نے ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ تم اللہ پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر شدید عذاب ہوگا۔ یہ غیر متوقع بات سُن کر آپؐ کے چچا ابولہب سمیت سب لوگ سخت برہم ہوئے۔

اس واقعے کے چند روز بعد آپؐ نے ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں عبدالمطلب کے پورے خاندان کو کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا "میں وُہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دُنیا دونوں کی کفیل ہے۔ اِس بارِگراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیتا ہے؟" تمام مجلس میں سناٹا تھا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز فضا میں بلند ہوئی "مجھے آشوبِ چشم کی شکایت ہے۔ میری ٹانگیں پتلی ہیں اور نوعمر بھی ہوں لیکن میں آپؐ کا ساتھ دُوں گا۔" قریش کے لیے ایک حیرت انگیز منظر تھا۔ لیکن تاریخ نے ثابت کر دیا کہ یہ شخص حق گو تھا۔

ان واقعات کے بعد اسلام کی تبلیغ کا کام اعلانیہ اور کھل کر ہونے لگا۔ اس وقت یہ پہلو توجہ طلب ہے کہ آخر وُہ کون سے اعلیٰ اصول تھے جنہیں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا اور جو مکہ کے پتھر دل انسانوں کو موم کر کے اسلام کے دامن میں داخل ہونے پر مجبور کرتے رہے۔ آپؐ نے تبلیغ و دعوتِ اسلام کے جو اصول اپنائے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱ــــ "اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ"

"اے نبیؐ! اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو" یعنی بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنی استعداد، حالات کو سمجھ کر اور موقع محل کے مطابق بات کی جائے۔

۲ــــ "وَ قُلْ لِّعِبَادِىْ يَقُوْلُوا الَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ"

"اور اے محمدؐ میرے بندوں سے کہدو وُہ زبان سے ایسی بات نکالا کریں جو بڑی بھلی ہو"۔ اِس آیت سے تبلیغ کا یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ اہل ایمان غیر مسلموں سے گفتگو اور مباحثے میں تیز کلامی، مبالغے اور غلو سے کام نہ لیں مخالفین چاہے کیسی ہی دل آزار باتیں کریں مسلمانوں کو خلاف حق کوئی بات زبان پر نہیں لانی چاہیئے

۳ــــ "وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ"

"اہل کتاب سے عمدہ طریقے سے ہی بحث کرو"۔ اس اصول کا منشا یہ ہے کہ مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ مہذب اور شائستہ زبان میں اور افہام تفہیم کی سپرٹ کے ساتھ ہونا چاہیئے تاکہ جس شخص سے بحث کی جا

Marfat.com

رہی ہے اس کے عقائد و افکار کی اصلاح ہو سکے۔

۴۔ "خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۞"

"اے نبیؐ! نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو۔ معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو"۔ داعی کے لیے ضروری ہے کہ وُہ نرم خو، متحمل اور عالی ظرف ہو۔ اپنے ساتھیوں سے شفقت کے ساتھ پیش آئے اچھی بات کی تلقین کرتا رہے۔ اسی طرح مبلغ، مخالفین کے ظلم، شرارتوں اور بے سرو پا اعتراضات سے اپنی طبیعت میں اشتعال محسوس نہ کرے۔

۵۔ "قُلْ لَّا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا"

"میں اس تبلیغ و ہدایت کے کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں"۔ تبلیغ کا ایک اور سنہرا اصول یہ ہے کہ داعی یہ کام بے لوث طریقے سے کرے اور ایسا کرنے میں کوئی ذاتی یا دنیوی غرض مقصود نہ ہو بلکہ وہ صرف اللہ کی خوشنودی کا طالب ہو۔

مذکورہ بالا ایسے اصولِ دعوت و تبلیغ تھے جن پر دل جمعی سے عمل پیرا ہو کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنسانیت کی کایا پلٹ دی اور اسے دوزخ کے گڑھے سے اُٹھا کر جنّت الفردوس کا امین بنا دیا۔

◎

Marfat.com

۴۔ ہجرت

ہجرت کے لفظی معنی کسی چیز کو چھوڑ دینا، کسی کام کو ترک کر دینا اور کسی معاملے سے علیحدگی اختیار کر لینا ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں ہجرت اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی، دین کی سربلندی اور ملتِ مسلمہ کی بہبود کے لیے اپنا وطن، رشتہ دار جائیداد اور مفادات چھوڑ کر کسی دوسری جگہ منتقل ہو کر اس جگہ کو اپنے لیے مستقل وطن کے طور پر اپنا لینا ہے۔ اسلام میں ہجرت کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہجرت کا حکم نازل ہو جانے کے بعد جس مسلمان نے (سوائے ان کے جو معذور تھے) ہجرت نہیں کی اُسے ایمان کی دولت سے محروم قرار دیا گیا۔

اللہ کے رسولؐ کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے بارہ سال گزر چکے تھے۔ قریش کی مزاحمت اور ظلم و ستم کی انتہا ہو چکی تھی جس سے عاجز آ کر اسلام قبول کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد مُلک چھوڑ کر حبش میں مقیم ہو چکی تھی۔ ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد یہ دُنیاوی سہارا بھی ختم ہو چکا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدید مزاحمتوں کے مقابلے میں تبلیغ رسالت کا فرض انجام دے رہے تھے۔ آپؐ کی تبلیغ کے اثر سے مکّہ اور گرد و نواح کے قبیلوں کے صالح افراد پے در پے اسلام قبول کرتے جا رہے تھے لیکن بحیثیت قوم اُن کو طعن و ملامت، جسمانی اذیّت اور معاشی و معاشرتی مقاطع سے اُن کا جینا دُشوار بنا رہے تھے۔ اس تاریک ماحول میں صرف ایک شعاع یثرب کی طرف سے نمودار ہُوئی تھی جہاں سے قبیلہ اوس اور خزرج کے با اثر لوگ آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ وہاں کسی اندرونی مزاحمت کے بغیر اسلام پھیلنا شروع ہو چکا تھا اور انھوں نے یثرب کی طرف ہجرت کی درخواست بھی کر رکھی تھی۔

اہلِ مکّہ کی اِس شدید مخالفت کی رفتار تیز ہو گئی تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ایسی فضا میں مسلمانوں کے لیے فرائضِ اسلام کا آزادی سے بجا لانا ممکن نہیں رہا، اِس لیے آپؐ نے نبوّت کے پانچویں سال ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ عرب اِس مُلک سے واقف تھے۔ قریش کو اِس ہجرت کا علم ہوا تو انہوں نے مسلمانوں کا تعاقب کیا۔ لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی مسلمانوں کا قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ حبشہ کے حکمران نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک کیا اور انہیں اپنے ہاں قیام کی اجازت دی۔

حبشہ میں مسلمانوں کی تعداد ۸۳ تک پہنچ چکی تھی کہ وہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ تمام اہل مکّہ نے اِسلام قبول کر لیا ہے۔

Marfat.com

سب نے خوش ہو کر حبشہ سے مکہ معظمہ کی راہ اختیار کی مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ قریش نے واپس آنے والوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے۔ اس لیے مسلمانوں نے اسی میں عافیت جانی کہ وُہ حبشہ کی طرف دوبارہ ہجرت کر جائیں اس مرتبہ ۱۰۲ مسلمانوں نے ہجرت کی جن میں ۸۲ مرد اور ۲۰ عورتیں تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ وُہ حج کے زمانے میں مختلف قافلوں میں جا کر اسلام کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے سلہ نبوی میں آپؐ نے عقبہ کے مقام پر بنو خزرج کے کچھ لوگوں کو دعوتِ اسلام دی اور قرآن حکیم کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ یہ سرمدی پیغام سنتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ کہیں یہود اس معاملہ میں ہم پر بازی نہ لے جائیں۔ یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ دوسرے سال مدینے سے آنے والے بارہ افراد مشرف باسلام ہوئے اور مصعب بن عمیرؓ کو معلم بنا کر ان کے ساتھ بھیجا گیا۔ اس طرح مدینہ (یثرب) میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا عملی آغاز ہوا۔ تیسرے سال بہتر افراد نے اسلام قبول کیا اور عقبہ کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ میں اسلام کی پشت پناہ جماعت تیار ہوگئی سرورِ عالم بھی کسی ایسے پُرامن مقام کی ضرورت محسوس فرماتے تھے جہاں رہ کر خدا کے دین کو آزادی اور وسعت سے پھیلا سکیں چنانچہ آپؐ نے اسلام کا مرکزِ دعوت مدینہ منتقل کرنے کا عزم فرمایا۔

ہجرت مدینہ کی وجوہ مختصر الفاظ میں یوں بیان کی جا سکتی ہیں :-

۱۔ اسلام کی عالمگیر دعوت کا کام مکہ میں نہایت سست رفتاری سے جاری تھا جسے تیز کرنے کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی تھی اور اہلِ مکہ سے امید نہیں تھی کہ وُہ گمراہی کے قعرِ مذلت سے جلد نکل سکیں گے کیوں کہ وہ پیغامِ الٰہی کو سمجھنے کی بجائے ہٹ دھرمی سے ٹکرا رہے تھے۔

۲۔ اہلِ مکہ نہ صرف دعوتِ اسلام قبول نہیں کر رہے تھے بلکہ انہوں نے اسلام قبول کرنے والوں پر وہ مظالم ڈھائے جنہیں سُن کر دل دہل جاتا اور کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ مکہ میں مسلمانوں کا عرصۂ حیات تنگ تھا اور مذہبی فرائض کی بجا آوری میں ان کے لیے قدم قدم پر مشکلات تھیں۔

۳۔ اہلِ مکہ ابھی اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے ہوتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اہلِ مدینہ کو اسلام کی روشنی سے منور کرنا شروع کر دیا تھا اور مصعبؓ بن عمیر کی رہنمائی میں اوس و خزرج جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے بیعت عقبہ کے موقع پر اہلِ مدینہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منتقل ہونے کی التجا کی تھی اور ہر طرح کی مدد کا وعدہ کیا تھا۔ نیز مدینہ میں اسلام کی اشاعت کے روشن امکانات دکھائی دے رہے تھے۔

۴۔ اس سے پہلے مسلمان ہجرت حبشہ کے عملی فوائد سے آگاہ ہو چکے تھے۔ یہاں مسلمان اطمینان سے زندگی بسر کر رہے

Marfat.com

تھے، اس لیے وہ ہجرت کو قریش کی ایذا رسانی سے چھٹکارے کا ذریعہ تصور کرنے لگے تھے۔

۵ ــــ قبیلہ اوس کے سردار طفیل بن عمرو نے اسلام قبول کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مضبوط قلعہ میں قیام کرنے کی درخواست کی تھی لیکن نبی جس کا تعلق اپنے مولا سے بہت ہوتا ہے۔ وہ حکم الٰہی کے منتظر تھے۔ جو ترمذی کی روایت کے مطابق ان الفاظ میں نازل ہوا۔

وَقُل رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ○ (القرآن)	اے نبیؐ دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے سچائی کے ساتھ داخل ہونے والی جگہ میں داخل کر دے اور سچائی کے ساتھ نکلنے والی جگہ سے نکال اور کسی طاقت کو میرا مدد گار بنا۔

اس حکم کے نزول کے بعد مسلمانوں نے ہجرت شروع کر دی جب اہلِ مکہ کو اس ہجرت کی خبر ہوئی تو انہوں نے دارالندوہ میں ایک اجلاس منعقد کیا جس میں تمام قبائل کے سرداروں نے شرکت کی اور فیصلہ ہوا کہ نعوذ باللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کر دیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے اس منصوبۂ قتل کا علم تھا، اس لیے آپؐ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہیں۔ وہ صبح لوگوں کو لوٹا کر مدینے چلے آنا۔ اس طرح آپؐ رات کے اندھیرے میں گھر سے نکلے، دشمنوں کے نرغے کو چیرتے ہوئے، حضرت ابو بکرؓ کے گھر پہنچے اور وہاں سے روانہ ہو کر دونوں راتوں رات غارِ ثور میں پہنچ گئے۔ کفار نے آپؐ کا تعاقب کیا مگر اللہ تعالٰی آپؐ کے ساتھ تھا اس لیے ناکام رہے۔ آپؐ نے غارِ ثور سے نکل کر مدینہ کی طرف سفر جاری رکھا۔

اہل مدینہ کو آپؐ کی روانگی کا علم ہو چکا تھا، اس لیے سارا شہر سراپا انتظار تھا اور آپؐ کے قافلے کو دیکھ کر نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھا تھا۔ آپؐ نے اس سفر میں قبا کے مقام پر چودہ دن قیام فرمایا اور وہاں اسلام کی پہلی مسجد قبا تعمیر فرمائی۔ دو ہفتے قیام کرنے کے بعد آپؐ کی سواری شہر کے قریب پہنچی تو اہل مدینہ کی بچیوں نے یہ گیت گا کر آپؐ کا استقبال کیا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا	مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ	وداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہوا ہے۔ جب
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا	مَا دَعٰی لِلّٰہِ دَاعٍ	تک ایک دعا مانگنے والا بھی موجود ہے ہم پر لازم ہے کہ اللہ کا شکر ادا کریں۔

ہجرت مدینہ تاریخ اسلام کا بالعموم اور عہدِ رسالت کا بالخصوص اہم ترین واقعہ ہے۔ اس نے حالات کی کایا پلٹ دی۔ مسلمانوں کے لیے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ دورِ ابتلاء سے سرخرو ہو کر نکلے تو اللہ تعالٰی نے ان کے لیے فتح و

Marfat.com

کامرانی کے دروازے کھول دیے ہجرت کے واقعے کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے سن ہجری کا آغاز اسی واقعے سے ہوتا ہے اور مسلمانوں کی تاریخ پر درج ذیل اثرات مرتب ہوئے:

۱۔۔۔ مدینہ میں آکر مسلمانوں کی حیثیت حاکم قوم کی تھی۔ اس لیے اسلامی ریاست عالم وجود میں آئی جہاں پہلی مرتبہ اسلامی دستور اور قانون کا آغاز ہوا۔ گویا دین اسلام کی تکمیل کا سامان مہیا ہوا۔

۲۔۔۔ ہجرت مدینہ نے ایک مظلوم اقلیت کو ایک غالب اکثریت میں بدل دیا۔ یہاں مسلمانوں کو ایک ایسا ماحول میسر آیا جہاں وہ امن وسکون کی زندگی گزار سکتے تھے۔

۳۔۔۔ ہجرت نے اشاعت اسلام کی نئی راہیں کھول دیں۔ مکہ میں تیرہ سال کی انتھک کوششوں کے باوجود سعادت اسلام صرف چند خوش نصیبوں کے حصے میں آئی تھی مگر ہجرت کے بعد دس سال کے اندر اسلام کی روشنی عرب سے نکل کر ایران و روم تک پھیل گئی۔

۴۔۔۔ ہجرت نے بعض اہم اسلامی خصوصیات کو اجاگر کر دیا۔ مہاجرین اور انصار میں جو روابط قائم ہوئے اس سے ثابت ہوا کہ مسلمان کے لیے زندگی کی عزیز ترین متاع اس کا مذہب ہے جس کے سامنے دنیاوی ترغیبات ہیچ ہیں۔ دُنیا نے دیکھا کہ مسلم قومیت وطن اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔ اس لیے بلال حبشیؓ سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ مکہ کی عدنانی اور مدینہ کی قحطانی آبادی اخوت کی ایک ہی لڑی میں منسلک ہے۔

Marfat.com

۵ — میثاقِ مدینہ اور مواخات

ہجرت کے بعد یثرب مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام موسوم ہوا۔ اس میں چار بڑی بڑی قومیں قیام پذیر تھیں یعنی مہاجرین، انصار، منافقین اور یہود۔ یہود اپنے تموّل اور ثروت کی وجہ سے مدینہ میں صاحبِ اقتدار تھے۔ یہود کے مشہور قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ اگرچہ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد یہود کا پہلا سا اقتدار قائم نہ رہا تھا تاہم انصار کے مقابلہ میں انہیں اب بھی نمایاں مقام حاصل تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے خطرات محسوس کیا کرتے تھے مزید یہ کہ مدینہ جو اب مرکزِ اسلام بن چکا تھا اس پر باہر کے خطرات کے بادل بھی منڈلا رہے تھے کیونکہ بیرونی طور پر اہلِ مکہ اور اندرونی طور پر منافقین مدینہ کی طرف سے خدشہ تھا۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد یہود اور انصارِ مدینہ سے ایک معاہدہ کیا جسے تاریخ میں "میثاقِ مدینہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس معاہدے کی تفاصیل سیرۃ ابن ہشام میں درج ہیں۔ معاہدے کی اہم شرائط یہ تھیں:۔

۱ — خون بہا اور فدیہ کا قدیم طریقہ جاری رہے گا۔

۲ — یہود کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۳ — یہود اور مسلمانوں کے تعلقات دوستانہ ہوں گے اور لڑائی کی صورت میں ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۴ — کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔

۵ — مدینے پر حملہ ہوا تو دونوں فریق مل کر مدافعت کریں گے اور صلح میں بھی دونوں فریق شریک ہوں گے۔

۶ — جھگڑوں اور اختلافات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثالث تسلیم کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا شرائط معاہدہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں، مہاجرین اور انصار کو غالب اکثریت حاصل ہوچکی تھی اور مدینے کے امور میں ان کا قول فیصلہ کن حیثیت کا حامل تھا کیوں کہ اختلافات اور جھگڑوں کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثالث تسلیم کرنے کا منشا یہ ہوا کہ آپ کو مدینے کا حاکم تسلیم کر لیا گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو سیاسی قوت حاصل ہوئی جو بعد میں بہت سے امور میں مسلمانوں کی مددگار ثابت ہوئی۔

Marfat.com

یہ ایک حقیقت ہے کہ مہاجرین مکہ سے اس حالت میں نکلتے تھے کہ اکثر کے پاس تن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ مزید یہ کہ مدینہ میں رہائش کا مسئلہ بھی درپیش تھا کیونکہ مکہ سے آنے والے بے گھر مہاجرین اتنی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ کہ اپنے لیے علیحدہ علیحدہ مکانات تعمیر کرسکیں۔ نیز مہاجرین اور انصار کو باہم شیر و شکر کرنے کے لیے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات کا ادارہ قائم کیا اور اس کا عملی مظاہرہ کرکے دکھایا۔ مواخات کی اصل اخوۃ ہے اِس لفظ کا معنی باہمی بھائی چارہ ہے۔

مواخات اپنی قسم کی بالکل نئی روایت تھی جو عرب کی جنگوں سے بھری ہوئی زندگی میں نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی۔ مدینہ میں مسجدِ نبوی کی تعمیر ہو چکی تو آپؐ نے ایک دن سب مسلمانوں کو طلب فرمایا۔ پھر مجلس میں باری باری ایک مہاجر اور ایک انصار کو علیحدہ کرکے فرماتے جاتے کہ تم آپس میں بھائی ہو۔ اس طرح یہ نیا رشتہ "اخوت" استوار ہوا جس کی دنیا کے کسی مذہب یا معاشرے میں مثال نہیں ملتی۔ یہ رشتہ حقیقی اور خونی بھائیوں کے رشتے سے کسی طرح بھی کم نہیں تھا۔ ابتدا میں انصار بھائی کی وفات پر اس کے مہاجر بھائی کو حقیقی وارثوں کی طرح جائیداد سے حصہ ملتا تھا بعد میں جب مہاجرین کی اقتصادی حالت بہتر ہوگئی تو یہ طریقہ منسوخ کردیا گیا۔ اِسی رشتہ "مواخات" کا انصار نے عملی مظاہرہ کیا اور اصرار کیا کہ ان کی جائیداد کا نصف حصہ مہاجر بھائی لے لیں۔ بعض انصار نے اس حد تک قربانی پیش کی کہ اگر ان کی دو بیویاں تھیں تو انہوں نے پیش کش کی کہ ہم ایک کو طلاق دے دیتے ہیں اور مہاجر بھائی ان سے نکاح کرلیں۔ تاریخِ عرب خصوصًا اور تاریخِ عالم میں عمومًا یہ پہلی برادری تھی جس کی بُنیاد خون کی بجائے مذہب پر استوار ہوئی تھی۔

Marfat.com

۶۔ فتح مکّہ

بنو بکر اور بنو خزاعہ کی باہمی لڑائی کے بعد قریش نے مُعاہدہ حدیبیہ توڑنے کی شرط منظور کر لی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے عسکری تیاری شروع کر دی اور جملہ امور کو جنگی حکمت عملی کے پیشِ نظر پوشیدہ رکھا گیا۔ اُن تمام قبائل کو حالات سے
مُطّلع کر دیا گیا جو اس وقت مسلمانوں کے حلیف بن کر مدنی دولت مشترکہ میں شامل ہو چکے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
دس ہزار کا لشکرِ عظیم لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکّہ سے کچھ دُور اِسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ سپہ سالار اسلامی فوج نے جنگی
حکمتِ عملی کے پیشِ نظر فوج کو حکم دیا کہ فوج منتشر ہو کر پڑاؤ ڈالے اور تمام راستے الگ الگ آگ جلائیں۔

رات کے وقت جب اہلِ مکّہ نے اسقدر وسیع علاقے میں آگ کی روشنی دیکھی، تو وہ سراسیمہ ہو گئے۔ اہلِ مکّہ کی
طرف سے ابو سفیان تحقیقِ احوال کے لیے آیا تو اسے خیمۂ نبوی کے محافظوں نے گرفتار کر لیا، جس نے دربارِ رسالتؐ میں
حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح سے لشکرِ اسلام جنگ کے بغیر فاتحانہ انداز میں مکّہ میں داخل ہو گیا۔

مکّہ میں اسلامی لشکر کے داخلے سے پہلے یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا، ابو سفیان کے ہاں پناہ
لے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا، اسے امن دیا جائے گا۔ اِس اعلان کے بعد اسلامی لشکر مختلف دستوں کی شکل میں
مختلف اطراف سے مکّہ میں داخل ہوا تو اہلِ مکّہ کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ عکرمہ اور صفوان نے چند نوجوانوں کے
ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ کے دستے کو روکنا چاہا اور دو مُسلمانوں کو شہید کر دیا۔ اس پر حضرت خالد بن ولیدؓ نے مقابلے کا
حکم دیا تو کفار مقتول چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مکّہ میں داخل ہونے کے بعد توحید کے داعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ خانہ کعبہ کو
۳۶۰ بتوں سے پاک کر کے پوری انسانیت کے لیے خالص توحید کا محور اور مرکز بنا دیا۔ جب آپؐ خانہ کعبہ سے بُت ہٹا
رہے تھے تو اس وقت آپؐ کی زبانِ مبارک پر قرآنِ حکیم کی یہ آیت تھی۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ — حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل اسی لیے ہے کہ وہ مٹا دیا جائے۔

بیت اللہ کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کرنے کے بعد آپؐ نے حرمِ کعبہ میں خطبہ دیا جس کا ایک حصّہ یہ ہے

Marfat.com

اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اپنے بندے کی مدد کی، تمام فوجوں کو شکست دی۔

جملہ مفاخر، انتقام اور خون بہا میرے قدموں کے نیچے ہیں صرف بیت اللہ کی تولیت اور حجاج کو پانی پلانے کا شعبہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

خطبے کے بعد آپؐ نے مجمع کی طرف دیکھا سامنے وہ لوگ تھے جن کے دامن پر عداوت اسلام کے سینکڑوں دھبے تھے، حضورؐ کا ایک اشارہ ان کی گردن اُڑانے کے لیے کافی تھا۔ لیکن رحمتِ عالم کے سیل کرم کی ایک ہی موج ان کی سیاہ کاریوں کو بہا کر لے گئی۔ آپؐ نے فرمایا "آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں۔ جاؤ تم آزاد ہو۔"

فتح مکہ سے عرب میں تبلیغ اسلام کی آخری رکاوٹ بھی ختم ہوگئی۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فقید المثال حسنِ سلوک نے قریش کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ دیگر قبائل عرب نے بھی ان کی تقلید کی اور لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے اور قلیل عرصے میں اسلام سارے عرب کا واحد دین بن گیا ۔ اب خانہ کعبہ میں بُتوں کی بجائے خدائے ذوالجلال وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہوتی تھی اور انسانیت ایک طبعی دین کی پیرو تھی۔

جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو وہ دعوت اسلامی کے نقطۂ نظر سے ہم کو چار بڑے نمایاں ادوار پر منقسم نظر آتی ہے۔

پہلا دور آغازِ بعثت سے لے کر اعلان نبوت تک تقریباً ۳ سال جس میں دعوت خفیہ طریقہ سے خاص خاص آدمیوں کو دی جا رہی تھی اور عام اہل مکہ کو اس کا علم نہ تھا۔

دُوسرا دَور اعلان نبوّت سے لے کر ظلم و ستم اور فتنہ کے آغاز تک تقریباً ۲ سال جس میں پہلے مخالفت شروع ہُوئی پھر اُس نے مزاحمت کی شکل اختیار کی۔ پھر تضحیک، استہزاء، الزامات، سب و شتم جھوٹے پروپگنڈے اور مخالفانہ جتھہ بندی تک نوبت پہنچی۔ بالآخر ان مسلمانوں پر زیادتیاں شروع ہوگئیں جو نسبتاً زیادہ غریب، کمزور اور بے یار و مددگار تھے۔

تیسرا دور، آغاز فتنہ (۵ ؁ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) سے لے کر ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۱۰ ؁ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک تقریباً پانچ چھ سال۔ اس میں مخالفت انتہائی شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ بہت سے مسلمان کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان اور باقی ماندہ مسلمانوں کا معاشی و معاشرتی مقاطعہ کیا گیا۔ آپؐ اپنے حامیوں اور ساتھیوں سمیت شعب ابی طالب میں محصُور کر دیئے گئے۔

Marfat.com

یہ جو تھا دور سنہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ۱۳ سنہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک تقریباً ۱۳ سال۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کے لیے انتہائی سختی و مصیبت کا زمانہ تھا۔ مکہ میں آپؐ کے لیے زندگی دو بھر کر دی گئی تھی۔ طائف گئے تو وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ حج کے موقعے پر عرب کے ایک ایک قبیلہ سے آپؐ اپیل کرتے رہے کہ وہ آپؐ کی دعوت قبول کرے اور آپؐ کا ساتھ دے مگر ہر طرف سے کورا جواب ہی ملتا رہا۔ ادھر اہلِ مکہ بار بار یہ مشورے کرتے رہے کہ آپؐ کو قتل کر دیں یا قید کر دیں یا اپنی بستی سے نکال دیں۔ آخر کار اللہ کے فضل سے انصار کے دل اسلام کے لیے کھل گئے اور اُن کی دعوت پر آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

مدینہ پہنچ کر اسلامی دعوت ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گئی۔ مکہ میں تو معاملہ صرف اصولِ دین کی تبلیغ اور دین قبول کرنے والوں کی اخلاقی تربیت تک محدود تھا مگر جب ہجرت کے بعد عرب کے مختلف قبائل کے وہ سب لوگ جو اسلام قبول کر چکے تھے ہر طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہونے لگے اور انصار کی مدد سے ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست کی بُنیاد پڑ گئی تو اللہ تعالیٰ نے تمدن، معاشرت، معیشت، قانون اور سیاست کے متعلق بھی اصولی ہدایات نازل فرمانا شروع کیں اور یہ بتایا کہ اسلام کی اساس پر یہ نظامِ زندگی کس طرح تعمیر کیا جائے۔

ہجرت کے بعد اسلام اور کفر کی کشمکش بھی ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گئی۔ ہجرت سے پہلے اسلام کی دعوت خود کفر کے گھر میں دی جا رہی تھی اور متفرق قبائل سے جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے وہ اپنی اپنی جگہ رہ کر ہی دین کی تبلیغ کرتے اور اس کے جواب میں ظلم کا نشانہ بنتے تھے۔ مگر ہجرت کے بعد جب یہ منتشر مسلمان مدینہ میں جمع ہو کر ایک منظم جماعت بن گئے اور اپنے دین کی اساس پر ایک چھوٹی سی آزاد ریاست بھی قائم کر لی تو اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو کام تھا اُسے تین بڑے بڑے شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک اس نئی منظم اسلامی سوسائٹی کا نشو و نما جس کی بناء ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ اور اس کے اطراف و جوانب میں پڑ چکی تھی۔ اس میں جاہلیت کے پُرانے طریقوں کو مٹا کر اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت اور تدبیرِ مملکت کے نئے اصول رائج کیے جا رہے تھے۔ دُوسرے اس کشمکش کا مقابلہ جو مشرکینِ عرب، یہودی قبائل اور منافقین کی مخالفِ اصلاح طاقتوں کے ساتھ پُوری شدت سے جاری تھی۔ تیسرے اسلام کی دعوت کو ان مزاحم طاقتوں کے علی الرغم پھیلانا اور مزید دلوں اور دماغوں کو مسخر کرنا اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس موقع پر جتنے احکام نازل کیے گئے وہ سب انہی تین شعبوں سے متعلق ہیں۔

اسلامی سوسائٹی کی تنظیم کے لیے سورۂ بقرہ میں جو ہدایات دی گئی تھیں اب یہ سوسائٹی ان سے زائد ہدایات

Marfat.com

کی طالب تھی اس لیے سورۂ نسار کے ان خطبوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ مُسلمان اپنی اجتماعی زندگی کو اسلام کے طریق پر کس طرح درست کریں۔ خاندان کی تنظیم کے اصول بتلائے گئے۔ نکاح کے لیے بعض شرائط عائد کی گئیں۔ معاشرت میں عورت اور مرد کے تعلقات کی حد بندی کی گئی، یتیموں کے حقوق معین کیے گئے۔ وراثت کی تقسیم کا ضابطہ مقرر کیا گیا۔ معاشی معاملات کی درستی کے متعلق ہدایات دی گئیں، خانگی جھگڑوں کی اصلاح کا طریقہ سکھایا گیا تعزیری قانون کی بنا ڈالی گئی، شراب نوشی پر پابندی عائد کی گئی، طہارت و پاکیزگی کے احکام دیئے گئے۔ مسلمانوں کو بتایا گیا کہ ایک صالح انسان کا طرزِ عمل خدا اور بندوں کے ساتھ کیسا ہونا چاہیئے۔ مُسلمانوں کے اندر جماعتی نظم و ضبط (ڈسپلن) قائم کرنے کے متعلق ہدایات دی گئیں۔ اہل کتاب کے اخلاقی و مذہبی رویے پر تبصرہ کر کے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ اپنی ان پیش رو اُمتوں کے نقشِ قدم پر چلنے سے پرہیز کریں۔ منافقین کے طرزِ عمل پر تنقید کر کے سچی ایمانداری کے مقتضیات واضح کیے گئے اور ایمان و نفاق کے امتیازی اوصاف کو بالکل نمایاں کر کے رکھ دیا گیا۔ ؎

مدنی زندگی میں ان قوانین و احکام کی تعلیم دی گئی جو آگے چل کر مُسلم معاشرے میں نافذ ہونے والے تھے۔ ۲۳ سال کی قلیل مدت میں آپ نے اپنی تعلیم و تبلیغ سے اس قوم کے مختلف عناصر کو اس طرح جوڑ دیا کہ یہ قوم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ یہ قوم صرف اپنے اندر متحد و منظم ہی نہیں ہو گئی بلکہ پوری انسانیت کو اتحاد و تنظیم اور امن کا پیغام دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو گئی۔ اس کے اندر حکم اور اطاعت دونوں چیزوں کی ایسی اعلیٰ اہلیت پیدا ہو گئی کہ صرف استعارے کی زبان میں نہیں بلکہ واقعتہً یہ قوم شتربانی کے مقام سے اُٹھ کر جہاں بانی کے مقام پر پہنچ گئی جس نے ساری دُنیا کو سیاست و جہاں بانی کی صحیح روش دکھائی۔ آپ کی تعلیم اور ہمہ پہلو تربیت نے دُنیا کی قوموں میں ایک قوم کا اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ اس کے نتیجے میں ایک بہترین اُمت ظہور میں آئی جس کی تعریف خالقِ حقیقی نے یوں کی :-

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ	تم انسانی معاشرے میں بہترین اُمت ہو
لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ	لوگوں کی بھلائی کے لیے نکالی گئی ہو، اچھائی
وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ	کا حکم دیتی ہے اور غلط بات سے روکتی ہے۔

؎ تفہیم القرآن ص ۳۱۷ - ۵۲۲

Marfat.com

۷ — حجۃ الوداع

فتح مکّہ اور تطہیرِ کعبہ کے بعد اگرچہ آپؐ نے عمرہ ادا فرمایا تھا، لیکن ابھی تک باقاعدہ حج نہیں کیا تھا۔ وحیٔ الٰہی کے لطیف اشاروں اور تکمیلِ دین کی خوشخبری سے یہ اندازہ ہو چلا تھا کہ آپؐ کی زندگی کا مشن تکمیل پذیر ہو چکا ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ آپؐ مجمعِ عام میں اسلام کے بنیادی اصُول اور مسائلِ حج بیان فرمائیں چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اِس سال حج میں شرکت فرمائیں گے اِس خبر کا پھیلنا تھا کہ ہر طرف سے مسلمانوں کا سیلاب امڈ آیا۔ اِس حجِ اکبر میں کم و بیش سوا لاکھ فرزندانِ توحید نے شمولیت کا شرف حاصل کیا۔

یہ حج ۱۰ھ ہجری میں ادا ہوا اور تاریخ اسلام میں "حجۃ الوداع" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ وہ واحد اور منفرد حج ہے۔ جو فرضیتِ حج کے بعد حضور علیہ السّلام نے ادا فرمایا۔ اسلام کا رکن ہونے کی حیثیت سے نہ اس سے پہلے حج کیا اور نہ بعد میں۔ "حجۃ الوداع" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضور علیہ السّلام نے اپنے منیٰ اور یوم عرفہ کے خطبات میں مسلمانوں کو وداع (خداحافظ) کہہ دیا تھا۔

اسی حج کے دوران میں آپؐ نے ۹ ذوالحجہ کو ظہر کے بعد اونٹنی پر سوار ہو کر عرفات کے میدان میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ جسے "خطبۂ حجۃ الوداع" کہا جاتا ہے۔ یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ اور عطر ہے اور پوری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ذیل میں اس خطبے کے اہم نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

۱ — جاہلیت کے تمام دستور میرے قدموں کے نیچے ہیں۔

۲ — عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے۔

۳ — ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تم مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہو۔

۴ — جو خود کھاؤ وہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی انہیں پہناؤ۔

۵ — جاہلیت کے تمام خون اور انتقام باطل کر دیے گئے۔ سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے ربیعہ بن حارث کا خون باطل کرتا ہوں۔

۶ — جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیے گئے۔ سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سُود یعنی عباس بن عبدالمطلب

Marfat.com

کا سُود باطل کرتا ہوں۔

۷۔۔۔ عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔

۸۔۔۔ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو قیامت تک اسی طرح محترم ہے جس طرح اس دن اِس مہینہ اور اِس شہر میں محترم ہے۔

۹۔۔۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں تم نے اسے مضبُوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے وُہ چیز قرآنِ حکیم ہے۔

۱۰۔۔۔ خدا نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا۔ اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

۱۱۔۔۔ جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی نسل سے ہونے کا دعوٰی کرے اور جو غلام اپنے مولا کے علاوہ کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اِس پر خدا کی لعنت۔

۱۲۔۔۔ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وُہ اپنے شوہر کے مال میں سے اِس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے۔

۱۳۔۔۔ امانت واپس کی جائے گی۔ عطیہ لوٹایا جائے گا۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔

۱۴۔۔۔ ہر مجرم اپنے جرم کا ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔

۱۵۔۔۔ اگر حبشی غلام تمہارا امیر ہو جائے اور تمہیں خُدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت کرو۔

۱۶۔۔۔ اپنے پروردگار کی عبادت کرو، پانچوں وقت کی نماز ادا کرو۔ ایک ماہ کے روزے رکھو اور میرے احکام کی اطاعت کرو۔ تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہوگے۔

ان الفاظ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ میں نے پیغامِ الٰہی پہنچا دیا؟ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا "ہاں"! اِس پر آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر تین بار فرمایا "اے خدا! تو گواہ رہنا"۔

بلاشبہ یہ خطبہ انسانی تہذیب و تمدن کے اصُول، حقوق انسانی کے تحفظ، عالمی امن کی تدابیر، رواداری اور بھائی چارے کے طریقوں، عدل و انصاف کی تجویزوں اور اخوت و مساوات کی ہدایتوں کا جامع اور مثالی منشور ہے۔ وقت اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ حکومتوں کے وضع کردہ قوانین، منشور اور اصلاحات بے اثر اور بے معنی ہو جاتی ہیں۔ حالات و واقعات کا تغیر ان میں شکست و ریخت کرتا رہتا ہے۔ بہتر سے بہتر قانون اور منشور اس کے بنانے والوں کو ایک دن بے فائدہ اور بے اثر دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اِس کے برعکس ہادیٔ برحق کا عطا کردہ خطبہ حجۃ الوداع منشورِ انسانی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس کی تعلیمات ابدی اور پوری انسانیت کے لیے ہیں۔ جن کی حکمتیں ہر آنے والی نسل پر عیاں ہوتی رہیں گی۔

Marfat.com

اس وقت دُنیا میں انسان باہم برسرِ پیکار ہے اور تباہ کن ہتھیاروں کی وجہ سے انسانیت تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے۔ اِس لیے اس وقت حقوقِ انسانی، عالمی امن، بین الاقوامی رواداری اور قانون کی بالادستی جیسے اصُول اپنانے پر زور دیا جا رہا ہے جب کہ نبیٔ آخر الزّمان صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک ایسا انسانی منشور عطا فرمایا جس پر عمل کر کے ہم نہ صرف آج کے مسائل حل کر سکتے ہیں، بلکہ بعد میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل بھی اسی میں موجود ہے۔

Marfat.com

۸۔ وصالِ نبوی ؐ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا مشکل ترین مشن حسن وخوبی کے ساتھ مکمل کر دیا تھا۔ آپؐ کے مشن کا ہدف صرف عرب نہیں بلکہ ساری انسانیت تھی اور صرف عقائد و عبادات نہیں بلکہ آپؐ نے زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل انقلاب پیدا کر دیا۔ تاریخ انسانی اس بات پر شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر تعلیمات آج تک کسی نے نہیں دیں۔

آپؐ تبلیغ اسلام کے لیے ۲۳ سال تک انتھک کوشش کرتے رہے۔ زندگی کے آخری ایام میں آپؐ نے مکہ کا طویل سفر کیا تاکہ فریضۂ حج ادا کر سکیں۔ اسی سفر کے دوران میں اللہ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا:

آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتوں کی بھی تکمیل کر دی اور تمہارے واسطے اسلام ہی کو دین پسند کیا" (۳/۵)

یہ آپؐ کی رخصت کا اعلان تھا جو آپؐ کے لیے مسرت و اطمینان کا باعث تھا۔ اس حج کے بعد جس میں آپؐ نے رہتی دنیا تک کے لیے انسانی حقوق کے عظیم منشور کا اعلان کیا۔ جب آپؐ مدینہ واپس پہنچے تو جلد ہی مرض الوفات نے آپؐ کو آلیا۔ مرض کا آغاز دردِ سر سے ہوا۔ جب مرض زیادہ بڑھ گیا تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ امامت کے فرائض سنبھال لیں۔ ایک مرتبہ طبیعت کچھ سنبھلی تو مسجد میں تشریف لائے اور پُراثر خطبہ دیا جسے سن کر صحابہؓ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اس خطبے میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب آپؐ اس دنیا سے کنارہ کشی فرمانے والے ہیں۔ فرمایا:

" اللہ کا ایک بندہ تھا جسے اللہ نے انتخاب کا اختیار دیا اور اس نے رفیقِ اعلیٰ کا انتخاب کیا"۔

اس عظیم خطبے میں آپؐ نے قبروں کو پوجنے کی سخت ممانعت فرمائی:

" جو لوگ پیغمبروں کی قبروں کو پوجتے ہیں ان پر خدا کی مار ہے۔ میرے بعد میری قبر کو بت میں تبدیل نہ کر دینا جس کی لوگ پرستش کریں"۔

ایک دن طبیعت بہتر محسوس ہوئی تو حجرے سے باہر گئے اور یہ دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ وصال سے قبل چہرے پر کچھ اطمینان کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ اللہ کے آخری رسولؐ اور دین اسلام کے عظیم داعی نے ۶۳ سال کی عمر مبارک میں اس دنیائے فانی سے کوچ فرمایا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

۹۔ خود آزمائی

۱۔ درج ذیل سوالات کے جوابات تحریر کیجیے:

(ا) سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟

(ب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی یک کھلی ہوئی کتاب ہے تبصرہ کیجیے۔

(ج) شقِ صدر کے بارے میں اپنی معلومات تحریر کیجیے

(د) حضور علیہ السلام کے والد، والدہ اور دادا کی وفات کے وقت آپؐ کی عمر تحریر کیجیے

(ھ) بحیرہ راہب نے حضور علیہ السلام کے بارے میں کیا کہا تھا؟

(و) حربِ فجار پر نوٹ لکھیے

(ز) خانہ کعبہ میں حجرِ اسود نصب کرنے کے لیے حضور علیہ السلام نے کیا حکمتِ عملی اپنائی؟

۲۔ نیچے دیے گئے الفاظ میں سے صحیح جواب سے خالی جگہ پُر کیجیے:

(ا) جمہور علماء کے نزدیک آپؐ کی پیدائش .... کو ہوئی۔

۸ ربیع الاوّل —— ۹ ربیع الاوّل —— ۱۲ ربیع الاوّل

(ب) آپؐ کا اسم مبارک .... نے رکھا۔

حضرت آمنہؓ —— حضرت عبدالمطلب —— حضرت حلیمہ سعدیہؓ

(ج) آپؐ کو سب سے پہلے .... نے دُودھ پلایا۔

حضرت ثوبیہؓ —— حضرت حلیمہ سعدیہؓ —— حضرت آمنہؓ

(د) رسول اللہ بنی سعد میں .... مقیم رہے۔

چھ سال —— چار سال —— تین سال

(ھ) حضرت خدیجہ سے شادی کے وقت حضورؐ کی عمر .... برس تھی۔

چالیس سال —— پچیس سال —— تیرہ سال

Marfat.com

۳۔ مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر فرمایئے

(ا) پہلی وحی کب اور کہاں نازل ہوئی ؟

(ب) دار ارقم کو اسلام میں کیا اہمیت حاصل ہے ؟

(ج) خفیہ تبلیغ کے دَور میں کتنے خوش نصیبوں نے اسلام قبول کیا ؟

(د) کوہ صفا کا واقعہ بیان کیجئے۔

(ھ) تبلیغ کے بُنیادی اصُول بیان کیجئے۔

۴۔ مناسب جواب منتخب کیجئے۔

(ا) پہلی وحی کس مقام پر نازل ہوئی؟

غارِ ثور —— غارِ حرا —— بیت اللہ

(ب) خفیہ تبلیغ کے دَور میں کس کے کردار سے بڑی مدد ملی ؟

حضرت علیؓ —— حضرت خدیجہؓ —— حضرت ابو بکرؓ

(ج) قریش کی دعوت میں کس نے حضوؐر کی مدد کا وعدہ کیا ؟

حضرت ابو بکرؓ —— ابولہب —— حضرت علیؓ

۵۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات لکھیئے۔

(ا) ہجرت کا لُغوی اور اصطلاحی معنی بیان کیجئے۔

(ب) ہجرتِ حبشہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟

(ج) ہجرتِ مدینہ کے فوری اسباب کیا تھے ؟

(د) ہجرتِ مدینہ کے واقعات بیان کیجئے۔

(ھ) تاریخ اسلام میں ہجرت کی کیا اہمیت ہے ؟

۶۔ خالی جگہوں کو پُر کیجئے۔

(ا) حبشہ کی طرف دوسری مرتبہ .... افراد نے ہجرت کی۔

(ب) ہجرت کے وقت حضور علیہ السّلام نے .... میں قیام کیا۔

Marfat.com

(ج) اسلام کی پہلی مسجد ---------- میں تعمیر ہوئی۔

۷ــــ سوالات کے جوابات مطلوب ہیں :

(ا) میثاقِ مدینہ کی وجوہ تحریر کیجئے۔

(ب) میثاقِ مدینہ میں کن شرائط کا ذکر ہے ؟

(ج) مواخات سے کیا مُراد ہے۔ یہ کس طرح سے عمل میں آئی ؟

(د) میثاقِ مدینہ کی رُو سے کون ثالث مقرر ہوئے ؟

۸ــــ سوالات کے جوابات تحریر کیجئے :

(ا) فتح مکہ کے وقت کن لوگوں کو امان دینے کا اعلان ہوا ؟

(ب) فتح مکہ کے وقت نبیِ رحمت نے اہل مکہ کو کن الفاظ سے معاف فرمایا ؟

(ج) حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے۔

(د) خطبہ حجۃ الوداع کا خلاصہ لکھیئے۔

(ھ) خطبہ حجۃ الوداع کو اسلامی منشور کہا جاتا ہے۔ وضاحت کیجئے۔

۹ــــ خالی جگہوں کو صحیح جواب سے پُر کیجئے :

(ا) فتح مکہ کے وقت اسلامی لشکر ---------- افراد پر مشتمل تھا۔

پچیس ہزار ــــ پندرہ ہزار ــــ دس ہزار

(ب) فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ میں ---------- بُت تھے۔

۳۹۰ ــــ ۳۴۰ ــــ ۳۶۰

(ج) حجۃ الوداع میں شرکاء کی تعداد ---------- افراد تھی۔

تین لاکھ ــــ اڑھائی لاکھ ــــ سوا لاکھ

(د) خطبہ حجۃ الوداع ---------- میں دیا گیا۔

خانہ کعبہ ــــ میدان عرفات ــــ جبل نور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

بیشک آپ کے ــــ اخلاق بہترین ہیں۔

یوسفی ۱۴۰۱

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاق

(حدیث نبوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مجھے مبعوث کیا گیا مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یونٹ (۷)

اسلام کی اخلاقی اقدار

(فضائلِ اخلاق)

تحریر
قاضی منیب احمد

Marfat.com

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ یہ جان لیں گے کہ:

۱ــــ تعلیم کا مقصود حسنِ اخلاق ہے۔

۲ــــ اسلام نے تمام مذاہب عالم سے زیادہ اخلاق پر زور دیا ہے۔

۳ــــ انفرادی اور اجتماعی اُمور میں اخلاق بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

۴ــــ قرآنِ کریم اور احادیثِ رسولؐ میں جامع اخلاقی نظام موجود ہے۔

Marfat.com

فہرست

	صفحہ
۱۔ اسلام کی اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف	۱۸۴
۱.۱ اسلام میں اخلاق کی اہمیت	
۱.۲ اسلامی تصورِ اخلاق کی خصوصیات	
۱.۳ فضائل اخلاق	
۲۔ تقویٰ	۱۸۷
۲.۱ تقوے کے درجات	
۲.۲ تقوے کے فوائد	
۳۔ صدق	۱۹۰
۳.۱ صدق کی اقسام	
۴۔ ایفائے عہد	۱۹۳
۴.۱ عہد کی اقسام	
۴.۲ ایفائے عہد کے فضائل	
۵۔ عدل و انصاف	۱۹۶
۵.۱ عدل کی اقسام	
۵.۲ عدل کے فضائل و ثمرات	

	صفحہ
۶۔ احسان	۲۰۰
۶.۱ احسان کی اہمیت	
۶.۲ مراتبِ احسان	
۶.۳ فضائلِ احسان	
۷۔ صبر	۲۰۳
۷.۱ صبر کی قسمیں	
۷.۲ صبر کی اہمیت	
۷.۳ صبر کے فضائل و برکات	
۸۔ کسبِ حلال	۲۰۶
۸.۱ کسبِ حلال کے فضائل	
۹۔ والدین کا احترام	۲۰۸
۱۰۔ جامع الاخلاق	۲۱۰
۱۰.۱ قرآن میں اصولِ اخلاق	
۱۰.۲ احادیث میں اصولِ اخلاق	
۱۱۔ خود آزمائی	۲۱۲

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ اسلام کی اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف

بقول ارسطو! "انسان ایک معاشرتی جانور ہے"۔ ماں کے پیٹ سے لے کر موت تک اس کو زندگی گزارنے کے لیے مختلف رابطوں اور تعلقات کی ضرورت ہوتی ہے۔ "جسے معاشرے کی حاجت نہ ہو وہ خدا ہے یا درندہ، انسان نہیں"۔ چنانچہ انسان حقوق و فرائض کے ایک دائرے میں محصور اور مقیّد ہے۔ کسی بھی فرد کو دوسرے فرد یا معاشرے کے ساتھ تعلقات درست بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ قانون اور اخلاق۔ ان دونوں میں زیادہ اہم چیز اخلاق ہے یہی وجہ ہے کہ مغربی معاشرے میں جہاں اخلاق سے زیادہ قانون کا سہارا لیا جاتا ہے، وہاں اگر کسی وقت قانون کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے تو معاشرہ افراتفری کا شکار ہو جاتا ہے اس کے مقابلے میں وہ معاشرہ جس کی بنیادیں اچھے اخلاق پر قائم ہوں، وہاں قانون کے بغیر بھی لوگ برائیوں سے دور رہتے ہیں۔ آیئے اخلاق کے معنی پر غور کریں اور یہ دیکھیں کہ اچھے اور بُرے اخلاق کا میعار کیا ہے؟

اخلاق خلق کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں عادت۔ اصطلاح میں اُس عادت کو کہتے ہیں جس میں پختگی پیدا ہو جائے، وہ اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بُری بھی۔ امام غزالیؒ احیاالعلوم میں اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"خُلق نفس کی اُس ہیئتِ راسخہ کا نام ہے جس سے تمام افعال صادر ہوں۔ اگر افعال عقلاً و شرعاً عمدہ اور قابلِ تعریف ہوں تو اس ہیئت کو خُلقِ حسن اور اگر بُرے اور قابلِ مذمت ہوں تو بدخلقی کہتے ہیں۔"

اسلامی نقطۂ نظر سے انسان اپنی پیدائش اور اصل فطرت کے لحاظ سے بدخُلق اور گناہ گار نہیں بلکہ فطرتاً سادہ اور پاک ہے اور اس کی فطرت میں ہدایت اور راستی رکھی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا	اور تم لوگ اللہ کی دی ہوئی اس قابلیت صلاحیت کی پیروی کرو جس قابلیت پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا۔ (الروم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كل مولود يولد على الفطرة فأبواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه

ہر بچہ اصل فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اُس کے والدین یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

(بخاری، کتاب الجنائز)

مذکورہ آیت اور حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان کے اندر اخلاق اچھائی ایک فطری ملکہ ہے جس کی بنا پر وہ بعض صفات کو پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند۔ انسانوں کا تعلق خواہ کسی قوم یا مذہب سے ہو، تمام انسانیت نے فطری شعور کے باعث بعض اخلاق پر ہمیشہ اچھائی کا اور بعض پر ہمیشہ برائی کا حکم لگایا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ظلم، جھوٹ ناانصافی اور خیانت کو ہمیشہ بُری نظر سے دیکھا گیا ہے، جبکہ عدل، سچائی، انصاف اور امانت داری کو ہمیشہ بنظرِ تحسین دیکھا گیا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انسانی اخلاقیات وہ عالمگیر حقیقتیں ہیں جن کا تمام انسان اعتراف کرتے چلے آئے ہیں۔ قرآنِ کریم کی آیات بھی اس حقیقت کا اظہار کرتی ہیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا

اللہ نے انسان کو بُرائی اور بھلائی سے الہامی طور پر واقف کر دیا ہے۔ (الشمس)

۱-۱ اسلام میں اخلاق کی اہمیت

دُنیا کے تمام مذاہب نے اپنی بُنیاد اخلاق پر رکھی ہے لیکن اسلام نے اخلاقیات پر جتنا زور دیا ہے، دُوسرے کسی مذہب میں نہیں دیا گیا۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء اس دُنیا میں تشریف لائے، اُنھوں نے ہمیشہ اچھے اخلاق کی تعلیم دی اور بُرے اخلاق سے اپنی اُمّت کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ عقائد وعبادات کے بعد تعلیماتِ اسلامی میں اخلاقیات کا درجہ آتا ہے بلکہ اخلاق کو بعض لحاظ سے عبادات سے بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حقوق العباد میں اخلاق کوتاہی کی معافی اپنے ہاتھ میں لینے کے بجائے اُس بندے کے ہاتھ میں رکھی ہے جس کی حق تلفی کی گئی ہو۔

۲-۱ اسلامی تصورِ اخلاق کی خصوصیات

اسلامی تصورِ اخلاق کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو اس کو دُوسرے مذاہب کے تصورِ اخلاق سے ممتاز کرتی ہیں۔ ہم آپ کے لیے صرف دو اہم خصوصیات کا ذکر کریں گے:

Marfat.com

___ اسلام اخلاصِ نیت اور رضائے الٰہی کو ہر عملِ صالح کا محور اور مرکزی نقطہ قرار دیتا ہے۔ یہی شرط اخلاقیات کو عبادات کے درجے تک پہنچاتی ہے اور انسان کے اندر قوانینِ اخلاق پر عمل کرنے کا حقیقی جذبہ پیدا کرتی ہے۔

___ اسلامی تصورِ اخلاق میں اتنی جامعیت اور ہمہ گیری ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق اخلاقی تعلیمات موجود نہ ہوں۔

قرآنِ مجید علم و اخلاق کی ایک حکیمانہ کتاب ہے۔ اسلام نے اخلاق، فلسفۂ اخلاق اور شخصی و قومی اخلاق پر مفصل بحث کی ہے اور تعلیمِ اخلاق کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد قرار دیا تھا۔ چنانچہ آپؐ کی بعثت اخلاقیات میں بھی تکمیلی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآنِ مجید اس کی شہادت اِن الفاظ میں دیتا ہے:

"وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" بیشک آپؐ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں
(سورۃ القلم)

خود آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے۔

"بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ"

ایک حدیث میں اچھے اخلاق کو ایمان کی تکمیل کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا

۱-۳ ___ فضائلِ اخلاق

اس سلسلے میں چند احادیث مزید ملاحظہ کیجیے۔

___ "لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو"

___ "قیامت کے دن مومن کے میزانِ عمل میں کوئی چیز اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری نہیں ہوگی"

___ اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو تم میں سب سے بہتر اخلاق کا حامل ہوگا۔

___ آدمی اپنے اچھے اخلاق کی بدولت بسا اوقات وہ درجہ پا لیتا ہے جو دن میں روزہ رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

Marfat.com

۲ ــــ تقویٰ

لغت میں لفظ تقویٰ کے کئی معنی ہیں۔

۱ ڈرنا۔

۲ بچنا۔

۳ پرہیز کرنا۔

اس کے ہم معنی لفظ اتقاء اور تقاۃ ہیں۔

اصطلاح میں دل کی ایک خاص کیفیت کا نام تقویٰ ہے جس کی بنا پر انسان میں خدا کے حکم کے مطابق نیک عمل کی رغبت اور بُرے عمل سے شدید نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں لفظ خشیت اور حدیث میں ورع کا لفظ اور اردو میں اللہ کا خوف اسی مفہوم کی ادائیگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تقویٰ انسان کو ہر لمحے اللہ کا خوف پیدا کر کے برائی سے باز رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کعب احبار سے کہا کہ تقویٰ کی تعریف بتایئے۔ اُنھوں نے پوچھا کہ آپ کبھی خاردار راستے پر چلے ہیں؟ فرمایا ہاں۔ پھر پُوچھا کہ آپ نے کیا طریقہ اختیار کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے حفاظت کی اور اپنے کپڑے سمیٹ کر چلا۔ حضرت کعب نے کہا کہ یہی تقویٰ ہے۔ اسی قسم کی روایت حضرت ابُوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔

دُنیاوی زندگی ایک خاردار جنگل کی طرح ہے۔ اگر کوئی شخص خود کو غلط راہوں سے بچاتا ہُوا گزر جاتے تو وہ متقی ہے۔

تقویٰ کو اسلامی اخلاق میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں حصولِ تقویٰ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا عبادات کا مقصود اور غرض و غایت انسان میں تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ اس کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں لگایئے۔

۱ ــــ قرآن کریم متقیوں کے لیے ہدایت کی کُنجی ہے۔ (البقرہ)

۲ ــــ عبادات کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ ہمارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ (البقرہ)

۳ ــــ روزے کا مقصود بھی حصُولِ تقویٰ ہے۔ (البقرہ)

Marfat.com

۴ ــــ قربانی بھی تقویٰ کے حصول کے لیے ہے۔ (سورہ حج)

۵ ــــ شعائر حج کا احترام بھی تقویٰ کی دلیل ہے۔ (سورہ حج)

۶ ــــ لباسوں میں سب سے بہتر لباس بھی تقویٰ ہی کا ٹھہرا۔ (اعراف)

۷ ــــ عظمت و فضیلت کا معیار بھی تقویٰ ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ (الطور)

۸ ــــ جنت اور اس کی نعمتوں کا وعدہ بھی اہل تقویٰ ہی کے لیے ہے۔ (الذاریات)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حصول تقویٰ پر بہت زور دیا ہے۔ آپؐ کا شاید ہی کوئی خطبہ تقویٰ کی اہمیت سے خالی ہوتا ہو۔ حجۃ الوداع کے موقع پر لاکھوں انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"خوب سن لو کہ کسی عربی کو عجمی پر، کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر کسی کو فضیلت حاصل ہے تو صرف تقویٰ کے سبب" (بخاری)

۱-۲ تقوے کے درجات

امام بیضاوی نے تقوے کے تین مراتب ذکر کیے ہیں:

۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے: اللہ کے عذاب سے ڈر کر توحید خالص اختیار کرنا اور شرک سے بچنا یعنی ایمان لانا۔

متوسط درجہ یہ ہے: ہر کبیرہ صغیرہ گناہ سے بچنا۔

اعلیٰ درجہ یہ ہے: ہر اس چیز سے بچنا اور لاتعلق رہنا جو قلب کو یاد الٰہی سے غافل کردے۔

مقام تقویٰ اور صفات متقین

تقویٰ کا گھر انسان کا دل ہے اور اعضا و جوارح اس کے وجود یا عدم وجود کی دلیل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"آگاہ ہو جاؤ کہ سینے میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب یہ تندرست ہو تو تمام بدن تندرست رہتا ہے اور اگر اس میں خرابی و فساد پیدا ہو جائے تو سارے بدن میں خرابی و فساد پیدا ہو جاتا ہے۔"

سورۃ بقرہ کی ایک آیت میں اہل تقویٰ کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ صاحب ایمان، نماز کے پابند، زکوٰۃ ادا کرنے والے، وعدے کے پابند اور صابر ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے:

Marfat.com

"لیکن نیکی یہ ہے کہ جو اللہ پر، روزِ قیامت پر، کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لایا اور مال کی محبت کے باوجود اُسے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں پر اور غلاموں کے آزاد کرنے میں خرچ کیا اور نماز پڑھی اور زکوٰۃ دی، اور جو وعدہ کر کے وعدوں کو پُورا کرنے والے ہیں اور سختی و تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں۔ یہی ہیں جنہوں نے اپنے عہد کو سچ کر دکھایا اور یہی لوگ متقی ہیں۔"

(البقرہ : ۲۲)

۲-۲ — تقویٰ کے فوائد

تقویٰ دینِ اسلام کی رُوح اور تمام نیک کاموں کی غرض اور مقصودِ اصلی ہے۔ تقویٰ اختیار کرنے سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں :۔

— انسانی ذہن و فکر میں وُسعت پیدا ہوتی ہے۔
— عبادات میں دل لگتا ہے اور خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے۔
— حرام اور مشتبہ چیزوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔
— اللہ کے نزدیک اجرِ عظیم کا باعث ہے۔
— اللہ کی محبت، قرب اور حصولِ جنت کا ذریعہ ہے۔
— رزق کی تنگی سے بچاتا ہے۔
— دُشمن کے خوف سے محفوظ رکھتا ہے۔

Marfat.com

۳۔ صِدق

صِدق کے لُغوی معنی ہیں سچ بولنا، سچ کر دکھانا۔ صادق سچے کو اور صدیق ہمیشہ سچ بولنے والے کو کہتے ہیں۔
اصطلاح میں صدق ہر قسم کی سچائی کو کہتے ہیں، خواہ اُس کا تعلق زبان سے ہو، قلب سے ہو یا عمل سے ہو۔
اِسلام میں صفتِ صدق کو اخلاقیات کے اصُول اور اساس میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے ماتحت اور بہت سی اخلاقی خوبیاں داخل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف صفتِ صدق اپنالے تو بہت سی اخلاقی برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ سچا ہونے کا ان الفاظ میں اعلان کرتا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا

اور بات میں اللہ سے زیادہ سچا کون ہے (نساء: ۸۷)

یہ اللہ کے پیغمبروں کا وصف بھی ہے۔ قرآن کریم میں بہت سے انبیاء کی اس صفت کو بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور کتاب میں ابراہیمؑ کا حال بیان کرو کہ وہ بہت سچے نبی تھے۔" (مریم)

حضرت اسمٰعیلؑ کے بارے میں ارشاد ہوا: "بلاشُبہ وہ وعدے کا سچا تھا۔" (مریم)

اللہ تعالیٰ نے اپنے جن برگزیدہ بندوں کو جنت کی بشارت دی ہے، وہ بھی اس صفت میں ممتاز تھے۔ ان کو الصادقین کے نام سے یاد کیا ہے۔
اہل ایمان کو خطاب کرکے فرمایا گیا کہ:

تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (توبہ)

۳۔۱ صِدق کی اقسام

سچائی سے ہم عام طور پر صرف سچ بولنا مُراد لیتے ہیں لیکن یہ لفظ اپنے اندر بہت وسعت لیے ہوئے ہے۔
امام غزالیؒ نے اس کی چھ اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ بات کی سچائی
۲۔ نیت کی سچائی

Marfat.com

۳۔۔۔ عزم کی سچائی۔
۴۔۔۔ عہد کی سچائی۔
۵۔۔۔ عمل کی سچائی۔
۶۔۔۔ دینداری میں سچائی۔

ان ہی اقسام کو مندرجہ ذیل تین قسموں میں سمویا جاسکتا ہے۔

۱۔۔۔ زبان کی سچائی

زبان کی سچائی سے مُراد ہے کہ جو لفظ زبان سے نکالا جائے وہ حقیقت پر مبنی ہو۔ کلام کرنے والا دیانتداری سے اپنے ضمیر کی ترجمانی کر رہا ہو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ "بے شک سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے۔ اور نیکی جنّت تک پہنچاتی ہے اور ایک شخص سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں صدّیق لکھ لیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ بدی کی طرف لے جاتا ہے اور بدی دوزخ کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔ اور ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے یہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔" (موطا)

اسلام میں ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ:

"جو شخص اس لیے جھوٹ بولتا ہے کہ لوگوں کو ہنسائے اس کے لیے، ہلاکت ہے، ہلاکت ہے ہلاکت ہے۔" (ترمذی، ابواب الزہد)

ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ: "یہی بہتیرا جھوٹ ہے کہ آدمی سُنی سنائی بات بغیر تحقیق کے آگے پہنچا دے۔" (تذکرہ الحفاظ للذہبی)

۲۔۔۔ دِل کی سچائی

اس سے مُراد ہے کہ آدمی مخلص اور بے لوث ہو، دل کی صداقت کو خلوص سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایمان صدقِ قلبی ہی کی ایک شکل ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ:

جو لوگ اللہ پر اور اُس کے رسُولوں پر ایمان لائے، وہی صدّیق ہیں" (سورہ حدید۔ ۱۹)

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا مومن بُزدل ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں،

Marfat.com

پھر پوچھا گیا، کیا بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا، ہاں۔ پھر پوچھا گیا، کیا جھوٹا ہو سکتا ہے؟ فرمایا، نہیں (موطا)

کوئی بھی عمل اگر دل کی سچائی سے خالی ہے یعنی اگر اس میں اخلاص نہیں تو ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے وہ کتنا ہی اچھا عمل کیوں نہ ہو، اللہ کے نزدیک اُس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ اندیشہ ہے کہ ریاکاری کے سبب وہی عمل اُلٹ باعثِ عذاب بن جاتے۔

۳ — عمل کی سچائی

اس سے مُراد یہ ہے کہ آدمی کے اعضا و جوارح اُس کے قول اور دل کی ترجمانی کر رہے ہوں اور اُس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ قرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"مومن صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسُولؐ پر ایمان لائے۔ پھر اس ایمان میں اُنھیں کوئی شک نہ رہا اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کیا۔ صرف وہی صادق لوگ ہیں" (الحجرات: ۱۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صدق کے پیکر تھے۔ دعوئے نبوت سے قبل ہی کفارِ قریش میں آپؐ کی صداقت مسلّم تھی۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم صداقت کے پیکر بنیں اور اپنے قول وعمل سے یہ ثابت کر دکھائیں کہ کامیابی کا راز آج بھی صداقت ہی میں پوشیدہ ہے۔ بعض غیر مسلم اقوام نے چند دُنیاوی امُور میں سچائی کو اپنا رکھا ہے۔ اس کی بُنیاد ہی پر معاشی میدان میں آگے نکل رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے دُنیاوی مفاد کی خاطر حق گوئی کو چھوڑ دیا۔ اسی وجہ سے اپنا اعتبار اور وقار کھو دیا۔ اخلاقیات کو پڑھنے پڑھانے کا مقصود ہی یہ ہے کہ ہم ان تمام اخلاقی صفات کا پیکر بنیں اور ظاہری طور پر جھوٹ میں خواہ کتنا ہی نفع نظر آ رہا ہو، اس بات کا یقین رکھیں کہ آخر کار کامیابی سچائی میں ہی ہے۔

Marfat.com

۴ ۔ ایفائے عہد

ایفائے عہد سے مراد ہے وعدے کا پورا کرنا۔ یہ بھی صدقِ عملی کی ایک شکل ہے کہ جو بات کہی جائے، اپنے عمل سے اس کی تصدیق کی جائے۔ دوسرے لفظوں میں قول وعمل کی مطابقت کو ایفائے عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایک حقیقی مسلمان کی یہ صفت ہونی چاہیے کہ جس بات کا وعدہ کرے، ہر صورت میں اس کا پاس رکھے۔ بقول سید سلیمان ندوی:

"سمندر اپنا رُخ پھیر دے تو پھیر دے، پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ٹل جائے مگر کسی مسلمان کی یہ شان نہ ہو کہ منہ سے جو کہے وہ اُس کو پورا نہ کرے اور جو قول و قرار کرے اُس کا پابند نہ رہے۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ نے متعدد آیات میں ایفائے عہد کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ" اللہ اپنے وعدے کو ہرگز نہیں ٹالے گا (حج: ۴۷)

"وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ" اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہے (توبہ: ۱۱۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں دوسرے محاسنِ اخلاق کی طرح یہ خلق بھی انتہائی درجے تک پہنچا ہوا تھا جس کا دشمن بھی اعتراف کرتے تھے۔ اس کی تائید کے لیے نبوت سے پہلے کا ایک واقعہ ہی کافی ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمساء نے آپ سے کوئی معاملہ کیا اور آپ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آکر حساب دیتا ہوں۔ اتفاق سے انھیں خیال نہ رہا اور تین دن بعد آئے تو آپ کو اُسی جگہ تشریف فرما دیکھا۔ اُن کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ میں تین دن سے یہاں تمھارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط)

انسان چونکہ فطرتاً اجتماعیت پسند ہے اس لیے معاشرے کے افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تعاون لازمی ہے۔ اور یہ عہد کو پورا کیے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے قرآنِ کریم نے اس کی تاکید متعدد جگہ کی ہے۔ ارشاد ہے کہ:

"وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا" اور وعدے کو پورا کرو بیشک وعدوں کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔ (بنی اسرائیل: ۳۴)

ایک آیت میں حقیقی مومن کی نشانی یہ بتائی گئی کہ:

"وہ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا پاس کرتے ہیں" (المومنین: ۸)

Marfat.com

۴-۱ عہد کی اقسام

بنیادی طور پر عہد کی دو قسمیں ہیں :

۱۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدے۔

۲۔۔۔ بندوں کے ساتھ کیے ہوئے وعدے۔

سید سلیمان ندوی نے اس کو چار قسموں میں بیان کیا ہے :

۱۔۔۔ وہ فطری عہد جو اللہ کے بندوں نے یوم الست میں اپنے پروردگار کے ساتھ کیا۔ اس کا پورا کرنا تمام مسلمانوں کے لیے فرضِ اوّلین ہے۔

۲۔۔۔ وہ عہد جو کسی بھی شخص کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے۔
صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے دستِ مبارک پر وہ عہد کیا اور بعد میں آنے والے مسلمان کلمہ طیبہ پڑھ کر یہ عہد کرتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر دل وجان سے عمل کریں گے۔

۳۔۔۔ اس میں وہ تمام عہود شامل ہیں جو ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ انھیں پورا کرنا بہرحال واجب ہے۔

۴۔۔۔ چوتھا وہ عہد جو اہلِ حقوق کے درمیان فطرتاً قائم ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایفائے عہد میں اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو دل وجان سے قبول کرنا، حضورؐ کی تمام سنتوں پر پوری طرح عمل کرنا، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی اور افراد کے باہمی تعلقات اور معاملات کو طے شدہ شرائط کے مطابق پورا کرنا بھی شامل ہے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی بھی چیز سے صرفِ نظر کرتا ہے تو وہ عہد کا پابند کہلانے کا مستحق نہیں۔

۴-۲ ایفائے عہد کے فضائل

قرآن وحدیث میں ایفائے عہد کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے کہ : "سچے اور پرہیزگار بندے وہ ہیں جو عہد کرنے کے بعد اس کو پورا کرتے ہیں۔" (البقرہ)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا کہ "قرآن سے تو بس وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو سمجھ دار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے۔" (الرعد)

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

— جو شخص ایفائے عہد کرتا ہے، میں اس کے لیے جنّت کا ذمہ لیتا ہوں ۔

— تم میں سے کسی کے لیے روا نہیں کہ اپنے بچے سے کسی چیز کا وعدہ کرے پھر اُسے پُورا نہ کرے ۔

Marfat.com

۵ ـ عدل وانصاف

لفظ عدل کے لغوی معنی ہیں سیدھا کرنا، برابر کرنا، افراط و تفریط کے درمیان توازن قائم رکھنا۔ اصطلاح میں عدل کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں لفظ ظلم آتا ہے جس کے معنی ہیں "وضع الشئ فی غیر محلہ" کسی چیز کو اس کے اپنے اصلی مقام سے کسی دوسری جگہ رکھ دینا۔ اردو میں انصاف کا لفظ بھی عدل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لفظ اعتدال بھی اسی سے بنا ہے، جبکہ قرآن کریم میں اس کے لیے قسط کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

یہ ساری کائنات عدل کی بنیاد پر قائم ہے۔ اگر اس میں عدل و توازن باقی نہ رہے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت اس کا عادل ہونا ہے۔ اللہ کا کلام قرآنِ کریم خود بھی سراپا عدل ہے اور مخلوق خدا کو بھی عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۔ تیرے رب کا کلمہ صدق و عدل میں مکمل ہے (الانعام: ۱۱۵)

اسلام میں عدل و انصاف کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ قرآنِ کریم کی متعدد آیات سے لگایا جاسکتا ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے عدلِ اجتماعی و انفرادی، معاشی اور معاشرتی، قانونی اور سیاسی، غرض عدل کے تمام پہلوؤں پر ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔

۵ ـ ۱ عدل کی اقسام

بنیادی طور پر عدل کو دو بڑی قسموں یا شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے،

۱ ـــ انفرادی عدل ۲ ـــ اجتماعی عدل

۱ ـــ انسان کی انفرادی زندگی کی کامیابی کا مدار اس پر ہے کہ اس کے ہر کام میں اعتدال پایا جائے۔ صحت کی بقا کے لیے کھانے پینے اور دوسرے امور میں اعتدال ضروری ہے، اسی طرح روحانی زندگی میں بھی اعتدال ضروری ہے۔ اسلام دنیاوی معاملات اور عبادات کے درمیان بھی توازن قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ جہاں وہ عبادات کا حکم دیتا ہے وہاں کسب حلال کو بھی انسانی فریضہ گردانتا ہے اور رہبانیت کی نفی کرتا ہے۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات میں اعتدال کو اپنی صفت قرار دیا ہے۔ جب تین اصحابِ رسولؐ کی ایک جماعت میں سے ایک نے یہ عہد کیا کہ ساری رات عبادت کیا کروں گا سویا نہیں کروں گا" دُوسرے نے کہا کہ ہمیشہ روزے رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ نکاح نہیں کروں گا تو آپؐ نے اس سے روکا اور فرمایا کہ میں رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ جس نے میری سُنت سے اعراض کیا" وہ مجھ سے نہیں۔ (بخاری)

اگر معاشرے کا ہر فرد اپنی حد تک بھی یہ طے کرے کہ وہ کسی کے ساتھ ناانصافی اور ظلم نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں بھی پورا انصاف کرے گا اور دُوسرے مسلمانوں اور اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی دیانت داری اور انصاف سے ادا کرے گا تو پورے معاشرے سے ظلم و زیادتی اور ناانصافی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

۲ جماعتی عدل۔ اس میں عدل کی بہت سی صُورتیں داخل ہیں۔ چند صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) عدالتی امُور میں عدل

عدالتی امُور میں عدل کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم میں عدالتی عدل کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے

—— دستاویز لکھنے کے متعلق فرمایا:

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ — اور دستاویز لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے (البقرہ)

—— عدالت میں گواہی دیتے وقت بہت سے لوگ انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ خصوصاً جب اپنی ذات یا اپنے رشتہ داروں کا معاملہ ہو۔ اس کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"جب بات کہو تو انصاف کا ساتھ دو، خواہ فریقِ مقدمہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو" (انعام)

—— قاضیوں اور ججوں کو حکم ہوتا ہے کہ فیصلے کے وقت عدل کو پیشِ نظر رکھیں اور اس میں کسی قسم کی رُو رعایت یا رخنہ اندازی نہ ہونے دیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ" — جب لوگوں کے جھگڑے مٹانے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو (النساء ۵۸)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انصاف پروری اتنی مشہور تھی کہ غیر مسلم بھی اپنے معاملات کا انصاف کرانے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اسلامی عدل کی یہ امتیازی خصُوصیت ہے کہ یہاں فیصلہ رنگ و نسل، مذہب و قبیلہ، امیری اور غربت

Marfat.com

کی بنیادوں پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔ مجرم چاہے کتنا ہی امیر وکبیر ہو، عزت و دولت کا مالک ہو یا فقیر و مسکین ہو، معزز گھرانے کا چشم و چراغ ہو یا چھوٹی ذات کا۔ انصاف کے معاملے میں سب برابر ہیں۔

قریش کی ایک معزز خاتون نے چوری کا ارتکاب کیا تو آپؐ نے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنادی۔ جب بعض صحابہؓ نے سفارش کرنا چاہی تو آپؐ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ:

"اگلی قومیں اسی لیے ملیامیٹ ہوگئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو معاف کر دیتے اور چھوٹا ہوتا تو سزا دے دیتے" پھر فرمایا کہ: "اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے، اگر فاطمہ بنتِ محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

(ب) معاشرتی امور میں عدل

روزمرہ کے معاشرتی امور میں بھی عدل کو بہت اہمیت حاصل ہے اس کے بغیر ایک پاکیزہ اور بلند اخلاق معاشرہ تشکیل نہیں پا سکتا۔

— چنانچہ ناپ تول کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ:

"وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ" اور ناپ تول میں پوری طرح انصاف کرو۔ (انعام ۱۵۲)

— یتیموں کے حقوق کے بارے میں ارشاد ہوا:

"وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ" اور یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو (البقرہ)

— ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ عدل کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

"فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً" اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ ایک سے زائد بیویوں میں انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو (النساء)

(ج) معاشی امور میں عدل

معاشی عدل کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد اساسی حیثیت رکھتا ہے:

"كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا" کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی سے بچو۔

اسلام نے ایک جامع اور ہمہ گیر نظامِ معیشت دیا ہے۔ اس میں عدل کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔ چنانچہ جو لوگ

Marfat.com

میانہ روی اختیار کرتے ہیں اُن کو اللہ نے اپنے نیک بندوں میں شمار کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا

(اللہ کے مقرب بندے وہ ہیں کہ) جب خرچ کریں تو نہ فضول خرچی کریں، نہ بخل سے کام لیں بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کریں۔ (الفرقان)

۲-۵ عدل کے فضائل و ثمرات

— عدل انسان میں تقویٰ پیدا کرتا ہے جو اللہ کو بہت پسند ہے۔

— عدل انسان کو بربادی سے بچاتا ہے اور امن و امان کے قیام میں مدد دیتا ہے۔

— آخرت کی کامیابی اور فلاح کا ذریعہ ہے۔

— عادل ان سات خوش قسمت اشخاص میں سے ہے جو قیامت میں عرش کے سایے میں ہوں گے (ریاض الصالحین)

— وہ لوگ جو اپنے گھروں میں یا اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے میناروں پر ہوں گے۔ (ریاض الصالحین)

Marfat.com

۶۔ اِحسان

اِحسان کے لغوی معنی ہیں کسی کام کو اچھے طریقے سے انجام دینا' خوبصورت بنا دینا۔ اس کا مادہ حُسن ہے۔ قرآن کریم میں اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے "حسنہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے' اُردو میں حُسنِ سلوک اور مروّت بھی یہی معنی دیتے ہیں۔

احسان کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کسی کام میں دل لگا کر عمدگی اور اچھے طریقہ سے انجام دینا۔

۶-۱ اِحسان کی اہمیت

احسان ایک ایسی جامع صفت ہے جو ہر نیکی کو محیط ہے۔ اسلام جہاں نیک کام کی طرف دعوت دیتا ہے' اس میں کثرت کی رغبت دلاتا ہے' وہاں اس کو خوب سے خوب تر طریقے سے انجام دینے کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر عدل برابری اور مساوات کا تقاضا کرتا ہے تو احسان اس سے آگے نکل جانے کا نام ہے' جہاں حق دار کے حق سے زیادہ دیا جاتا ہے۔ احسان اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت بھی ہے اور مخلوق کو بھی اپنے اندر یہ صفت پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے :

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ — اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے (النحل : ۹۰)

دُوسری جگہ ارشاد ہُوا۔

"وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ" — احسان کرو جیسا کہ اللہ نے تم پر احسان کیا (سورۃ قصص)

۶-۲ مراتب احسان

احسان کے بہت سے درجات اور مراتب ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی صاحبِ ایمان ہو۔ احسان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں سب سے بھلائی اور حُسنِ سلوک کا معاملہ کرے اور نیکی کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔

اِحسان کی قسمیں :-

بُنیادی طور پر احسان کو دو قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے

Marfat.com

ا ۔ عبادات میں احسان یہ ہے کہ آدمی عبادات کی تمام شروط وقیود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انتہائی اخلاص اور دل جمعی کے ساتھ اس طرح عبادت کرے گویا اپنی زندگی کی آخری عبادت کر رہا ہے۔ احسان کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے ارشادِ نبویؐ ہے کہ

"اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہیں تو یہ یقین رکھو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔"

یوں تو جو عبادت خشوع وخضوع سے کی جائے احسان کے درجے تک پہنچ سکتی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ رات کی عبادت کو احسان شمار کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ اُسی کا حصہ ہے جس کے دل میں اللہ کی حقیقی محبت جاگزیں ہو۔

ب ۔ بندوں کے ساتھ احسان کا مطلب ہے ہر شخص کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا اور نیکی کا بدلہ اس سے بڑھ کر دینا۔ احسان کی منزل عدل کے بعد آتی ہے۔ جو عادل نہیں وہ محسن بھی نہیں ہو سکتا۔ احسان کی اس قسم میں بہت سی صورتیں داخل ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں؛

- کسی مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دلانا۔
- قصوروار کو معاف کر دینا۔
- کسی کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھانا بلکہ اس کی بقدرِ استطاعت مدد کرنا۔
- تنگ دست مقروض کو مہلت دینا۔
- دوسرے کے آرام کو اپنے آرام پر ترجیح دینا۔
- کسی کو سزا کے طور پر قتل کرنا ہو یا جانور ذبح کرنا ہو تو ضرورت سے زیادہ تکلیف نہ دینا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی کو (جہاد میں) قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور تم میں سے کوئی آدمی جانور ذبح کرے تو پہلے اپنی چھری تیز کر لے اور اپنے ذبیحے کو راحت دے۔ (مسلم)

۶-۳ فضائلِ احسان

قرآن وحدیث میں احسان کے فضائل بہت کثرت سے وارد ہوتے ہیں۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اور صحابۂ کرام کی زندگیاں احسان کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ ہم یہاں پر اختصار کی خاطر چند فضائل پر اکتفا کرتے ہیں:

ا ۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے درجات کو بلند سے بلند تر کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ — اور ہم احسان کرنے والوں کو جلد مزید دیں گے (البقرہ: ۵۸)

Marfat.com

۲ محسنین کو سب سے بڑی نعمت یعنی اللہ کی رضا اور محبت حاصل ہوگی۔ ارشاد فرمایا:
اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (البقرہ: ۹۵)

۳ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اپنے قرض دار کو مہلت دے گا یا اس کا قرض معاف کر کے اس پر احسان کرے گا تو قیامت کے دن خدا کے عرش کے سائے میں ہوگا۔ (مسند احمد)

Marfat.com

۷۔ صبر

صبر کے لغوی معنی ہیں روکنا، برداشت کرنا، ثابت قدم رہنا، باندھ دینا۔ دین کی اصطلاح میں صبر یہ ہے کہ انسان اللہ کی رضا کے لئے ہر قسم کی پریشانی اور مشکل کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔ استقامت، استقلال اور تحمل بھی صبر ہی کی چند صورتیں ہیں۔ صبر اُن اخلاقِ فاضلہ میں سے ہے جن کی انسان کو ہر لمحہ اور ہر حالت میں ضرورت پیش آتی ہے۔

امام غزالیؒ صبر کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بُرے اعمال کا ترک کر دینا ایک ایسا عمل ہے جس کا ثمرہ ایک خاص کیفیت کی صورت میں رُونما ہوتا ہے۔ اس "ثمرے" کا نام صبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کے خلاف خود کو تیار رکھنا صبر ہے۔"

صبر کا مفہوم اپنے اندر بہت وُسعت لیے ہوئے ہے۔ مثلاً

نفسانی خواہش کے خلاف صبر کرنے کا نام عفت ہے۔

مصائب کے مقابلے میں صبر قوتِ برداشت ہے۔

میدانِ جنگ میں صبر و برداشت کو شجاعت کہتے ہیں۔

فضول خرچی کے مقابلے میں صبر کو زُہد کہا جاتا ہے۔

۷-۱ صبر کی قسمیں

بُنیادی طور پر صبر کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں،

۱۔ **صبر علی الطاعۃ**: نیک کام کی ادائیگی میں مشکلات برداشت کرنا۔ نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور کسی بھی نیکی کے کام میں جو دِقت پیش آتی ہے، ایک مُسلمان اس کو خوشی سے برداشت کرتا ہے اور اُس دِقت کی وجہ سے نیک کام نہیں چھوڑتا۔ یہ اطاعت پر صبر ہے۔

۲۔ **صبر عن المعصیۃ**: گناہ سے باز رہنا۔ بعض وقت انسان کا نفس اور شیطان اس کو کسی بُرے کام پر آمادہ کر لیتے ہیں، لیکن ایک مُسلمان محض اللہ کے خوف سے اُس بُرے کام کے قریب نہیں جاتا، خواہ اُس کو

Marfat.com

کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔

۳۔ **صبر علی المصیبۃ** : کوئی پریشانی لاحق ہو جائے، خواہ مالی ہو یا جانی، اس پر کوئی بیماری آجائے یا کوئی بڑا صدمہ پہنچے اس کو برداشت کرنا اور اس پر چیخ وپکار اور شور وشغب نہ کرنا مصیبت پر صبر کرنا ہے۔

قرآن کریم میں صبر کا لفظ ستر سے زیادہ جگہ استعمال ہُوا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل مفہوم بھی داخل ہیں۔

۱۔ مشکلات اور بے سروسامانی کی حالت کو برداشت کرتے ہوئے مناسب وقت کا انتظار کرنا۔ اس کا عملی نمونہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دعوت اسلام کے آغاز پر پیش کیا۔ کفار قریش نے ایذا رسانی کا کوئی طریقہ اور موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا، لیکن اللہ کی طرف سے صبر وتسلی کا حکم آتا ہے:

وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ — ثابت قدمی کے ساتھ منتظر رہیے کیونکہ

بِاَعۡيُنِنَا ۝ — آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں (سورہ طور)

چنانچہ اللہ کے رسولؐ اور صحابہؓ نے اس پر عمل کرکے صبر کی مثالیں قائم کیں۔

۔ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنا۔

یعنی میدانِ جنگ میں جب دشمن سے مقابلہ ہو تو وہاں شجاعت وبہادری کا مظاہرہ کرتے ہُوئے ثابت قدمی سے جمے رہنا اور استقامت کا ثبوت دینا۔ ارشادِ ربانی ہے:

"اے ایمان والو! جب تم کسی دشمن سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرو، اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تم سست ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (انفال)

درگزر کرنا۔ یعنی بُرائی کرنے والوں کی بُرائی سے صرفِ نظر کرتے ہُوئے انھیں معاف کر دینا۔

ارشادِ ربانی ہے:

اور اگر تم سزا دو تو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف دی گئی ہو اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ (سورہ نحل)

۲-۷ صبر کی اہمیت

اسلامی اخلاقیات میں صبر کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں صبر کی بہت تاکید آئی ہے اور

Marfat.com

مومن کے لیے اس دُنیا کو دار الامتحان یعنی آزمائش کا گھر قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:-

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ — تمھارے مالوں اور جانوں میں ضرور آزمائش ہوگی (آل عمران)

ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمھاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی) کی بشارت سُنا دو۔ (سورہ بقرہ)

ایک حدیث میں ارشاد ہُوا: "الصبر ضیاء" صبر روشنی ہے۔ (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ صبر ہر حال میں اُمید کا چراغ ہے۔

علمی کاوشیں اور سائنسی تحقیقات کے لیے سالہا سال محنت اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے، تب کہیں جا کر کوئی نتیجہ نکلتا ہے۔ صبر نہ ہو تو انسان مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا —— یعنی فقر بعض وقت کفر کے قریب لے جاتا ہے۔

دین پر استقامت کے لیے بھی صبر بہت ضروری ہے۔ ایک صحابیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت فرمانے کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر ثابت قدم رہو)

۳۔ صبر کے فضائل و برکات

صبر کی فضیلت میں قرآنِ مجید کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (صبر والوں کو ان کا اجر بغیر حساب و کتاب کے ملتا ہے۔)

—— صبر کامیابی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (البقرہ)

ایک حدیث میں ارشاد ہُوا کہ، اِنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہوتی ہے۔

—— صبر گناہوں کو ختم کرتا ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ جب مَیں اپنے مومن بندے سے اس کی کوئی محبوب چیز لیتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو مَیں اُسے جنّت سے نوازتا ہوں۔" (ریاض الصالحین)

ایک حدیث میں فرمایا کہ مومن پر مال و اولاد کی آزمائش آتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ کے پاس جاتا ہے تو اس کی خطا باقی نہیں رہتی۔ مختصر طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ:

—— صبر عبادت ہے —— صبر اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے —— صبر کامیابی کی ضمانت ہے —— صبر مشکلات میں اللہ کی مدد کا سبب ہے —— صابر جنّت کا حق دار ہے۔

Marfat.com

۸۔ کسبِ حلال

انسان کی زندگی رُوح اور جسم سے مرکب ہے جس طرح رُوح کے بغیر انسان کا وجود ممکن نہیں، اسی طرح انسانی جسم کو اپنی بقا کے لیے پانی اور خوراک کی ضرورت ہے۔ خوراک انسانی مشینری کا ایندھن ہے جو انسان کو ہر وقت متحرک رکھتی ہے۔ اسلام نے جہاں انسان کو زندگی کے دوسرے شعبوں کے لیے کچھ اصُول اور ضوابط دیے ہیں، وہاں روزی کمانے کے معاملے میں بھی انسان کی رہنمائی کی ہے۔ اسلام نے انسان کو حصولِ رزق کے معاملے میں بے مہار نہیں چھوڑ دیا کہ جو چیز چاہے کھائے اور جہاں سے اور جیسے حاصل کرنا چاہے کرے، بلکہ انسان کو اچھی اور پاکیزہ خوراک کے حصُول کی تعلیم دی اور اس کے لیے اسباب پیدا کیے۔

تمام برگزیدہ بندوں کو کسبِ حلال کا حکم دیا گیا۔ ارشادِ ربّانی ہے:

"یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا"

اے رسولانِ کرام! حلال روزی کھاؤ اور نیک کام کرو (المؤمنون: ۵۱)

پھر یہی حکم عام مسلمانوں کو دیا گیا:

"یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ"

اے اہلِ ایمان! جو پاک چیزیں ہم نے تمھیں بخشی ہیں، انھیں تناول کرو (البقرہ: ۱۷۲)

جو چیزیں حرام اور ناپاک ہیں، وہ انسانی اخلاق پر بُرے اثرات ڈالتی ہیں اور جسمانی و رُوحانی دونوں اعتبار سے انسان کے لیے مضر ہیں۔ ان چیزوں کے استعمال سے انسان اخلاقی انحطاط اور ذہنی پراگندگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان سے بچنے کا حکم دیا گیا۔

۸۔۱ کسبِ حلال کے فضائل

حلال روزی کی تلاش کو ایک فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ تمام انبیاء کرام اور سلف صالحین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ محنت مزدوری کر کے اپنی روزی حاصل کرتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

Marfat.com

• اپنے ہاتھ کی محنت سے کمائے ہوئے کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں "

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ :

• گناہوں میں بعض گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہے، نہ صدقہ ہے، نہ حج ہے۔ اُن کا کفارہ طلبِ معیشت میں تکلیف اور پریشانی برداشت کرنا ہے ." (طبرانی)

یاد رکھیے! جس طرح مُردار اور ناپاک چیزیں حرام ہیں، اسی طرح ایسے مال و دولت کا استعمال بھی درست نہیں جو ناجائز ذرائع سے حاصل ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا	اے ایمان والو! آپس میں ناحق ایک
أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۝	دُوسرے کا مال نہ کھاؤ (النساء)

اس میں مندرجہ ذیل صورتیں بھی داخل ہیں :

— رشوت کے ذریعے حاصل شدہ مال۔

— چوری، ڈکیتی، غصب اور دھونس کے ذریعے حاصل شدہ مال۔

— دیانت داری اور فرض شناسی کے بجائے کام چوری اور مفت خوری سے حاصل شدہ مال۔

— ذخیرہ اندوزی، چور بازاری اور ملاوٹ کے ذریعے سے حاصل شدہ مال۔

— ناپ تول میں کمی یا طے شدہ معاہدے کے خلاف گھٹیا چیز دے کر حاصل شدہ مال۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :

"بہت سے لوگ طویل السفر پراگندہ حال اللہ کے سامنے دُعا کے لیے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب! یارب! پکارتے ہیں مگر کھانا اُن کا حرام، پینا اُن کا حرام، لباس ان کا حرام۔ ان حالات میں اُن کی دُعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ (مسلم)

— حرام روزی کھانے والے کا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔"

— "کسبِ حلال کرو، دُعائیں قبول ہوں گی۔"

◎

Marfat.com

۹ــــ والدین کا احترام

والدین کے اولاد پر اس قدر احسانات ہوتے ہیں کہ اگر اُن کی خدمت میں انسان ساری زندگی بھی گزار دے، تب بھی اُن کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اُن کے حقوق کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنے ساتھ والدین کا ذکر کیا ہے۔ اُن کا شکر ادا کرنے اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ چند آیات ملاحظہ کیجیے۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۝	اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ (بنی اسرائیل)

سورہ لقمان میں فرمایا، " أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔

والدین ہمارے محسن ہیں۔ وہ ہمارے وجود کا محسوس اور ظاہری سبب ہیں۔ اُنھوں نے ہمارے وجود، پرورش اور تربیت کی خاطر طرح طرح کی مشکلات اور پریشانیاں برداشت کیں اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ والدین کے حقوق کا اعتراف تمام مذاہب کرتے ہیں لیکن اسلام نے خصوصیت سے اس پر بہت زور دیا ہے۔

ــــ ایک حدیث میں آپؐ نے نماز کے بعد خدمتِ والدین کا درجہ بتایا ہے۔

ــــ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ " وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا۔" صحابہؓ نے پوچھا۔ اے اللہ کے رسولؐ! کون آدمی؟ آپؐ نے فرمایا، جس نے اپنے ماں باپ یا اُن میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا پھر (اُن کی خدمت نہ کرکے) جنت میں داخل نہیں ہوا" (مسلم)

ــــ ایک موقع پر آپؐ نے خدمتِ والدین کو جہاد جیسی عظیم عبادت پر بھی ترجیح دی۔

ایک صحابیؓ نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے پوچھا، تمھارے والدین زندہ ہیں؟ اُس نے کہا جی ہاں۔ ارشاد فرمایا:

" جاؤ اُن کی خدمت کرتے رہو، یہی تمھارے لیے جہاد ہے۔" (بخاری و مسلم)

والدین اگر غیر مسلم ہوں تب بھی اُن کے حقوق کی ادائیگی میں کمی نہیں آنا چاہیے۔

Marfat.com

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ امورِ دین میں اُن کی اطاعت نہ کی جائے۔ البتہ دُنیاوی معاملات میں اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا جائے اور اُن کو دینِ اسلام کی دعوت دی جاتی رہے۔ یہی اُن کی بہت بڑی خدمت ہے۔

قرآن و حدیث میں والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی جو تاکید آئی ہے' اُس کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات کی صُورت میں پیش کیا جاسکتا ہے:

— والدین کا ادب و احترام کیا جائے۔
— دل و جان سے اُن کی خدمت کی جائے۔
— ہمیشہ اُن کا شکر گزار رہا جائے۔
— اُن کی محبت کو باعث سعادت سمجھا جائے۔
— اُن کے ساتھ عاجزی اور انکساری سے پیش آیا جائے۔
— ہر جائز کام میں اُن کی اطاعت کی جائے۔
— غیر مُسلم ہوں تب بھی اُن کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا جائے۔
— اُن کے لیے دِل سوزی سے برابر دُعا کی جائے۔

اسلام نے والدین کے علاوہ دُوسرے تمام رشتہ داروں اور بزرگوں کے ساتھ حُسنِ معاملہ اور عزت و احترام پر بہت زور دیا ہے۔ ارشادِ رسولؐ ہے:

مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا ٥

جو بزرگوں کا احترام نہ کرے' بچّوں پر رحم نہ کھائے' وہ ہم میں سے نہیں۔

◎

Marfat.com

۱۰۔ جامع الاخلاق

اِس عنوان کے ماتحت ہم قرآن اور احادیثِ نبوی سے چند اخلاقی اصُول پیش کریں گے جن سے معلوم ہوگا کہ کتنے اہم اور بنیادی اصُولوں کو کیسے مختصر اور جامع انداز میں بتادیا گیا ہے۔ حضُور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں یہ اصُول پوری طرح جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ طالبانِ ہدایت آج بھی ان سے وہ روشنی حاصل کر سکتے ہیں جو آپ کے دَور میں آپ پر ایمان لانے والی مقدس ہستیاں حاصل کیا کرتی تھیں۔

۱۰۔۱ قرآن میں اصُولِ اخلاق

—— اللہ عدل واحسان اور رشتہ داروں کی مدد کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے، وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔ (النحل : ۹۰)

—— اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ (النساء : ۳۶)

—— نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو اور گناہ و زیادتی میں تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو۔ (المائدہ : ۲)

—— بُرائی کی مدافعت ایسی بھلائی سے کرو جو بہترین ہو۔ (المومنون : ۹۶)

—— اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور کسی گروہ کی دشمنی تمھیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ یہی تقویٰ کے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرو۔ (المائدہ : ۸)

—— جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، ان سے اللہ کی راہ میں لڑو اور حد سے نہ گزر جاؤ۔ اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرہ : ۱۹۰)

—— نصیحت تو دانش مند لوگ ہی قبول کرتے ہیں جو اللہ کے عہد کو وفا کرتے ہیں اور معاہدے نہیں توڑتے، جو ان روابط کو جوڑتے ہیں اللہ جنھیں جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔ (الرعد : ۱۹)

—— اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے حوالے کردو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ (النساء : ۵۸)

اور خرچ کرو اُس مال سے جو اللہ نے تُم کو دیا ہے، قبل اس کے کہ تُم میں سے کسی کو موت آجائے وہ کہے کہ میرے ربِ! کاش تُو مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیتا کہ مَیں صدقہ دیتا اور صالحین میں سے ہو جاتا۔ (المنافقون : ۱۰)

Marfat.com

—— آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔ (البقرہ : ۲۳۷)

—— قرض دار تنگ دست ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک اُسے مہلت دو اور اگر صدقہ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ (البقرہ)

۲-۱۰ احادیث میں اصولِ اخلاق

—— آدمی کو اس کی نیت کے مطابق ہی اُس کے عمل کا پھل ملتا ہے۔

—— دُعا عبادت کا خلاصہ ہے۔

—— جب تم کو اچھے عمل سے خوشی ہو اور بُرے عمل سے رنج و قلق ہو تو تم مومن ہو۔

—— خدا تمھاری صورت اور تمھارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمھارے دلوں اور تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے

—— تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشاتِ نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں

—— کسی بندے کو صبر سے زیادہ وسیع کوئی چیز عطا نہیں ہوئی۔

—— ہر دین کا امتیازی وصف ہوتا ہے اور اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔

—— لوگوں کے لیے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ۔

—— اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے۔

—— زمین پر بسنے والی مخلوق پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

—— سخت گو اور دُرشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔

—— اصلاح ذات البین کا درجہ نماز، روزہ وغیرہ عبادات سے زیادہ ہے۔

—— اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اُسے عام کرو۔

—— دُنیا میں اس طرح رہو گویا تم کوئی پردیسی یا مسافر ہو۔

—— دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

—— میانہ روی اچھا عمل ہے۔

آیئے ہم کوشش کریں کہ یہ تمام اخلاقِ حسنہ ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائیں۔

Marfat.com

۱۱ ــــ خود آزمائی

۱ ــــ اخلاق کے مفہوم کو واضح کیجیے' نیز اسلام کے تصورِ اخلاق کی دو خصوصیات کا ذکر کیجیے۔

۲ ــــ تقویٰ کی اہمیت پر روشنی ڈالیے اور اُس کے فوائد کا ذکر کیجیے۔

۳ ــــ صدق کا مفہوم قرآن و سنّت کی روشنی میں واضح کیجیے۔

۴ ــــ ایفائے عہد سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ نیز اس کے فضائل بیان کیجیے۔

۵ ــــ جماعتی عدل کی چند صُورتیں بیان کیجیے۔

۶ ــــ احسان کی تعریف کیجیے اور اس کی اقسام بیان کیجیے۔

۷ ــــ قرآنِ کریم میں لفظ صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ دلائل سے ثابت کیجیے۔

۸ ــــ بتائیے وہ کون سی صورتیں ہیں جن کے ذریعے سے حاصل شدہ مال استعمال کرنا درُست نہیں؟

۹ ــــ والدین کے احترام کے موضوع پر دس سطروں کا ایک مضمون لکھیے۔

۱۰ ــــ احادیث میں جو اخلاقی اصول بیان کیے گئے ہیں اُن میں سے ایسے پانچ اصول لکھیں جن پر آپ عامل ہیں۔

۱۱ ــــ مندرجہ ذیل آیات و احادیث کا اردو میں ترجمہ کیجیے۔

ــــ اَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ

ــــ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

ــــ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ــــ اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ

ــــ بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

۱۲ ــــ خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

ــــ لوگوں کے ساتھ اچھے ـــــــــ سے پیش آؤ۔

ــــ قرآن کریم ـــــــــ کے لیے ہدایت کی کُنجی ہے۔

ــــ عظمت و فضیلت کا معیار بھی ـــــــــ ہی کو قرار دیا گیا ہے۔

ــــ دُعا عبادت کا ـــــــــ ہے۔

ــــ دُنیا آخرت کی ـــــــــ ہے۔

ــــ اچھی اور میٹھی بات بھی ایک ـــــــــ ہے۔

Marfat.com

٨

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (٢٦٩) البقرة

صدق اللہ العظیم

ترجمہ:
وہ اللہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بیشک اس کو
بڑی نعمت ملی۔ اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ (القرآن)

Marfat.com

Marfat.com

یونٹ (۸)

تہذیبِ انسانی کی تعمیر میں اسلام کا حصّہ

تحریر

ڈاکٹر خالد مسعود

Marfat.com

فہرست

صفحہ

یونٹ کا تعارف ——— ۲۱۷
یونٹ کے مقاصد ——— ۲۱۸
۱ ——— درمیانی امت ——— ۲۱۹
۲ ——— شرفِ انسانیت ——— ۲۲۲
۲-۱ شرفِ انسانیت کا قرآنی اصول ——— ۲۲۳
۲-۲ انسان اللہ کا نائب ہے ——— ۲۲۳
۲-۳ نزولِ آدم (علیہ السلام) ——— ۲۲۴
۳ ——— وحدتِ انسانیت ——— ۲۲۶
۳-۱ غلامی کا تصور ——— ۲۲۷
۳-۲ عورتوں کے حقوق ——— ۲۲۹
۳-۳ مذہبی آزادی ——— ۲۳۰
۴ ——— اسلام کا تاریخی کردار ——— ۲۳۲
۴-۱ خود آزمائی نمبر ۱ ——— ۲۳۲
۵ ——— اشاعتِ علوم ——— ۲۳۶
۶ ——— مسلمانوں کی علمی خدمات ——— ۲۳۹
۶-۱ یونانی حکمت کی حفاظت اور نشوونما ——— ۲۳۹
۶-۲ علمِ ریاضی ——— ۲۳۹
۶-۳ کیمیا ——— ۲۴۰
۶-۴ طبیعیات ——— ۲۴۰
۶-۵ متفرق ——— ۲۴۰
۶-۶ عربی سائنسی اصطلاحات ——— ۲۴۱
۷ ——— تاریخی کردار ——— ۲۴۲
۷-۱ خود آزمائی نمبر ۲ ——— ۲۴۳

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ یونٹ کا تعارف

اب تک آپ جو اسباق پڑھ چکے ہیں، ان سے آپ کو دینِ اسلام کے بارے میں بُنیادی باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔ اِسلام نے کن عقائد کی تعلیم دی ہے اور کن عقائد سے روکا ہے، یہ بھی آپ جان چکے ہیں۔ یونٹ نمبر۷ میں آپ نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ اسلام نے سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے کیا اصُول پیش کیے ہیں۔ اس سے پہلے یونٹ نمبر۱ اور ۲ میں آپ اِسلامی تعلیمات کے دو سرچشموں قرآن مجید اور سُنّتِ نبوی کے بارے میں بُنیادی معلومات حاصل کر چکے ہیں۔ ان تمام معلومات کی روشنی میں آپ اِس نتیجے پر پہنچ چکے ہوں گے کہ اسلام صرف نظریات ہی پیش نہیں کرتا، بلکہ عمل کی راہیں بھی بتاتا ہے۔ اِسلام کے نزدیک نظریہ اور عمل کے درمیان جو رشتہ ہے وہ کبھی نہ ٹوٹنے والا ہے، اسی لیے اسلام میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کو کلیدی اہمیّت حاصل ہے۔ اِسلام جن نظریات کی تعلیم دیتا ہے وہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں خود عملی شکل میں موجود ہیں۔ نظریے اور عمل کی اِس مطابقت نے اِنسان کی فکری تاریخ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ فکر اور عمل کی اِس ہم آہنگی کی بدولت مُسلمانوں کو عالمِ انسانی کی بہترین اُمت کہا گیا۔ ایسی اُمت جو انسانیت کے قافلے میں "درمیانی اُمت" کے طور پر آئی اور قدیم و جدید کا سنگم بن گئی۔ اِسی اُمت کے ذریعے سے انسانیت اپنے دَورِ جدید میں داخل ہُوئی۔ اِنسانی تاریخ میں اِسلام کے کردار کا یہ ایک رُخ تھا۔ اِسلامی تعلیمات کے وُہ کون سے پہلو تھے جو اِنسانیت کو قدیم دَور سے نِکال کر جدید دَور میں لے آئے؟ —— روشنی کے اِس سفر کے لیے اِسلام نے کون سے رہنما اصول دیے؟ اس یونٹ میں آپ، اِن ہی سوالوں کے جواب معلوم کریں گے۔

Marfat.com

یونٹ کے مقاصد

اِس یونٹ کے مطالعہ سے آپ اِس قابل ہوسکیں گے کہ

۱ــــ تاریخ انسانی میں اِسلام کا کِردار بیان کرنے کے لیے قرآنِ کریم نے درمیانی اُمت اور بہترین اُمت کی جو اصطلاحیں اِستعمال کی ہیں، ان کی تشریح کر سکیں۔

۲ــــ آپ ان اسلامی اصولوں کی وضاحت کر سکیں گے جن کی بنیاد پر اسلام، انسان کو قدیم دَور سے نئے دَور میں لایا اور اس طرح "درمیانی اُمّت" اور "بہترین اُمّت" کا وہ کردار ادا کیا جو قرآنِ کریم کی رُو سے اس پر فرض کیا گیا تھا۔

۳ــــ تاریخ میں اسلام کے کردار کو متعیّن کر سکیں گے۔ آپ ماضی میں بھی اِس کے کردار کے بارے میں معلوم کریں گے اور حال اور مستقبل میں اسلام کے کردار کی نشان دہی کر سکیں گے۔

Marfat.com

۱۔ درمیانی اُمّت

تہذیب کے سفر میں دینِ اسلام کا ظہور انسانی تاریخ کے سب سے اہم موڑ پر ہوا۔ یہ وہ موڑ ہے جہاں اِنسانیت قدیم دَور سے نکل کر جدید دَور میں داخل ہوئی ۔ اِنسان کی ہدایت کے لیے وحی و الہام کا سلسلہ مکمل ہوا ، آخری رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لے آئے ، اِنسانوں تک اللہ کا آخری پیغام پہنچ گیا ، انسانیت اپنے بچپن کے دَور سے نکل آئی ، جہاں اسے اُنگلی پکڑ کر چلنا سکھانا ضروری تھا ، اب وُہ اپنی عمر کے اس حصے میں پہنچ گئی تھی ، جہاں اِسے اِس کے بُرے بھلے کی ساری باتیں سمجھا کر سیدھی راہ دِکھا دی گئی تھی، تہذیب کا باقی سفر اسے اب خُود اپنے پاؤں پر کرنا تھا ۔ یہ اِنسانی شرف و عزت کی بلندی تھی ، یہی وہ مرحلہ تھا جہاں اِنسانوں کی ہدایت کے لیے اِنسانِ کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین بنا کر بھیجا گیا اور آپؐ کی اُمت کو انسانوں کی رہنمائی کا شرف عطا ہوا ۔

تاریخ انسانی میں اسلام کا کردار کیا ہے ؟ آئیے اِس سوال کے جواب کے لیے ہم اسلامی تعلیمات کے سرچشمے قرآنِ کریم کی طرف رُجوع کریں ۔ قرآنِ کریم نے اُمّتِ مسلمہ کے تاریخی کردار کا تعیّن کرنے کے لیے دو اصطلاحیں اِستعمال کی ہیں :

درمیانی اُمّت	بہترین اُمّت
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۝	كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

Marfat.com

اور اس طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا تاکہ
تم انسانیت پر گواہ بنو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم
تم پر گواہ بنیں (البقرہ : ۱۴۳)

تم ان تمام امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں میں پیدا
ہوئیں کہ تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے
کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر
ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران : ۱۱۰)

علامہ اقبال نے اسی آیت کے حوالے سے اسلامی تہذیب کے اصول اور عناصر پر بحث کی ہے۔ "درمیانی امت" کے معنی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ اپنے خطبات میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ میں قدیم دَور اور جدید دَور کے درمیان تشریف لائے۔ قدیم دور میں یونانی فکر اور فلسفے کا دور دورہ تھا۔ اس فلسفے کا تعلق ایسی دنیا سے تھا جو حقائق کی دنیا نہیں بلکہ محض فکر و خیال کی دنیا تھی۔ چنانچہ انسانی فکر اکثر غلطی کر جاتی تھی، اسی لیے ضروری تھا کہ انسانی رہنمائی کے لیے وحی کا سلسلہ جاری رہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانی تجربے اور تاریخ کے علم میں اضافہ ہوتا گیا۔ چنانچہ اسلام نے وحی کے علاوہ فطرت اور تاریخ کے مطالعے کی دعوت دے کر ایسے سرچشموں کا پتہ دیا جو حقائق کی دنیا سے تعلق رکھتے تھے اور انسان کے بس میں بھی تھے۔ انسان کو اللہ نے اس کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ اس کی ابتدائی تربیت مکمل کر کے اسے اپنے وسائل پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ اسلام نے نبوت کا سلسلہ ختم کرنے کا اعلان کیا، اس کے ساتھ ہی موروثی بادشاہت اور مذہبی پیشوائی کا بھی خاتمہ کر دیا۔ انسان کو عقل اور تجربے کے استعمال کی دعوت دی اور یوں اسلام کا وہ تاریخی کردار مقرر کیا جہاں ایک طرف اس کا رشتہ وحی کے ذریعے قدیم دنیا سے قائم تھا اور دوسری طرف وحی کی روح نے اس کا رابطہ جدید دَور سے قائم کر دیا تھا۔

علامہ اقبال کی اس وضاحت سے آپ "درمیانی اُمت" کی اصطلاح کا مفہوم سمجھ گئے ہوں گے۔ اب ایک مرتبہ پھر اوپر دی ہوئی آیت پر غور فرمائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اُمتِ مسلمہ کا مقام مقرر کرنے کے بعد اس کے کردار کی بھی وضاحت کر دی گئی: "تاکہ تم انسانیت پر گواہ بنو اور رسول اکرمؐ تم پر گواہ بنیں"۔ اس گواہی سے کیا مُراد ہے؟ اسے ایک اور آیت کے ذریعے سمجھئے جہاں قرآن کریم نے امتِ مسلمہ کے کردار کو کھول کر بیان کیا:

"تمام انسانوں میں سے تم بہترین امت چنے گئے ہو۔ تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور
برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (آل عمران : ۱۱۰)

آپ اس آیت پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ انسانوں کی رہنمائی کا جو فرض مختلف انبیاء ادا کرتے آئے تھے۔ اب وہی فرض امتِ مسلمہ کے لیے مقرر ہوا۔ پہلے جو کردار علاقوں اور قوموں تک محدود تھا، اب ساری انسانیت کے لیے عام کر دیا

Marfat.com

گیا۔ اس آیت میں تین اصول کار فرما نظر آتے ہیں:

۱۔۔۔ انسان فطری طور پر بُرا نہیں۔ اسے بُرے بھلے دونوں کا علم بھی ہے اور اختیار بھی۔ اور یہ کہ اسے علم ہوتا ہے تو اس کے عمل پر اس کا اثر بھی ہوتا ہے، ورنہ نیکی کا حکم کرنا اور بُرائی سے منع کرنا بے معنی ہو جاتا۔ یہی بات اسے دُوسری مخلوقات سے مُمتاز کرتی ہے کہ وُہ نیکی اور بدی کا علم بھی رکھتا ہے اور اس کا عمل اس علم کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ دُوسری مخلوقات پر اسے اسی وجہ سے برتری حاصل ہے۔ آپ اسی اصُول کو "شرفِ انسانیت" کا اسلامی اصُول کہہ سکتے ہیں۔

۲۔۔۔ اسی آیت کا دُوسرا پہلو اس کی عالمگیریت ہے یعنی اسلام کا پیغام کسی ایک قوم یا علاقے تک محدُود نہیں بلکہ یہ سارے انسانوں کے لیے ہے۔ یہاں اسلام کا "وَحدتِ انسانیت" کا اصُول کارفرما نظر آتا ہے کہ سب انسان اپنی فطرت اور اصل میں ایک جیسے ہیں اور علم اور ہدایت پر ان سب کا برابر کا حق ہے۔

۳۔۔۔ اسی آیت سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نیکی اور بدی کے بارے میں جو علم اُمتِ مُسلمہ کو حاصل ہو، اس کا فرض ہے کہ وہ دوسروں تک پہنچائے۔ علم کی اشاعت وُہ تیسرا اصُول ہے جو اس آیت میں ملتا ہے۔ اس کی وضاحت آپ آگے چل کر پڑھیں گے۔

○

Marfat.com

۲۔ شرفِ انسانیت

شرف سے مُراد عزت، برتری اور فضیلت ہے۔ " شرفِ انسانیت" کا مطلب انسان کی عزت اور بڑائی ہے۔ اس کا یہ مفہوم بھی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے یعنی اس کو دُوسری تمام مخلوقات پر برتری حاصل ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ انسان صرف اس لیے بھی قابلِ عزت ہے کہ وہ انسان ہے۔ عزت کے لیے انسان کا رنگ، خاندان اور نسل معیار نہیں۔ اس کا انسان ہونا کافی ہے۔ یہ اصُول اسلام ہی نے دیا ہے۔ آیئے اَب اِس کو تفصیل سے پڑھتے ہیں۔ انسان جب سے دُنیا میں آیا ہے، یہ سوچتا رہا ہے کہ جس دُنیا میں وہ زندگی گزار رہا ہے، اسے کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا؟ انسان کا اس کائنات میں کیا مقام ہے؟ وہ کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا؟ آپ انسانی تاریخ کا مُطالعہ کریں تو بہت سے فلسفیوں اور مذہبوں نے اِن سوالات کے جواب دیے ہیں۔ لیکن اکثر جوابات مایُوسی پر مبنی ہیں۔ زیادہ تر یہی کہا گیا کہ انسان فطری طور پر ہی بُرا ہے اور اس دُنیا کی زندگی اِس کے لیے سزا اور قید کی حیثیت رکھتی ہے۔

یُوں تو اکثر مذاہب میں انسان کو فطری طور پر بُرا کہا گیا ہے لیکن بعض مذاہب نے یہ تعلیم بھی دی کہ حضرت آدمؑ نے اللہ کی نافرمانی کی، چنانچہ سزا کے طور پر اُنھیں اور اُن کی بیوی کو زمین پر اُتار دیا گیا۔ اِس نافرمانی کی سزا آدمؑ کی ساری اولاد کو ملتی رہے گی۔ ہر انسان پیدائشی طور پر گناہ گار ہے اور اس کی فطرت میں بُرائی غالب ہے۔

اسلام نے اس قسم کے تمام تصورات کی تردید کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ زمین پر اللہ کا نائب ہے، وہ اپنی پیدائش اور فطرت کے اعتبار سے ہی عزت و شرف کا مالک ہے اور یہ شرف ہر انسان کو حاصل ہے۔ رنگ، نسل، علاقہ، خاندان غرض کوئی چیز ایسی نہیں جس کی وجہ سے ایک انسان کو دوسرے پر برتری حاصل ہو۔ اگر برتری کا کوئی معیار ہو سکتا ہے تو وہ مقصد کے حاصل کرنے کے سلسلے میں ذمّہ داری کا احساس یا تقویٰ ہے۔

آپ قرآن کریم کا مطالعہ کریں تو اس میں " شرفِ انسانیت " کا اصُول تین پہلوؤں سے واضح کیا گیا ہے:

ا ـــــ کئی آیات میں انسان کے شرف اور تکریم کے اصُول کا ذکر کیا گیا۔

ب ـــــ کئی اور آیات میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب مقرر کیا ہے۔

ج ـــــ آدمؑ کے زمین پر اُتارے جانے کے واقعے میں انسان کی فطری بُرائی کی بجائے اس کی فطری اچھائی کے پہلو کو

Marfat.com

سامنے لایا گیا۔

آیئے اب ان نکات کو ذرا واضح طریقے سے دیکھتے ہیں :

۱-۲ شرفِ انسانیت کا قرآنی اصول

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں اس اصول کی طرف اشارہ کیا گیا :

۱۔۔۔۔ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت اور بڑائی بخشی۔ ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا کی۔ اپنی مخلوقات میں سے اکثر پر اسے فضیلت دی۔" (القرآن : بنی اسرائیل : ۷۰)

۲۔۔۔۔ " ہم نے انسان کو سب سے بہتر تناسب سے پیدا کیا اور پھر اسے انتہائی پستی میں پھینک دیا۔ البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے (وہ پستیوں سے بچ گئے اور) ان کے لیے بے انتہا اجر ہے" (التین : ۴-۶)

آپ ان آیات سے نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت دی : اسے عزت و شرف عطا کیا۔ اس میں کمزوری ضروری ہے اور وہ اس کمزوری کی وجہ سے انتہائی پستیوں تک اتر سکتا ہے لیکن یہ بُرائی فطری نہیں اختیاری ہے فطری طور پر اللہ نے اسے بہترین فطرت پر پیدا کیا ہے۔

۲-۲ انسان اللہ کا نائب ہے

اللہ تعالےٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ اس کی تفصیل قرآن کریم میں اس طرح بیان ہوئی ہے :

" اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین پر نائب بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کیا آپ اسے بنا رہے ہیں جو زمین پر فساد کرے گا اور خون بہائے گا، جب کہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں تمہیں اس کا علم نہیں" (البقرہ : ۳۰)

انہی آیت میں آگے چل کر بیان کیا گیا کہ انسان کو فرشتوں پر جو برتری حاصل ہے اس کی بنیاد اس کے علم حاصل کرنے کی قابلیت اور نیکی بدی کا اختیار ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے نائب مقرر کرنے کے اس واقعے کے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اللہ نے فرشتوں سے مختلف چیزوں کے نام پوچھے تو انہوں نے کہا ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے دیا ہے۔ لیکن جب حضرت آدمؑ

Marfat.com

سے پوچھا گیا تو انہوں نے تمام چیزوں کے نام بتلا دیے۔ یوں آدمؑ کی علم کی استعداد ظاہر ہوئی۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ آدمؑ کو سجدہ کر کے اس کی برتری کو تسلیم کریں۔

۳-۲ نزولِ آدم علیہ السلام

آدم کے زمین پر اتارے جانے کا قصہ تقریباً تمام مذاہب نے بیان کیا ہے، لیکن جیسا کہ چارٹ میں دیے گئے تقابلی مطالعے سے آپ اندازہ لگائیں گے بعض مذاہب نے اسی قصّے کی بنیاد پر انسان کے ازلی اور فطری طور پر بُرا ہونے کا تصور پیش کیا اور اسے عقیدے کی حیثیت دی۔ قرآنِ کریم نے اسی قصّے کو مختلف انداز سے پیش کیا اور دکھلایا کہ انسان فطری طور پر اچھا ہے، اس لیے نافرمانی پر اسے پچھتاوا بھی ہوا اور وہ اپنی اصل فطرت یعنی اچھائی کی طرف لوٹ آیا۔

آدمؑ کی کہانی —— بائبل اور قرآنِ کریم کا تقابلی مطالعہ

بائبل	قرآنِ کریم
۱ —— بائبل کے مطابق خدا نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور تمام جانداروں پر اسے اختیار دیا۔	۱ —— قرآنِ کریم نے بتایا کہ اللہ تعالےٰ نے آدمؑ کو سب سے بہتر طریقے سے پیدا کیا اور اکثر مخلوقات پر اسے فضیلت دی۔
۲ —— سانپ نے عورت کو جنّت کا ممنوعہ پھل کھانے کے لیے بہکایا اور عورت نے آدمؑ کو وہ پھل کھلا دیا۔	۲ —— شیطان نے آدمؑ اور عورت دونوں کو بہکایا اور منع کیے ہوئے درخت کا پھل کھلا دیا۔
۳ —— اس نافرمانی کی عورت کو یہ سزا دی گئی کہ وہ درد کے ساتھ بچے جنے گی اور شوہر عورت پر حکومت کرے گا۔	۳ —— قرآنِ کریم میں عورت کے لیے اس قسم کی سزا کا ذکر نہیں۔
۴ —— آدمؑ کو یہ سزا ملی کہ وہ مشقت کے ساتھ زمین کی پیداوار کھائے گا۔	۴ —— آدمؑ کے لیے اس قسم کی سزا کا ذکر نہیں۔
۵ —— آدمؑ کی نافرمانی کے باعث زمین لعنتی ٹھہری	۵ —— قرآن کے نزدیک زمین آرام کے لیے ٹھکانا اور نفع حاصل

Marfat.com

۶ــــ آدمؑ کو اس لیے جنت سے نکال دیا گیا کہ وہ کہیں حیات کے درخت کا پھل کھا کر ہمیشہ کے لیے جیتا نہ رہے۔

۷ــــ بائبل میں آدمؑ کے توبہ کرنے اور خدا کے معاف کر دینے کا ذکر نہیں۔

ماخذ بائبل۔کتابِ مقدس۔کتابِ پیدائش

کرنے کی جگہ ہے۔

۶ــــ قرآن کے نزدیک آدمؑ اور حوّا دونوں کو زمین پر اس لیے بھیجا گیا کہ وہ آزمائش کی زندگی سے گزریں اور اپنے اختیار اور علم کو آزمائیں۔

۷ــــ قرآنِ کریم نے بتلایا کہ آدمؑ نے اللہ سے اپنی غلطی کی معافی مانگی اور اللہ نے اسے معاف کر دیا۔

ماخذ۔ قرآنِ کریم۔ سورۃ البقرۃ

Marfat.com

۳ — وحدتِ انسانیت

وحدت سے مراد اکائی یا ایک ہونا ہے۔ "وحدتِ انسانیت" کے معنی تمام انسانوں کا ایک ہونا ہے۔ اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسان ایک ہیں۔ اور سب آپس میں برابر ہیں۔

اسلام سے پہلے ایک طرف تو انسان کو فطری طور پر برائی کا پتلا سمجھا جاتا تھا اور دوسری طرف انسانوں میں آپس میں بھی تفریق اور امتیاز رکھا جاتا تھا۔ رنگ، نسل، زبان اور مذہب کی بنیاد پر بعض انسانوں کو دوسروں پر برتری دی جاتی تھی۔ مذہب کے نام پر انسانی خداؤں کی پوجا کرائی جاتی تھی۔ جیسا کہ اقبال نے رموزِ بے خودی میں لکھا ہے کہ انسان انسان کا محتاج ہو کر رہ گیا تھا۔ قیصر و کسریٰ کی طاقت و شوکت اس کی آزادی پر ڈاکے ڈال رہی تھی۔ انسان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے، اس کے پاؤں میں بیڑیاں اور گردن میں طوق تھا۔ یہ ایک شکار تھا اور کاہن، پادری، سلطان اور امیر کے روپ میں اس کے کئی شکاری تھے ——— مختصر یہ کہ انسان کی فطرت غلامی کے بوجھ سے پست ہو گئی تھی۔ اسلام نے ان سب تصورات کے مقابلے میں وحدتِ انسانیت کی تعلیم دی۔ سب انسانوں کو پیدا کرنے والا ایک ہے، سب ایک آدم کی اولاد ہیں۔ کسی کو کسی پر برتری نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

> "اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ ہی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے"
>
> (الحجرات : ۴۹)

آپ نے دیکھا کہ قرآنِ کریم نے کس طرح وضاحت سے بتایا کہ سب انسانوں کی اصل ایک ہے۔ قومیں اور قبیلے پہچان کا معیار تو ہو سکتے ہیں۔ برتری کی بنیاد نہیں ہو سکتے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کے موقع پر عالمی اہمیت کے جو اعلان فرمائے ان میں ایک یہ بھی تھا:

> "اے انسانو! تم سب کا رب ایک ہے: تم سب کا باپ ایک ہے۔ نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے، نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کسی گورے کو کالے پر برتری ہے، نہ کالے

Marfat.com

کو گورے پر ہے ۔ اگر فضیلت ہے تو تقویٰ کی بنیاد پر"

۱-۳ غلامی کا تصوّر

اِنسانی شرف و مساوات کی پیشانی پر سب سے بڑا داغ غُلامی کا تھا۔ بعض قومیں دُوسروں پر غلبہ پاکر انہیں غلام بنالیتی تھیں اوران کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتی تھیں۔ غلاموں کو سِرے سے کوئی حقُوق حاصل نہیں ہوتے تھے ۔ ان سے محنت مزدوری اور ہر طرح کے کام لیے جاتے تھے لیکن انہیں اچھے سلُوک کا مستحق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مالک اسے بلا وجہ قتل کر دینے کا بھی اختیار رکھتا تھا۔ یہ صُورتِ حال اتنی عام تھی کہ ارسطو جیسے دانشور غلامی کو قُدرتی بات سمجھتے تھے۔ ارسطو اپنی کتاب سیاسیات میں لکھتا ہے :۔

"اتنا بہرحال ماننا پڑتا ہے کہ بعض لوگ کہیں بھی ہوں ہمیشہ غُلام رہیں گے۔ لیکن بعض کسی حالت میں بھی غلام نہیں ہوں گے ۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حَسب و نسب میں شریف ہیں ان کی اپنے وطن میں بھی عزت ہوتی ہے اور جہاں کہیں جاتے ہیں وہاں بھی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اِس کے برعکس غیر متمدن قوموں کی صرف ان کے وطن میں عزت ہوتی ہے۔" (سیاسیات ، اردو ترجمہ، ص۳۲)

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"کچھ لوگ چونکہ بالطبع غلام پیدا ہوتے ہیں اور کچھ آزاد۔ اس لیے ظاہر ہے جس کسی کو غلامی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے اسے غلام بنالینا ہی بہتر ہے اور عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے۔"

غلامی کا یہ تصور اسلام کے وحدتِ انسانیت کے اصُول کے خلاف تھا، چنانچہ اسلام نے ایسے اقدامات کیے کہ غلامی دنیا سے آہستہ آہستہ ختم ہو جائے ۔ ان میں سے چند اقدامات یہ تھے :۔

۱ ــــ غلامی کی ایک صُورت کے علاوہ باقی تمام صُورتوں کو منع کر دیا تھا۔ یہ صُورت جنگی قیدیوں کی تھی۔ ان کے بارے میں بھی حکم دیا گیا کہ معاوضہ لے کر یا خیر سگالی کے طور پر اُن کو رہا کر دیا جائے۔

۲ ــــ غلاموں کے حقوق مقرر کیے گئے۔

۳ ــــ مختلف کوتاہیوں اور غلطیوں کے جرمانے یا کفارے کی صُورت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ غلام آزاد کریں۔ اِس کے علاوہ بھی زیادہ سے زیادہ غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی اور یوں آہستہ

Marfat.com

آہستہ غلاموں کی تعداد کم ہوتی گئی۔

۴ـــــ غلاموں کو روزی کمانے کا حق دیا گیا اور یہ حق بھی تسلیم کروایا گیا کہ وُہ اِس کمائی سے اپنی آزادی خرید سکتے ہیں۔

۵ـــــ اسلام نے ایک طرف تو غلامی کے خاتمے کے لیے یہ اقدامات کیے، دُوسری طرف غلاموں کو معاشرے میں وہ عزت و شرف بخشا جو انسان ہونے کی وجہ سے ان کا حق تھا۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں حضرت بلال رضؓ حضرت زیدؓ اور اُن کے بیٹے اسامہؓ کے نام مثال کے طور پر لیے جا سکتے ہیں۔ لوگ ان کے ساتھ تعلق اور رشتے داری کو فخر خیال کرتے تھے۔

بلالؓ

لیکن بلالؓ، وُہ حبشی زادہ حقیر
فطرت تھی جس کی نُورِ نبوت سے مُستنیر

جس کا امیں ازل سے ہُوا سینۂ بلالؓ
محکوم اِس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر

ہوتا ہے جس سے اَسود و احمر میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر

اِقبال (بانگِ درا)

حضرت بلالؓ کو اذان کا اہم فریضہ سونپا گیا، جس کی آواز سن کر بڑے چھوٹے اپنے امتیازات کو ختم کر کے اس فریضے کی ادائیگی کے لیے جمع ہوتے ہیں چنانچہ نماز میں گورے کالے، امیر غریب حاکم اور رعایا سب ایک صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو لشکر کا سردار بنایا گیا جس میں عرب کے وہ لوگ اِن کے ماتحت تھے جو اسلام سے پہلے حسب و نسب اور شان و شوکت میں ان سے کہیں بڑے سمجھے جاتے تھے۔ اسلامی تاریخ میں ایسے بہت سے سپہ سالاروں، حاکموں، بادشاہوں، عالموں اور وزیروں کے نام ملیں گے جو خود غلام تھے یا غلام خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں برِصغیر پاک و ہند کا خاندانِ غلاماں اور مصر کے مملوک (غلام) سلاطین کے نام مثال کے طور پر لیے جا سکتے ہیں۔

۶ـــــ اسلام نے اس سلسلے میں ایک اِنقلاب اور برپا کیا۔ غُلاموں کے لیے جو الفاظ استعمال ہوتے تھے، اسلام نے ان کے

Marfat.com

معنی بدل کر رکھ دیے اور اس طرح غلامی کے تصور میں ایک بنیادی تبدیلی پیدا کر دی۔ عربی میں غلام کے لیے عبد کا لفظ بولا جاتا تھا۔ اسلام نے "عبد" کو اللہ اور انسان کے درمیان رشتے کا نام دیا اور یہ رشتہ انسان کے لیے ناجائز ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کے لیے بھی "عبد" کا لفظ استعمال کیا۔ اس طرح "عبدیت" "عبادت" اور "عبودیت" وغیرہ کی اصطلاحیں اللہ کے لیے مخصوص کر دیں۔ انسان اللہ کا نائب بھی ہے اور "عبد" بھی ۔ معنی کی اس تبدیلی کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے ذہن میں کسی انسان کے لیے دوسرے کا "عبد" ہونا ناممکن بن گیا اور یوں انسانی خدائی کے نظریے اسلام سے خارج ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ غلاموں کو "عبد" کہہ کر نہ پکارا جائے بلکہ بیٹا یا بیٹی کہہ کر پکارو۔ عربی میں لڑکے یا بیٹے کو "غلام" کہا جاتا ہے۔ آپ غور کریں کہ اردو زبان میں غلامی کے رشتے کے لیے "غلام" کا لفظ ہی بولا جاتا ہے اور لفظ "بندہ" جو غلام کے معنوں میں بولا جاتا تھا اس کے معنی بھی اسلامی تعلیمات کے اثر سے تبدیل ہوتے گئے حتیٰ کہ اب اس کے معنی آدمی اور شخص کے ہو گئے ہیں۔

۲-۳ عورتوں کے حقوق

انسانی مساوات کی سب سے زیادہ نفی غلامی کے تصور سے ہوتی تھی، اس سلسلے میں اسلام نے جو اقدامات کیے ان کا ذکر آپ نے پڑھا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے تصورات اور تعصبات تھے جن کی بنیاد پر انسانوں کو برابر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان سب کا ذکر تو ممکن نہیں، البتہ اشارے کیے جا سکتے ہیں۔ نابرابری کی ان مثالوں میں سے عورت بھی تھی۔ اسے مردوں کے مقابلے میں حقوق حاصل نہیں تھے، جیسا کہ آپ نے حضرت آدمؑ کے ذکر میں پڑھا عورت کو برائی کی جڑ سمجھا جاتا تھا۔ اسے قانون اور معاشرے کی نظر میں کوئی مقام حاصل نہیں تھا۔ حتیٰ کہ اکثر علاقوں اور قوموں میں لڑکی کی پیدائش کو شرم کا باعث سمجھا جاتا تھا اور بعض قبائل اسے اتنا منحوس خیال کرتے تھے کہ اسے پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔

اسلام نے بتایا کہ شریعت اور قانون کی نظر میں مرد اور عورت برابر ہیں اور ان کو ایک جیسے حقوق حاصل ہیں (البقرہ: ۲۲۸) اسلام نے نکاح اور طلاق کے قانون مقرر کیے اور جہاں جہاں عورت کے ساتھ زیادتی تھی اس کی تلافی کی۔ عورت کو خاوند سے علیحدگی کا حق دیا، جائیداد میں حصہ مقرر کیا، عورت سے اچھے سلوک کا حکم دیا بچیوں کی تعلیم و تربیت کا حکم دیا اس طرح عورتوں کو معاشرے میں ان کا مقام ملا۔ عورت کو جو آزادی ملی اس کا نتیجہ تھا کہ ہمیں تاریخ میں عورتیں حکومت، علم، ادب اور تصوف غرض تقریباً ہر میدان میں پیش پیش

Marfat.com

کارنامے سرانجام دیتی نظر آتی ہیں۔

۳-۳ مذہبی آزادی

انسانوں میں تفریق کی ایک بنیاد مذہب بھی بن چکا تھا۔ یہ تفریق دو طریقے سے کی جاتی تھی :

ا ـــــ ایک مذہب کے ماننے والے اپنے آپ کو دُوسرے مذہب کے پیروکاروں سے برتر سمجھتے تھے اور حاکم ہونے کی صورت میں غیر مذہب کے لوگوں کو برابر کے حقوق نہیں دیتے تھے بلکہ بنیادی حقوق سے بھی محرُوم رکھتے تھے۔ اسلام نے نظری اور عملی طور پر اس تفریق کو ختم کیا۔ مُسلمان حکومتوں نے غیر مُسلموں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا۔ ان کو برابر کے حقوق دیے مکمل آزادی دی اور زندگی کے دُوسرے شعبوں میں ان کو برابر کا شریک رکھا گیا۔

ب ـــــ ایک ہی مذہب کے ماننے والے آپس میں بھی تفریق روا رکھتے تھے۔ ہر مذہب میں دینی پیشواؤں کا ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا تھا جو خود کو دوسروں سے برتر سمجھتا تھا۔ وہ خدا کے قریب ترین ہونے کا دعویٰ کرتے اور مُعاشرے میں سب سے بلند درجہ رکھتے تھے۔ ان کو ہر قسم کی مراعات حاصل تھیں۔

مذہبی پیشواؤں کے اس طبقے نے مذہب اور علم دونوں پر اجارہ داری قائم کی ہوئی تھی۔ ان کے بغیر کوئی انسان خدا تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ خدا کی خوشنودی کے طریقے صرف انہی کو معلوم تھے۔ مختلف مذہبی رسُوم کو اتنا پیچیدہ بنا دیا تھا کہ ان کے بغیر کوئی عبادت ادا نہیں ہو سکتی تھی۔ اکثر مذاہب میں ان کا یہ مقام موروثی اور خاندانی تھا۔ ان کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی جا سکتی تھی۔ اگر کوئی جرأت کر بیٹھتا تو اسے مختلف طریقوں سے خاموش کرا دیا جاتا، حتیٰ کہ بعض اوقات اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا یا زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ پندرھویں صدی عیسوی میں جب یورپ میں کوپرنیکس اور گیلی لیو نے اپنی تحقیقات کی روشنی میں یہ نظریہ پیش کیا کہ سُورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے تو کلیسا نے اسے بائبل کی تعلیمات کے خلاف قرار دیا اور ان سائنسدانوں پر پابندیاں لگا کر خاموش کر دیا۔

اسلام نے مذہبی پیشوائی کے تصور کو توحید کے عقیدے اور وحدتِ انسانیت کے اصُول کے ذریعے سے ختم کر دیا۔ اسلام نے ہر انسان کو اپنے فعل کا ذمہ دار خود ٹھہرایا۔ قرآن میں ارشاد ہوا :

"کہو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رَبّ تلاش کروں۔ وہی تو ہر چیز کا رَبّ ہے۔ ہر شخص جو کچھ کرتا ہے اس کا نتیجہ اسی کو پیش آتا ہے۔ کوئی کسی دُوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا (الانعام : ۱۶۵)

Marfat.com

چونکہ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، اس لیے اللہ اور انسان کے درمیان کسی واسطے کی ضرورت نہیں ارشاد ہوا:

"انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریمؑ کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا، حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ لوگ اللہ کے جو شریک مقرر کرتے ہیں، اللہ ان سے پاک ہے۔" (التوبہ : ۳۱)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں علماء اور مشائخ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو دوسرے مذاہب میں پادری یا برہمن کو حاصل ہے۔ قرآن کریم ایسے تصور کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام میں انسان کا اللہ سے براہِ راست واسطہ اور رابطہ قائم ہے۔ البتہ علماء کرام سے دین کی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے رابطہ قائم رکھنا ضروری ہے، خاص طور پر اُن لوگوں کے لیے جو اَن پڑھ ہیں یا کم پڑھے لکھے ہیں، عربی زبان سے ناواقف ہیں اور قرآن و حدیث اور فقہ کو اپنے طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ ایسے لوگوں کو دین پر عمل کرنے کے لیے علماء سے راہ نمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

فَسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ — اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھ لو۔
(سورۃ الانبیاء : ۷)

Marfat.com

۴ - اِسلام کا تاریخی کردار

آپ نے دیکھا کہ اسلام نے پرانے تعصبات کا خاتمہ کرتے ہوئے "شرفِ انسانیت" اور "وحدتِ انسانیت" کی تعلیم دی۔ اس سے ان تمام معاشروں میں انقلاب آگیا جہاں اسلامی تعلیمات پہنچیں۔ برصغیر پاک و ہند میں انسان ذات پات کی تقسیم اور چھوت چھات کا شکار تھا۔ یہاں جب اسلام کی روشنی آئی تو صرف ان لوگوں میں ہی تبدیلی نہیں آئی جنہوں نے اسلام قبول کیا بلکہ خود ہندو معاشرے پر بھی اس کے مثبت اثرات پڑے۔ ان اثرات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں :۔

"اگر ہندوستان کی اقتصادی زندگی میں پیدا شدہ تبدیلیاں قابلِ توجہ تھیں تو معاشرتی اور سیاسی زندگی میں عظیم تر تھیں۔ مُعاشرتی زندگی کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر جمہوریت پسندانہ تھا۔ اسلام نے موروثی اور نسلی امتیازات کو زیادہ قابلِ قدر نہیں سمجھا۔ یہ اسی کا اثر تھا کہ ہندومت میں معاشرتی مساوات کا احساس زندہ ہوا اور یہ مذہب سماجی حد بندیوں کو توڑنے کے لیے آمادہ ہوگیا۔" (ڈاکٹر تاراچند - تمدن ہند پر اسلامی اثرات، اُردو ترجمہ صدا ۲۳)

اسلامی تعلیمات سے برِصغیر کی سماجی، سیاسی اور مذہبی زندگی میں بہت بڑی تبدیلیاں آئیں۔ اسلام کے زیرِ اثر ہندومت میں وحدانیت کی تحریکیں اُٹھیں مُغلیہ حکومت کے ابتدائی دور میں بھگتی تحریک اور سکھ مذہب کا ظہور اسی اثر کے تحت ہوا۔ دورِ جدید میں آریہ سماج قسم کی تحریکیں بھی انہی اثرات کا نتیجہ تھیں۔ ان تمام تحریکوں نے توحید اور انسانی مساوات پر زور دیا۔ سکھ مذہب کی مقدس کتاب گرنتھ اور سترھویں صدی کے مرہٹہ رشی تکارام کی دعائیں ان اثرات کی بہترین مثالیں ہیں :

"اسمائے اعظم میں پہلا نام اللہ کا ہے
اسے بار بار لینا ہرگز نہ بھول
بلاشبہ اللہ ایک ہے ــــ اور بے شک نبیؐ ایک ہے ،
اے بابا! ــــ ہاں اللہ ایک ہے ــــ اللہ ایک ہے ،
اللہ ایک ہے ــــ نہ تو ہے ــــ اور نہ میں"

تکارام - ابھنگ
حوالہ : ڈاکٹر تاراچند صد ۳۵۹

"اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے
اے بابا ! خالق، سب پر زبردست ہے
دوست، مویشی، باغات اور ساز و سامان سب جاتا ہے
اے بابا! میرا دل تو اپنے صاحب سے لگا رہتا ہے
ہاں وہی خالق ہے
اے بابا ! اللہ کا ذکر کر جو ہر جگہ جلوہ گر ہے
تکا کہتا ہے جو شخص حقیقت سمجھ جاتا ہے وہ درویش ہو جاتا ہے"

تکارام - ابھنگ - بحوالہ تاراچند - تمدن ت صد ۳۹۵

Marfat.com

آج کے معاشرے ماضی کی نسبت ترقی یافتہ ضرور ہیں لیکن ان میں بھی رنگ و نسل کی تمیز ختم نہیں ہوئی۔ دنیا میں جمہوریت مساوات اور انسانی حقوق کے سب سے بڑے علمبردار امریکی معاشرے میں گورے اور کالے کی تفریق اب بھی باقی ہے۔ امریکہ کے سیاہ فام لوگ اپنے حقوق کے لیے بہت عرصے سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے اپنی مشکلات کا حل اسلام میں ڈھونڈا لیکن ان کے ساتھ ناانصافی اتنی زیادہ ہوئی تھی کہ گوروں سے نفرت ختم نہ ہو سکی۔ ان سیاہ فام مسلمانوں نے جب امریکہ سے باہر مسلمان ملکوں کا سفر کیا تو انہیں انسانی مساوات نظر آئی۔ انہیں پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ گوروں اور کالوں میں برابری ممکن ہے۔

امریکی سیاہ فام مسلمانوں کے ایک رہنما میلکم ایکس نے ۱۹۶۴ء میں فریضۂ حج کے لیے حجاز کا سفر کیا۔ یہاں وہ قدم قدم پر حیران ہوا کہ کالے اور گورے دونوں ایک دوسرے سے کندھے سے کندھا ملائے اللہ کے حضور حاضری دے رہے ہیں۔ اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے اس نے لکھا:

"یہاں لاکھوں کی تعداد میں حاجی تھے جو دنیا کے ہر کونے سے آئے ہوئے تھے۔ وہ ہر رنگ کے تھے۔ نیلی آنکھوں والے سفید فام لوگوں سے لے کر افریقہ کے سیاہ فام انسانوں تک لیکن ہم سب ایک ہی عبادت میں مشغول تھے۔ ہم لوگ وحدت و اخوت کا ایسا مظاہرہ تھے کہ امریکہ میں میری زندگی کے جو تجربات رہے ہیں، ان کی بنا پر میں کبھی یقین بھی نہیں کر سکتا تھا کہ گوروں اور کالوں کے درمیان ایسا اتحاد ممکن بھی ہے۔

ضرورت ہے کہ امریکہ اسلام کو پوری طرح سمجھے کیوں کہ صرف یہی ایک مذہب ہے جس نے اپنے معاشرے سے نسلی امتیاز کا مسئلہ ختم کر دیا ہے مسلمان ملکوں میں سفر کے دوران میری ملاقات ایسے بہت سے لوگوں سے ہوئی بلکہ ان کے ساتھ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا جنہیں امریکہ میں "گورا" سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے ان لوگوں کے دماغوں سے "گوری ذہنیت" ختم کر دی ہے۔ میں نے اخلاص سے اس قدر بھرپور اور بھائی چارے کے جذبے کی اتنی سچی مثال کبھی نہیں دیکھی۔ جہاں کسی قسم کے امتیاز کے بغیر ہر رنگ کے لوگ اس رشتے میں برابر کے شریک ہوں"

(میلکم ایکس، خود نوشت سوانح عمری صفحہ ۳۴۴)

اسلام کی یہی تعلیمات دنیا کے کونے کونے میں پہنچیں۔ انسان کو انسانی خداؤں سے نجات ملی۔ انسانیت کو اس کے حقوق ملے۔ انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ بادشاہوں کو آئین کا پابند بنانے کی تحریکیں چلیں اور سیاسی میدان میں دنیا جمہوریت کی طرف گامزن ہوئی۔ انسانوں کے بنیادی حقوق کے لیے تحریکیں چلیں اور آخر بیسویں صدی میں عالمی برادری انسانی حقوق کے منشور کا اعلان کرنے میں کامیاب ہوئی۔

اسلامی تعلیمات میں عمل کی انفرادی ذمہ داری کے تصور سے مذہبی پیشوائی کا بھی خاتمہ ہوا۔ ان تعلیمات کے اثرات اندلس اور شام کے راستے یورپ میں پہنچے۔ یہ وہ زمانہ ہے جسے یورپ کی تاریخ "تاریکی کے عہد" کے نام سے یاد کرتی ہے۔ دراصل یونانی تہذیب کے

Marfat.com

عہد اور عیسائیت کے دَور کے بعد یورپ میں کوئی سرگرمی نظر نہیں آتی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ خاموشی کے ساتھ ساتھ اپنی ہمسایہ اسلامی تہذیب سے استفادہ تو کر رہا تھا لیکن عیسائی مذہبی طبقوں کے ڈر سے اس کا اعتراف نہیں کرتا تھا۔ اسی لیے اسے "خلا" یا "تاریک دور" کہا گیا۔ درحقیقت یہ وہ زمانہ ہے جب اسلامی علوم کی کتابیں یورپ کی زبانوں میں ترجمہ ہو کر یورپی اہلِ علم تک پہنچ رہی تھیں اور یورپ میں علم کا چرچا ہو رہا تھا۔

ایک طرف ان علوم کا چرچا تھا تو دوسری طرف مذہبی طبقے اسے تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ اس بیداری پر طرح طرح سے پابندیاں لگائی جا رہی تھیں۔ کلیسا نے اپنے اختیارات میں بے پناہ اضافہ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ان اختیارات کے خلاف جو تحریکیں اُٹھیں ان میں بھی اسلامی روح کار فرما نظر آتی ہے۔

آٹھویں صدی عیسوی میں جب عیسائیت کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہوئی تو روم کے کلیسا کے بڑے پادری کو پوپ کا لقب دیا گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد اٹلی کے وسطی علاقے میں مقدس سلطنت روما کا قیام عمل میں آیا۔ یورپ کے بادشاہ اس مقدس سلطنت سے برکت حاصل کرتے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی تک یورپ کے تمام حکمران کلیسا کے ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ تمام بادشاہ پاپائے روم کے حکم کی پابندی کرتے تھے۔ اس کی نافرمانی کا نتیجہ اکثر خوفناک ہوتا تھا۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاپائے روم کا عمل دخل سیاست اور علم کے ہر میدان میں بڑھتا گیا۔ ان کے فیصلوں کی خلاف ورزی پر لوگ زندہ جلا دیے جاتے اور اختلاف رکھنے والوں پر کفر کے فتوے لگائے جاتے۔

مذہبی معاملات میں تو ان کو ہر طرح کے اختیارات حاصل تھے، وہ اللہ کے نمائندے تھے، وہ گناہ معاف کر سکتے تھے، نئے حکم جاری کر سکتے تھے، پندرھویں صدی میں تو یہ اختیارات یہاں تک جا پہنچے کہ انہوں نے مغفرت کے پروانے اور جنت کے اجازت نامے فروخت کرنے شروع کر دیے۔

جرمنی کے ایک عیسائی عالم مارٹن لوتھر (وفات ۱۵۴۶ء) نے ان زیادتیوں پر شدید احتجاج کیا اور ایک تحریک کی بنیاد رکھی جو بعد میں اصلاحِ کلیسا اور اصلاحِ مذہب کے نام سے یاد کی گئی۔ اس نے تعلیم دی کہ اللہ کی نگاہ میں امیر و غریب سب برابر ہیں۔ ہدایت کا سرچشمہ "کتابِ مقدس" ہے اور انسان کو اس کتاب تک براہِ راست رسائی کا حق حاصل ہے۔ اس کا عام فہم زبانوں میں ترجمہ ضروری ہے۔ مذہبی رسُوم کے لیے پوپ یا اس کے نمائندے کی موجودگی ضروری نہیں۔ ہر انسان اپنے فعل کے لیے خود ذمہ دار ہے کوئی کسی کا گناہ معاف نہیں کر سکتا۔

آپ غور کریں تو دیکھیں گے کہ اصلاحِ کلیسا کی اس تحریک کے پیچھے اسلام کی شرفِ انسانیت اور وحدتِ انسانیت کی تعلیمات کار فرما نظر آتی ہیں۔

Marfat.com

اصلاحِ کلیسا کی تحریک سے یورپ میں مذہبی اور فکری آزادی کا دَور شروع ہوا - اس سے علمی اور ثقافتی نشاۃ ثانیہ کی ابتدا ہوئی اور احیائے علوم کی تحریکیں شروع ہوگئیں۔

۴-۱ خود آزمائی نمبر ۱

یہاں آپ کچھ دیر کے لیے رُک کر ایک مرتبہ پچھلے صفحات پر نظر دوڑائیں اور ان تمام نکات کو ذہن میں لائیں جو آپ اب تک پڑھ چکے ہیں۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیں:

۱۔۔۔ قرآنِ کریم کی نظر میں اُمتِ مسلمہ کو کون سا تاریخی کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے؟ اور وُہ اس کردار میں کس حد تک کامیاب رہی ہے؟

۲۔۔۔ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں انسانیت کو اس کا صحیح مقام دلانے کے لیے اسلام نے کون سے اصُول عطا فرمائے ہیں؟

۳۔۔۔ "شرفِ انسانیت اور وحدتِ انسانیت کے اصُول کی بنیاد عقیدۂ توحید ہے" وضاحت کیجیے۔
آج کے مسلم مُعاشروں کا دوسرے مُعاشروں سے مقابلہ کرکے بتلائیے کہ شرفِ انسانیت کا اصُول کن مُعاشروں میں زیادہ بہتر طریقے پر کارفرما ہے اور اس کی وجُوہات کیا ہیں؟

Marfat.com

۵ - اشاعتِ علوم

آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ انسان کو دُوسری مخلوقات پر جو برتری حاصل ہے قرآن کے نزدیک اِس کی نمایاں وجہ انسان کی علم حاصل کرنے کی صلاحیت ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ چونکہ انسان کو دُوسری اکثر مخلوقات کے مقابلے میں سوچنے سمجھنے اور اپنی مرضی سے عمل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اسی لیے اسے اپنے فعل کا ذمّہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ قرآنِ کریم نے واضح کیا کہ دُنیا میں جو فساد ہے وہ انسان کے فعل سے وجود میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وُہ قوم خود اپنی حالت نہیں بدلتی۔

انسان کو کائنات کے بارے میں غور و فکر اور تحقیق و جستجو کی آزادی بلکہ دعوت دی گئی ہے۔ اوپر آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ علامہ اقبال ؒ کے نزدیک اُمّتِ مسلمہ کے درمیانی اُمّت ہونے کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ قرآنِ کریم کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے اسے وحی کے علاوہ زندگی کے تجربات، فطرت اور تاریخ سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا:-

"بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں اور ان کشتیوں میں جو دریاؤں میں لوگوں کے نفع کی چیزیں لے کر چلتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ تعالےٰ آسمانوں سے اُتارتا ہے اور جس سے زمین مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جاتی ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانوروں کے پائے جانے میں ہواؤں کے چلانے میں اور ان بادلوں میں جو زمین اور آسمانوں کے درمیان اٹکے رہتے ہیں، ایسی نشانیاں ہیں جن پر عقل مند لوگ غور کرتے ہیں۔"

(البقرہ : ۱۶۴)

ان عقل مندوں کو غور و فکر سے کیا حاصل ہوتا ہے، اس کے بارے میں ایک اور آیت میں بتلا دیا گیا:

"بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں ان عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ آسمان اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں تو پکار اٹھتے ہیں: اے ہمارے رب! تُو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تُو پاک ہے۔ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

(آلِ عمران : ۱۹۱)

کائنات پر غور و فکر کی یہ دعوت قرآنِ کریم میں بار بار ملتی ہے۔ اس دعوت کے کئی پہلو ہیں جن میں چند ایک یہ ہیں:

Marfat.com

۱۔۔۔ قرآن تصورات اور خیالات کی دنیا سے نکال کر ٹھوس حقائق کی دنیا میں لاتا ہے اور ان پر غور کی دعوت دیتا ہے۔ اس طرح یونانی علم و فکر اس تصوراتی دنیا سے انسان کو باہر نکالتا ہے جہاں تجربہ کی بجائے فکر اور تصور پر اور عمل کی جگہ نظریے پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، اسی لیے سائنس کا راستہ رکا رہا۔ اسلام نے جب تجرباتی طریقِ فکر کی طرف دعوت دی تو سائنس کو ترقی اور نشو نما پانے کا موقع ملا۔

۲۔۔۔ قرآن نے کائنات کے غور کا مقصد بھی بتایا کہ اس سے انسان کو معلوم ہو سکے گا کہ اس کائنات میں ایک نظام کار فرما ہے یہ کسی ضابطے اور قانون کے تحت چل رہی ہے اور ان سب کے پیچھے اللہ کی طاقت اور مشیت کام کر رہی ہے۔ توحید کا یہ تصور دراصل علم کی صحیح راہ ہموار کرتا ہے۔ شرک کا عقیدہ علم اور سائنس کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اوہام اور خرافات شرک کی پیداوار ہیں۔ ایک سے زیادہ خداؤں کا تصور کائنات میں نظم و ضبط کی نفی کرتا ہے اور اس طرح کائنات میں کسی قسم کے قوانین فطرت کا انکار کرتا ہے ان قوانین اور اصول کے نہ ہونے کا عقیدہ ہی مختلف خداؤں کی پوجا پر مجبور کرتا ہے اور انسان کو کائنات کی تسخیر سے روکتا ہے۔

۳۔۔۔ قرآنی تعلیمات سے علم کی صحیح تعریف بھی سامنے آئی۔ اوہام و خرافات کو علم نہیں کہا جا سکتا۔ علم حقائق کا نام ہے اور یہ حقائق انسانی حواس کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں انسان کی ذمہ داری ہے کہ ان حواس سے کام لے اور جب تک کسی بات کا اسے صحیح علم نہ ہو۔ اس کی پیروی نہ کرے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا:

"جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کی پیروی نہ کر۔ کان، آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں تجھ سے باز پرس ہوگی" (بنی اسرائیل: ۳۶)

قرآن میں علم کا تصور بہت وسیع ہے اس میں دینی علوم کے ساتھ کائنات کے تمام علوم بھی شامل ہیں بلکہ اصل علم ان سب کے مجموعے کا نام ہے۔ چنانچہ یہ علم و حکمت جہاں سے بھی ملے مسلمانوں پر اس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

"حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں بھی ملے وہ اسے لے لے کیوں کہ وہی اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔"

۴۔۔۔ اسلام میں علم پر کسی خاص فرد یا گروہ کی اجارہ داری نہیں۔ یہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسلام میں کوئی پروہت یا کاہن نہیں۔ رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ ہر مسلمان مرد ہو یا عورت علم حاصل کرے۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے (الزمر: ۹) علم کسی کے لیے مخصوص نہیں اور نہ کوئی دوسروں کو اپنی رائے یا علم کا پابند کر سکتا ہے علم کے بارے میں ان تعلیمات کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلام کے ظہور کے ساتھ ہی علم کی دنیا میں جیسے سیلاب آگیا، اوہام و

Marfat.com

خرافات کے بند ٹوٹ گئے، پیاسی انسانیت سیراب ہوئی۔ جہاں جہاں اسلام کی روشنی پہنچی، انسان کی علم حاصل کرنے کی خواہش نے کروٹ لی، علم کے سوتے پھوٹ پڑے۔ کئی شاندار ثقافتوں کا ظہور ہوا۔ علم کی دنیا میں اسلام نے چار بنیادی کارنامے سرانجام دیے:

۱۔۔۔ اسلام نے تجرباتی طریق تحقیق و استدلال کی بنیاد رکھی جس میں استخراج کی بجائے استقرا سے کام لیا جاتا تھا۔

۲۔۔۔ اسلام نے پچھلی تہذیبوں کے علوم کو عربی زبان میں محفوظ کر کے ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ پچھلی قوموں کی ایجادات مثلاً کاغذ کی صنعت، بارود، قطب نما وغیرہ مسلمانوں کے ذریعے سے دوسرے لوگوں تک پہنچیں۔

۳۔۔۔ اسلام نے ان علوم پر مزید تحقیق کر کے ان کو ترقی دی۔

۴۔۔۔ اسلام نے دنیا کو کئی نئے علوم دیے مثلاً تفسیر، اصول حدیث، علم الرجال، علم فقہ، فلسفہ تاریخ، علم تجوید، تصوف وغیرہ

اسلامی تمدن میں علم کو نہایت اہم مقام حاصل تھا۔ مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں سے ہر دور کے مورخین متاثر نظر آتے ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک کے اقوال نقل کرتے ہیں:

فلپ حتی نے لکھا:

"اس زمانے میں جب عرب علماء ارسطو کا مطالعہ کر رہے تھے، یورپ میں شارلیمن اور اس کے امراء اپنے نام کے ہجے سیکھ رہے تھے ..... ایسے زمانے میں جب جامعہ آکسفورڈ کے عالم غسل کرنے کو بے دینوں کی رسم بتاتے تھے، قرطبہ کے مسلمان سائنس دان پُرتکلف اور عطر بیز حماموں کا لطف اٹھا رہے تھے" (تاریخ عرب اردو ترجمہ ص۱۱۱)

جارج سارٹن کا کہنا ہے:

"آٹھویں صدی کے نصف آخر سے گیارہویں صدی کے اختتام تک عربی ہی بنی نوع آدم کی سائنسی اور ترقی پسندانہ زبان تھی ..... سب سے زیادہ گراں قدر، سب سے زیادہ اچھوتی اور سب سے بڑھ کر پُرمغز کتابیں عربی زبان میں لکھی گئیں" (تاریخ سائنس)

ولیم ڈمپیر لکھتا ہے:

"جب عیسائی دنیا زوال پر تھی اسلامی دنیا میں علوم کی نشو و نما اپنے عروج پر تھی۔ آٹھویں صدی کے آخری نصف میں علم کے میدان میں برتری یورپ کی بجائے یقیناً مشرق قریب کو حاصل ہو چکی تھی" (تاریخ سائنس، ص۷۲)

بریفالٹ نے تسلیم کیا کہ:

"یورپ کے احیاء اور ارتقا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر اسلامی تہذیب کے گہرے اثرات نہ پائے جاتے ہوں" (تشکیل انسانیت اردو ترجمہ ص۱۹۰)

Marfat.com

۶- مسلمانوں کی علمی خدمات

۶-۱ یونانی حکمت کی حفاظت اور نشو و نما

ولیم ڈریپر نے یورپ کے ذہنی ارتقاء کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھا:

"عیسائی حکومت نے اسے (مصر کو) جس بھیانک مذہبی جنون، جہالت اور بربریت کے گڑھے میں دھکیلا تھا۔ اسلام نے اسے اس میں سے نکالا۔ انہوں نے نہ صرف قدیم یونانی حکماء کی تالیفات جمع اور محفوظ کیں بلکہ ان پر تفصیلی تبصرے کیے اور ان کی اصلاح کی۔ جدید یورپ کے بانیوں کو افلاطون، ارسطو، اقلیدس، بطلیموس، بقراط اور جالینوس کے کلیات فاضلانہ شرحوں کے ساتھ عربی میں ہی دستیاب تھے" (بحوالہ مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے: ص ۲۵: ۲۶)

۶-۲ علمِ ریاضی

ریاضی میں مسلمانوں نے یونانی اور ہندوستانی علوم سے استفادہ کرتے ہوئے ان پر بیش بہا اضافے کیے۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی، عمر خیام، نصیر الدین طوسی، ابن الہیثم اور کمال الدین فارسی کے نام ان خدمات میں نمایاں ہیں۔ خوارزمی نے سب سے پہلے اعشاری علامات کا استعمال کیا۔ ہندسوں کی قدری درجہ بندی بھی اسی نے کی۔ الجبرا پر سب سے پہلا کام بھی اسی کا ہے۔ اس کی کتاب حساب الجبر والمقابلہ بارہویں صدی میں عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہوئی اور سولہویں صدی تک یورپ میں یہ کتاب نصاب کے طور پر رائج رہی۔ عربی ہندسے اور ان کی قدری ترتیب اسی کتاب کے ذریعے یورپ میں عام ہوئی اور آہستہ آہستہ رومن ہندسوں کا رواج ختم ہو گیا۔ چنانچہ آپ غور کریں کہ یورپی زبانیں تقریباً ساری کی ساری بائیں سے دائیں طرف لکھی جاتی ہیں لیکن ہندسوں کی قدری ترتیب یعنی اکائی دہائی سینکڑہ وغیرہ کی ترتیب ان یورپی زبانوں میں آج بھی دائیں سے بائیں طرف چلتی ہے۔

Marfat.com

۶-۳ کیمیا

سلطنت روما کے مؤرخ گبن کا کہنا ہے کہ علم کیمیا کی ابتدا اور اصلاح کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔ مسلمانوں نے پہلی مرتبہ کیمیا گری کو کیمیا بنایا اور اسے سائنسی بنیادیں عطا کیں۔ مسلمان کیمیا دانوں میں خالد بن یزید، امام جعفر صادق اور جابر بن حیان کے نام نمایاں ہیں۔ جابر بن حیان نے کئی کیمیائی مرکبات دریافت کیے۔ اس نے لیڈ کاربونیٹ تیار کیا، گندھک کے مرکبات میں سے زہریلے اجزا علیحدہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس نے کئی کیمیائی عمل مثلاً اکسائیڈ تیار کرنا، تبخیر، تقطیر اور تصعید کے طریقے دریافت کیے۔ دھاتوں پر کیمیائی عمل کی تحقیق کی۔ کئی تیزاب دریافت کیے۔ ولیم ڈیپر لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے تقریباً سات سو سال کیمیا کا مطالعہ کیا، ان کی تحقیقات کے اولین مراکز عراق میں تھے، وہاں سے اندلس آئے جہاں سے یہ علم یورپ میں پہنچا

۶-۴ طبیعیات

علم طبیعیات کے نظری شعبے میں فارابی، بوعلی سینا، محمد بن زکریا اور کئی اور علما نے کام کیا، لیکن اس کا دلچسپ پہلو اخلاقی طبیعیات یا میکانیات کا تھا۔ اس موضوع پر دو کتابیں قابل ذکر ہیں۔ ایک بدیع الزمان الجزری کی کتاب "فی معرفۃ الحیل الھندسیۃ" اور دوسری الخزینی کی "میزان الحکمۃ"۔ ان کتابوں میں پہیئے، دُھرے، پھرکی، دندانہ دار پہیے خصوصاً پن چکی پر بہت تحقیقات درج ہیں۔ ان کے مطالعے سے انسان کا ذہن فوراً گیلی لیو اور لیونارڈو ڈونچی کی طرف جاتا ہے اور مسلمان ان ایجادات میں ان یورپی سائنس دانوں کے پیش رو نظر آتے ہیں۔

۶-۵ متفرق

اسی طرح مسلمانوں نے علم طب، جغرافیہ بلکہ تمام علوم میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ علم طب میں ابن سینا کی کتاب "القانون" لاطینی میں ترجمہ ہو کر سترھویں صدی تک نصاب میں شامل رہی۔ علم جغرافیہ میں شریف الادریسی نے پہلی مرتبہ سائنسی طریقے پر دنیا کا نقشہ تیار کیا۔ ابن ماجد نے سمندروں کے بارے میں تحقیقات کیں اور اس پر کئی کتابیں لکھیں واسکوڈے گاما،

Marfat.com

اسی کی رہنمائی میں کالی کٹ پہنچا تھا۔ ہندوستان کے راستے کی تلاش یورپ کا بہت بڑا مسئلہ تھا۔ واسکو ڈے گاما کی کامیابی نے اور ملاحوں کو اسی قسم کی مہموں پر آمادہ کیا چنانچہ اس طرح جغرافیائی دریافتوں کا آغاز ہوا۔

۶-۶ عربی سائنسی اِصطلاحات

مسلمانوں نے ہر علم میں تحقیق اور ترقی کا کام جاری رکھا۔ ان سب علوم کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔ یہی علوم ترجمے کے ذریعے سے یورپ تک پہنچے اور یورپ میں علم کی تحریک کا آغاز ہوا۔ ان اثرات کی ایک ہلکی سی جھلک ان الفاظ میں بھی ملتی ہے جو سائنسی علوم میں یورپ میں آج بھی رائج ہیں۔ ان کا عربی الفاظ سے موازنہ کرنے سے فوراً پتہ چلتا ہے کہ یہ عربی زبان سے لیے گئے ہیں۔

یورپ کی زبانوں میں عربی سائنسی اصطلاحات کے الفاظ بعینہٖ موجود ہیں:

القلی	ALKALI	غرافہ (شیشے کی بوتل)	CARAFE
الانبیق	ALAMBIC	شرب	SYRUP
قطن (روئی)	COTTON	الحبل (رسی)	CABLE
موصلی (کپڑے کا نام)	MUSLIN	دارالصناعہ	ARSENAL
دمشقی (کپڑے کا نام)	DAMASCENE	امیرالبحر	ADMIRAL
زیتونی (کپڑے کا نام)	SATIN	الخوارزمی	LOGARITHM (ہندسی قدریں معلوم کرنے کا طریقہ)
شکر (الشکر)	SUGAR	صفر	ZERO
تعریف (ٹیکس)	TARIFF	رزمہ	REAM
الکحل	ALCOHAL		

Marfat.com

۷۔ تاریخی کردار

مسلمانوں کی تحقیقات لاطینی زبان میں ترجمہ ہوکر یورپ پہنچ رہی تھیں۔ خود یورپ کے طالب علم مسلمان مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ اس کے علاوہ یورپ میں بھی اسلامی علوم کے مرکز قائم کیے گئے تھے۔ دسویں صدی عیسوی میں لی ایج اور لورین کے شہروں میں عربی تعلیم کے مرکز قائم تھے۔ یہاں سے یہ تعلیم فرانس، جرمنی اور انگلستان تک پھیلی۔ ۱۱۸۰ء میں راجر ہیری فورڈ نے انگلستان میں عربی تعلیم کا مرکز قائم کیا۔ ان مراکز میں علم طب، علم نجوم، فلسفہ اور کئی دوسرے علوم پڑھائے جاتے تھے۔ ان علوم کے ساتھ سائنس کا تحقیقی طریقہ بھی یورپ میں پہنچا۔ فلپ حتی لکھتا ہے:

تیرھویں صدی کے آخر تک عربی سائنس اور فلسفہ دونوں یورپ میں منتقل ہو چکے تھے۔ وہ ذہنی راستہ جو طلیطلہ کے پھاٹکوں سے شروع ہوکر پیرنیز کے پہاڑی سلسلوں سے گزرتا ہوا فرانس پہنچتا تھا، وہ جنوبی فرانس میں پراونس اور الپائن کے دروں سے گزرتا ہوا جرمنی اور وسطی یورپ سے ہوتا ہوا رود بار انگلستان پار کرکے اب انگلستان پہنچ گیا تھا۔"

(تاریخ عرب صـ ۱۸۵)

اسلامی علوم دنیا میں ہر علاقے میں پھیل رہے تھے، یورپ کی طرح برصغیر میں بھی اس کے اثرات پہنچے۔ ڈاکٹر تاراچند اسلامی اثرات کے اس پہلو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہندو ماہرینِ فلکیات نے مسلمانوں سے بہت سی فنی اصطلاحات، عرض بلد اور طول بلد کے متعلق مسلمانوں کے حسابات، تقویم اور زیچ کے بہت سے موضوع اخذ کیے، علم جوتش کی ایک پوری شاخ اپنائی جسے عرب تاجیک کہتے تھے۔ مہاراجہ جے سنگھ (۱۶۸۶ - ۱۷۴۳) ہندو تقویم کی اصلاح میں مشغول ہوا تو اس نے جے پور، متھرا، دہلی اور بنارس میں رصد گاہیں قائم کیں۔ اس کے پنڈتوں نے المجسطی کا عربی سے سنسکرت میں ترجمہ کیا۔ مہاراجہ نے اپنی زیچ کی تیاری میں الوغ بیگ، نصیر الدین طوسی، گورگان، ایلخانی وغیرہ کے زائچ استعمال کیے۔

ہندوطب نے مسلمانوں سے فلزاتی تیزاب، علمِ کیمیا اور دوسری بہت سی چیزیں سیکھیں۔ جو فن اور حرفت مسلمان ہندوستان میں لائے تھے ان میں کاغذ کی صنعت، صیقل کاری، روغنی ظروف سازی، دھات پر سونے چاندی کی پچی کاری اور فولاد پر جوہر ڈالنے کا فن قابل ذکر ہیں۔"

(تمدن ہند پر اسلامی اثرات صـ ۲۳۱)

Marfat.com

اسلامی اثرات کے ماتحت علم کی اشاعت و ترقی کی رفتار تیز ہوئی۔ چنانچہ چودھویں صدی عیسوی تک ان اثرات کا مجموعی دباؤ اس قدر ہو چکا تھا کہ دُنیا کے مختلف علاقوں میں علمی تحریکیں شروع ہوئیں۔ ان میں یورپ میں احیائے علوم کی تحریک خاص طور پر بے حد اہم ہے کیونکہ اسی تحریک سے یورپ کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور یہیں سے یورپ بلکہ عالم انسانیت دورِ جدید میں داخل ہوا۔

یورپ میں احیائے علوم کی تحریک کا آغاز ۱۴۵۳ء سے شمار کیا جاتا ہے۔ یہ وہ عہد ہے جب قسطنطنیہ فتح ہو کر مسلمانوں کی سلطنت میں یورپ کے کئی علاقے شامل ہو گئے۔ ان علاقوں کے علماء یورپ کے مختلف ملکوں میں پھیل گئے۔ دوسری طرف اندلس میں عیسائیوں کی فتوحات جاری تھیں چنانچہ یہودی علماء عیسائیوں کے خوف سے بھاگ کر یورپ کے شہروں میں پناہ لے رہے تھے۔ ان لوگوں کے ذریعے اسلامی علوم یورپ میں بہت تیزی سے پھیلنا شروع ہوئے۔ جلد ہی ان کا نتیجہ احیائے علوم کی تحریکوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔

یہی وُہ دَور ہے جب اصلاحِ کلیسا کی تحریک بھی زوروں پر تھی۔ اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ کلیسا کے صاحب اقتدار لوگوں کو علم کی ان نئی تحریکوں سے مذہب خطرے میں نظر آ رہا تھا، چنانچہ انہوں نے نئی فکر پر پہرے بٹھانے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصلاحِ کلیسا اور احیائے علوم کی تحریکوں نے ایک دوسرے کو مدد دی اور مذہبی اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی اور یوں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، اس کا سہرا اسلام کے اشاعتِ علوم کے سر ہے۔

۱-۷ خود آزمائی نمبر ۲

۱ ــــ "جمال الدین افغانی سے سوال کیا گیا کہ یورپ نے کیوں ترقی کی؟ انہوں نے کہا مذہب کو چھوڑ کر۔ پوچھا گیا کہ مسلمانوں نے کیوں ترقی نہیں کی؟ انہوں نے کہا مذہب کو چھوڑنے کی وجہ سے۔" علامہ جمال الدین افغانی کے اس تجزیے پر روشنی ڈالیے۔

۲ ــــ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ اسلام میں ریاست اور کلیسا کی دوئی موجود نہیں۔ اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔

۳ ــــ ایسے علوم کی فہرست دیجیے جس میں مسلمانوں نے بیش بہا خدمات سر انجام دی ہیں ان میں چند ایک کے بارے میں تفصیلی وضاحت بھی فراہم کیجیے۔

۴ ــــ یورپ کی اصلاحِ کلیسا اور احیائے علوم کی تحریکوں کا اسلامی تمدن سے کیا تعلق تھا اور کون سے اسلامی اصول ان اثرات کے پیچھے کارفرما تھے؟

۵ ــــ قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں نے فکری اور علمی طور پر ساری دُنیا کی رہنمائی کی۔ کیا اب بھی وُہ یہ کردار ادا کر رہے ہیں؟ تفصیل کے ساتھ اپنی رائے بیان کیجیے۔

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ

وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ

وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ المائدہ

صدق اللہ العظیم

ترجمہ

(اے اہل کتاب) تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے جس سے خدا اپنی رضا
پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے

Marfat.com

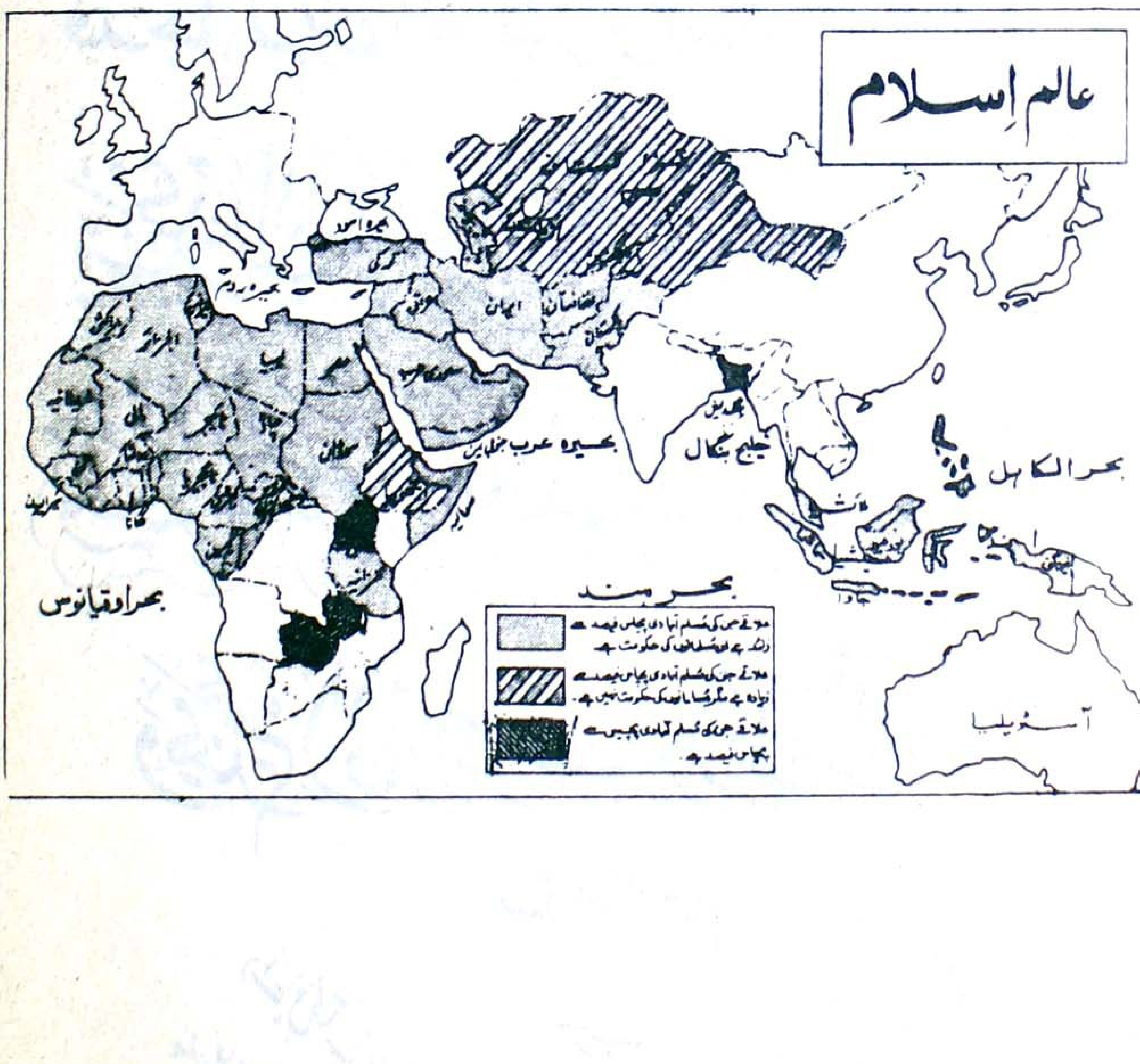
عالم اسلام
بحیرہ روم
بحیرہ عرب
خلیج بنگال
بحر الکاہل
بحر ہند
بحراوقیانوس
آسٹریلیا
علاقے جن کی مسلم آبادی پچاس فیصد سے زائد ہے اور مسلمانوں کی حکومت ہے
علاقے جن کی مسلم آبادی پچاس فیصد سے زیادہ ہے مگر مسلمانوں کی حکومت نہیں ہے۔
علاقے جن کی مسلم آبادی پچیس سے پچاس فیصد ہے۔

Marfat.com

یونٹ ۹

ہمارا مُستقبل

ہمارے مسائل اور اُن کا حل

تحریر
ڈاکٹر طفیل ہاشمی

Marfat.com

فہرست

صفحہ

یونٹ کا تعارف ———— ۲۴۹

یونٹ کے مقاصد ———— ۲۵۰

۱ — سیاسی مسائل ———— ۲۵۱

۱-۱ — اتحاد عالم اسلامی ———— ۲۵۱

۱-۲ — عالم اسلام (آزاد مسلم ممالک) ———— ۲۵۱

۱-۳ — محکوم ممالک اور اقلیتیں ———— ۲۵۵

۱-۴ — تجاویز ———— ۲۵۹

۲ — اقتصادی مسائل ———— ۲۶۱

۲-۱ — عالم اسلام کے معاشی حالات ———— ۲۶۳

۲-۲ — زراعت ———— ۲۶۴

۲-۳ — قومی معیشت کی بیماریاں ———— ۲۶۷

۳ — تعلیمی مسائل ———— ۲۶۹

۳-۱ — پست شرح خواندگی ———— ۲۶۹

۳-۲ — متوازی تعلیمی نظام ———— ۲۷۲

۳-۳ — ہمہ گیر اصلاح کی ضرورت ———— ۲۷۳

۳-۴ — اصلاح کے لیے عملی تجاویز ———— ۲۷۳

۴ — خود آزمائی ———— ۲۷۷

Marfat.com

یونٹ کا تعارف

آپ جس یونٹ کا مطالعہ شروع کر رہے ہیں، اُس کا عنوان ہے۔

ہمارا مستقبل ــ ہمارے مسائل اور اُن کا حل

اس یونٹ میں ان مسائل کو زیرِ بحث لایا گیا ہے جو مختلف اسلامی ممالک کو بالعموم اور پاکستان کو بالخصوص درپیش ہیں۔ ان مسائل کی فہرست بہت طویل ہے اور ان سب پر ایک یونٹ میں گفتگو کرنا ممکن بھی نہیں۔ اس لیے ہم نے بعض ایسے اہم مسائل کا انتخاب کیا ہے جنھیں عمومی حیثیت حاصل ہے۔

بُنیادی طور پر یونٹ کو تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا حصہ سیاسی مسائل کے لیے وقف ہے جس میں اتحاد عالمِ اسلامی کی ضرورت اور اہمیت پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں آزاد اسلامی مُمالک اور مقبوضہ اسلامی علاقے اور غیر مُسلم ممالک میں مُسلمانوں کی آبادی سے متعلق جداول بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔

دُوسرے حصّے میں اقتصادی مسائل زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ ہمارے بعض برادر مُمالک کے اقتصادی مسائل ہم سے مختلف ہو گئے ہیں۔ تیل کے قدرتی ذخائر سے حاصل ہونے والی دولت نے اُن کے ہاں مسائل کی نوعیت تبدیل کر دی ہے۔ اس حصّے میں ہم نے اقتصادی مسائل کو بالعمُوم پاکستان کے نقطۂ نظر سے دیکھا ہے۔

تیسرا حصہ تعلیمی مسائل پر مشتمل ہے۔

زیرِ نظر یونٹ میں ہم نے عمُومی مسائل کے لیے مناسب حل بھی تجویز کیے ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ یہ حل صحیح اسلامی تعلیمات کی عکاسی کریں تاکہ اُن کی بُنیاد پر جو مُعاشرہ تشکیل ہو وہ ایک ترقی یافتہ اسلامی مُعاشرہ ہو۔

Marfat.com

یونٹ کے مقاصد

یہ یونٹ پڑھنے کے بعد آپ جان جائیں گے کہ :

۱ــــ ہمارے اہم قومی مسائل کون کون سے ہیں ؟

۲ــــ ان مسائل کو حل کرنے کی راہ میں کیا کیا رکاوٹیں ہیں ؟

۳ــــ اسلام ہمارے ان مسائل کا کیا حل پیش کرتا ہے ؟

۴ــــ ہمیں اپنا قومی اور ملی مستقبل سنوارنے کے لیے اپنے رویوں میں کس طرح کی تبدیلیاں لانی چاہئیں ۔

Marfat.com

۱ــــ سیاسی مسائل

۱-۱ اتحادِ عالمِ اسلامی

دُنیا کے نقشے پر ایک نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ بیشتر اسلامی ممالک جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے متصل ہیں لیکن یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ سیاسی اعتبار سے یہ ممالک دو بلاکوں میں منقسم ہیں۔ اس کے نتیجے میں گاہے گاہے باہم برسرِ پیکار بھی ہو جاتے ہیں اور بھائی بھائی کا گلا کاٹتا ہے۔ ایک مسلم ملک کے تمام تر وسائل دوسرے مسلم ملک کے خلاف استعمال ہوتے ہیں اور انجام کار دونوں متحارب ملک جانی، مالی اور عسکری نقصان اُٹھا کر بین الاقوامی برادری میں کمزور اور دوسروں کے دستِ نگر ہو جاتے ہیں۔

دُنیا میں مسلمانوں کی کُل آبادی ۸۰۰ ملین سے زائد ہے جو پوری دُنیا کی آبادی کا ایک چوتھائی ہے۔ کل مسلم آبادی کا دو تہائی حصہ آزاد اور خود مختار ریاستوں میں رہتا ہے جن کی تعداد ۴۶ ہے اور باقی ایک تہائی غیر مسلم ممالک یا نیم خود مختار ملکوں میں سکونت پذیر ہے۔

ذیل کے جدول میں اسلامی ممالک کے بارے میں چند بنیادی معلومات درج کی جاتی ہیں:

۲-۱ عالمِ اسلام

(آزاد مسلم ممالک)

شمار	ملک	دارالحکومت	کُل آبادی	مسلم آبادی	فیصد مسلم
۱	اُردن	عمان	۲۴,۷۰,۰۰۰	۲۲,۴۷,۷۰۰	۹۱
۲	افغانستان	کابل	۱,۷۸,۸۰,۰۰۰	۱,۷۷,۰۱,۲۰۰	۹۹
۳	البانیہ	تیرانہ	۲۲,۳۰,۰۰۰	۱۶,۲۷,۹۰۰	۷۳
۴	الجزائر	الجزیرہ	۱,۵۲,۷۰,۰۰۰	۱,۳۰,۴۸,۴۰۰	۹۲

Marfat.com

شمار	ملک	دارالحکومت	کل آبادی	مسلم آبادی	فیصد مسلم
۵	انڈونیشیا	جکارتہ	۱۲۰۴,۰۰,۰۰۰	۱۱,۳۱,۷۶,۰۰۰	۹۴
۶	ایران	تہران	۳,۰۵,۵۰,۰۰۰	۲,۹۹,۳۹,۰۰۰	۹۸
۷	بحرین	منامہ	۲,۲۰,۰۰۰	۲,۱۷,۸۰۰	۹۹
۸	برونائی	بندرسری بھگوان	۱,۴۰,۰۰۰	۱,۰۶,۴۰۰	۹۷
۹	بنگلہ دیش	ڈھاکہ	۷,۵۰,۰۰,۰۰۰	۶,۳۷,۵۰,۰۰۰	۸۵
۱۰	پاکستان	اسلام آباد	۶,۴۸,۹۲,۰۰۰	۶,۱۶,۴۷,۴۰۰	۹۵
۱۱	ترکیہ	انقرہ	۳,۷۵,۰۰,۰۰۰	۳,۷۱,۲۵,۰۰۰	۹۹
۱۲	تنزانیہ	دارالسلام	۱,۴۰,۰۰,۰۰۰	۸۵,۴۰,۰۰۰	۶۱
۱۳	تونس	تونس	۵۳,۸۰,۰۰۰	۵۰,۰۳,۴۰۰	۹۳
۱۴	ٹوگو	لوم	۲۰,۹۰ ۰۰۰	۱۱,۴۹,۵۰۰	۵۵
۱۵	جنوبی یمن	عدن	۱۵,۱۰,۰۰۰	۱۴,۹۴,۹۰۰	۹۹
۱۶	چاڈ	فورٹ لامی	۳۷,۹۰ ۰۰۰	۳۲,۲۱,۵ ۰۰	۸۵
۱۷	داہومی	پورٹو نوفو	۲۸,۳۰ ۰۰۰	۱۶,۹۸,۰۰۰	۶۰
۱۸	سعودی عرب	ریاض	۸۰,۰۰,۰۰۰	۸۰,۰۰,۰۰۰	۱۰۰
۱۹	سوڈان	خرطوم	۱,۶۴,۹۰,۰۰۰	۱,۳۵,۳۱,۸۰۰	۸۲
۲۰	صومالیہ	موقادیشو	۲۹,۴۰ ۰۰۰	۲۹,۴۰,۰۰۰	۱۰۰
۲۱	سیرالیون	فری ٹاؤن	۲۶ ۳۰ ۰۰۰	۱۷,۰۹,۵۰۰	۶۵
۲۲	سینی گال	دکار	۴۱,۲۰,۰۰۰	۳۹,۱۴, ۰۰۰	۹۵
۲۳	شام	دمشق	۶۶ ۸۰,۰۰۰	۵۸,۱۱,۶۰۰	۸۷
۲۴	عراق	بغداد	۱,۰۰,۷۰,۰۰۰	۹۵,۶۵,۸۰۰	۹۴
۲۵	عمان و مسقط	مسقط	۷,۰۰,۰۰۰	۷,۰۰,۰۰۰	۱۰۰
۲۶	قطر	دوحہ	۱,۱۵,۰۰۰	۱,۱۵,۰۰۰	۱۰۰

Marfat.com

۲۷	کویت	کویت	۹,۱۰,۰۰۰	۹,۰۰,۹۰۰	۹۹
۲۸	کیمرون	یاونده	۶۰,۰۰,۰۰۰	۳۳,۰۰,۰۰۰	۵۵
۲۹	گنی	کوناکری	۴۱,۱۰,۰۰۰	۳۹,۱۴,۵۰۰	۹۵
۳۰	گنی بساؤ	بساؤ	۴,۸۰,۰۰۰	۲,۶۴,۰۰۰	۵۵
۳۱	گیمبیا	بنجول	۳,۸۰,۰۰۰	۳,۱۹,۲۰۰	۸۴
۳۲	لبنان	بیروت	۲۹,۶۰,۰۰۰	۱۶,۸۷,۲۰۰	۵۷
۳۳	لیبیا	طرابلس وبن غازی	۲۰,۸۰,۰۰۰	۲۰,۸۰,۰۰۰	۱۰۰
۳۴	مالی	باماکو	۵۲,۶۰,۰۰۰	۴۷,۳۴,۰۰۰	۹۰
۳۵	موریتانیا	واقشوط	۱۲,۳۰,۰۰۰	۱۲,۳۰,۰۰۰	۱۰۰
۳۶	مالدیپ	مال	۱,۲۲,۶۷۳	۱,۲۲,۶۷۳	۱۰۰
۳۷	متحدہ عرب امارت	ابوظبی	۲,۰۰,۰۰۰	۲,۰۰,۰۰۰	۱۰۰
۳۸	مصر	قاھرہ	۳,۴۸,۳۹ ۰۰۰	۳,۲۰,۵۱,۸۸۰	۹۲
۳۹	مراکش	رباط	۱,۵۸,۳۰,۰۰۰	۱,۵۵,۱۳,۴۰۰	۹۸
۴۰	ملائشیا	کوالالمپور	۱,۰۹,۲۰,۰۰۰	۵۵,۶۹,۲۰۰	۵۱
۴۱	نائجیریا	لاگوس	۵ ۸۰,۲۰,۰۰۰	۴,۳۵,۱۵,۰۰۰	۷۵
۴۲	نائجر	نیامی	۴۲,۱۰,۰۰۰	۳۷,۳۶,۹۰۰	۸۹
۴۳	وسطی افریقہ	بانگوئی	۳۰,۰۰,۰۰۰	۱۸,۰۰,۰۰۰	۶۰
۴۴	یمن	صنعاء	۶۰,۶۰,۰۰۰	۵۹,۹۹,۴۰۰	۹۹
۴۵	اپروولٹا	اداجاوجان	۵۶,۱۰,۰۰۰	۳۰,۸۵,۵۰۰	۵۵
۴۶	آئیوری کوسٹ	ابیدجان	۴۵,۳۰,۰۰۰	۲۴,۹۱,۵۰۰	۵۵

اسلامی ممالک اپنی عددی کثرت اور وسائل کی گوناگونی کے باوجود تاریخ عالم میں کوئی مؤثر اور مثبت کردار ادا کرنے کے بجائے ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی اور جنگ وجدال میں مصروف ہیں جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی اپنی قوت کمزور

Marfat.com

ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۝

باہمی نزاع نہ کرو ورنہ تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

قرآن حکیم جو کہ مکمل نظام حیات ہے اور ہر طرح کے حالات میں رہنمائی کرتا ہے، مسلمانوں کے انفرادی یا قومی جھگڑوں ور لڑائیوں کے بارے میں ہمیں واضح پالیسی اختیار کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ جو آپ اپنی کتاب کے یونٹ ۱ (سورۃ الحجرات: ۹-۱۰) ں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں اُسے پھر دُہرا لیں:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں صُلح کرا دو اور اگر ایک فریق دُوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ گروہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف سے صُلح کرا دو اور عدل سے کام لو۔ تحقیق اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مُسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

اسلام تفریق رنگ و نسل کا قائل نہیں بلکہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۝

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسلام ملت اسلامیہ کے تمام افراد کو ایک عالمگیر برادری کی شکل میں متحد اور منظم کرتا ہے اور تفرقہ بازی اور گروہ بندی سے گریز کرنے کا حکم دیتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۝

اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو اور فرقوں میں نہ ہو۔

Marfat.com

ارشادِ نبویؐ ہے:

تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا شْتَكَىٰ عُضْوٌ مِنْهُ تَدَاعَىٰ لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّىٰ ٥	تم مومنوں کو باہمی رحمت، محبت اور شفقت میں اس طرح پاؤ جیسے ایک بدن ہوتا ہے جب ایک عضو بیمار ہوجائے تو سارا بدن بیدار رہ کر اور بخار میں تپ کر اس کی تیمار داری کرتا ہے۔

اسلام نے ملت کے اتحاد کے لیے وسیع بُنیادیں فراہم کی ہیں۔ وہ نسل، وطن، زبان، رنگ، معاشی یا سیاسی اغراض کے اشتراک میں سے کسی چیز کو قومیت کی بُنیاد تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ تمام انسان ایک باپ کی اولاد ہیں اور قبائل اور خاندانوں کی تقسیم صرف باہمی تعارف کے لیے ہے۔ پُوری کائنات بنی نوع انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے اور پُورا رُوئے زمین انسان کا وطن ہے عربی کو عجمی پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔

اِسلام کی انہی تعلیمات کی اساس پر رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی ریاست کی بُنیاد رکھی تھی اور انہی تعلیمات کے مطابق پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ دُنیا میں جہاں کہیں بھی مُسلمان موجُود ہیں اُن کے باہمی رشتے کی مضبوطی کے لیے یہی اصُول ہیں اور اگر اسلامی ممالک ان اصُولوں کو اپنالیں تو ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے۔

۳-۱ محکوم ممالک اور اقلیتیں

مُسلم اکثریت کے کئی علاقے ابھی تک استعماری طاقتوں کے تسلط میں ہیں اور اُن میں سے بیشتر طاقتیں اسلام کی بیخ کنی اور مُسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے دن رات مصروف جہد و عمل ہیں۔ ذیل کے نقشہ سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مُسلم اکثریت کے کون کون سے علاقے کس کس ملک کے زیر تسلط ہیں؟

محکوم یا نیم آزاد مسلم مُمالک:

شمار	مُلک	کُل آبادی	مُسلم آبادی	فیصد مسلم	زیر تسلط
۱	آذربائیجان	۵۱,۱۱,۰۰۰	۳۹,۶۶,۵۸۰	۷۹	سودیٹ یونین
۲	اری ٹیریا	۱۲,۵۰,۰۰۰	۶,۱۰,۵۰۰	۵۵	سلطنت ایتھوپیا
۳	ایتھوپیا	۲,۵۹,۳۰,۰۰۰	۱,۵۵,۵۸,۰۰۰	۶۰	سلطنت ایتھوپیا

Marfat.com

شمار	ملک	کُل آبادی	مُسلم آبادی	فیصد مُسلم	زیرِ تسلط
۴	کشمیر	۶۲,۰۰,۰۰۰	۴۸,۳۶,۰۰۰	۷۸	بھارت
۵	قازقستان	۱,۲۸,۵۰,۰۰۰	۸۷,۳۸,۰۰۰	۶۸	سوویٹ یونین
۶	کرغیزیا	۲۹,۳۳,۰۰۰	۲۶,۹۸,۳۶۰	۹۲	سوویٹ یونین
۷	فلسطین (۴۸ء)	۱۵,۵۰,۰۰۰	۱۳,۵۰,۰۰۰	۸۷	اسرائیل
۸	سنکیانگ (۵۸ء)	۶۰,۰۰,۰۰۰	۴۹,۲۰,۰۰۰	۸۲	چین
۹	ہسپانوی صحرا	۶۰,۰۰۰	۵۷,۰۰۰	۹۵	اسپین
۱۰	تاجکستان	۲۹,۰۰,۰۰۰	۲۸,۴۲,۰۰۰	۹۹	سوویٹ یونین
۱۱	ترکمانیہ	۲۱,۵۸,۰۰۰	۱۹,۴۲,۲۰۰	۹۰	سوویٹ یونین
۱۲	ازبکستان	۱,۱۹,۶۳,۰۰۰	۱,۰۵,۲۷,۴۴۰	۸۸	سوویٹ یونین

ان کے علاوہ دُنیا بھر میں مُسلمان موجود ہیں جو اقلیت میں ہونے کی وجہ سے اپنی دینی تقریبات، مذہبی شعائر اور اسلامی تعلیمات پر آزادانہ عمل نہیں کر سکتے۔ ذیل کے نقشے میں ہر مُلک میں مُسلمانوں کی فیصد تعداد دی گئی ہے:

غیر مُسلم ممالک کے مُسلم باشندے

شمار	ملک	دارالحکومت	کُل آبادی	مُسلم آبادی	فیصد مسلم
۱	انگولا	لواندا	۵۸,۱۰,۰۰۰	۱۴,۵۲,۵۰۰	۲۵
۲	ارجنٹائن	بونس ایریز	۳,۳۹,۲۰,۰۰۰	۴,۷۵,۰۰۰	۱٫۴
۳	آسٹریلیا	کینبرا	۱,۳۰,۲۶,۳۰۰	۱۴,۰۰۰	۰٫۱۱
۴	لیسوتھو	ماسیرو	۱۲,۰۰,۰۰۰	۱,۲۰,۰۰۰	۱۰
۵	بوتسوانا	گبرون	۶,۹۰,۰۰۰	۳۴,۵۰۰	۵
۶	بھوٹان	تھمپھو	۱۱,۵۰,۰۰۰	۵۷,۵۰۰	۵
۷	بلغاریہ	صوفیہ	۸۵,۸۰,۰۰۰	۱۲,۰۱,۲۰۰	۱۴
۸	برما	رنگون	۲,۸۹,۰۰,۰۰۰	۲۸,۹۰,۰۰۰	۱۰

Marfat.com

شمار	ملک	دارالحکومت	کُل آبادی	مسلم آبادی	فیصد مسلم
۹	برونڈی	بوجمبورا	۳۴,۰۰,۰۰۰	۶,۸۰,۰۰۰	۲۰
۱۰	بائیلو رشیا	منسک	۹۰,۰۳,۰۰۰	۵,۴۰,۰۰۰	۶
۱۱	کمبوڈیا	نام پن	۷۲,۵۰,۰۰۰	۷۲,۵۰۰	۱
۱۲	کینیڈا	اوٹاوا	۲,۲۰,۴۷,۰۰۰	۳۵,۰۰۰	۰٫۱۶
۱۳	سری لنکا	کولمبو	۱,۰۳,۳۰,۰۰۰	۷,۲۳,۰۰۰	۷
۱۴	آرمینیا (سوویٹ)	اریوان	۲۴,۹۳,۰۰۰	۲,۹۹,۰۰۰	۱۲
۱۵	چین	بیجنگ	۸۰,۰۷,۲۰,۰۰۰	۸,۸۰,۸۰,۰۰۰	۱۱
۱۶	کانگو	برازیل	۹,۸۰,۰۰۰	۱,۴۷,۰۰۰	۱۵
۱۷	قبرص	نکوسیا	۶,۵۱,۰۰۰	۲,۱۵,۰۰۰	۳۳
۱۸	جزائر فجی	سووا	۵,۴۰,۰۰۰	۵۱,۳۰۰	۹٫۵
۱۹	فن لینڈ	ہیل سنکی	۴۶,۳۰,۰۰۰	۴,۰۰۰	۰٫۰۹
۲۰	فرانس	پیرس	۵,۱۹,۱۵,۰۰۰	۸,۳۰,۰۰۰	۱٫۶
۲۱	گابون	لبراویل	۵,۰۰,۰۰۰	۲,۰۰,۰۰۰	۴۰
۲۲	جارجیا (سوویٹ)	طبلیسی	۴۶,۸۸,۰۰۰	۰,۹۰,۰۰۰	۱۹
۲۳	جرمنی (متحدہ)	بون و برلن	۷,۸۷,۲۰,۰۰۰	۳۹,۰۰۰	۰٫۰۵
۲۴	گھانا	اکرہ	۹۰,۹۰,۰۰۰	۲۷,۲۷,۰۰۰	۳۰
۲۵	ہانگ کانگ	ہانگ کانگ	۴۰,۸۰,۰۰۰	۱۰,۰۰۰	۰٫۲۵
۲۶	ہنگری	بوداپسٹ	۱,۰۴,۰۰,۰۰۰	۵۲,۰۰۰	۰٫۵
۲۷	بھارت	نئی دہلی	۵۶,۳۴ ۹۰,۰۰۰	۶,۷۶,۱۸,۰۰۰	۱۲
۲۸	اٹلی	روم	۵,۴۳,۵۰,۰۰۰	۳۸,۰۰۰	۰٫۰۷
۲۹	جاپان	ٹوکیو	۱۰,۷۳ ۳۲,۰۰۰	۵۳,۰۰۰	۰٫۰۰۵
۳۰	کینیا	نیروبی	۱,۲۰,۷۰,۰۰۰	۲۲,۹۳,۰۰۰	۱۹

Marfat.com

شمار	مُلک	دارالحکومت	کُل آبادی	مُسلم آبادی	فیصد مُسلم
۳۱	لائبیریا	مونرادیا	۱۶,۵۰,۰۰۰	۴,۹۵,۰۰۰	۳۰
۳۲	مالاگاسی	تنانا ریو	۷۶,۵۵,۰۰۰	۱۵,۳۱,۰۰۰	۲۰
۳۳	مالٹ	ولیطہ	۳,۲۲,۷۰	۳,۵۰۰	۱۱
۳۴	موریشس	پورٹ لوئس	۸,۴۰,۰۰۰	۱,۴۲,۸۰۰	۱۷
۳۵	مولدیویا (سوویٹ)	کشنوف	۳۵,۷۲,۰۰۰	۱,۰۷,۷۰۰	۳
۳۶	موزمبیق	لارنسو مارکوئیس	۸۵,۱۰,۰۰۰	۲۱,۲۲,۵۰۰	۲۵
۳۷	نیپال	کھٹمنڈو	۱,۱۴,۷۰,۰۰۰	۴,۳۵,۰۰۰	۳٫۸
۳۸	زیمبیا	لوساکا	۴۴,۲۰,۰۰۰	۶,۶۳,۰۰۰	۱۵
۳۹	روڈیشیا	سالسبری	۵۶,۹۰,۰۰۰	۸,۵۳,۵۰۰	۱۵
۴۰	فلپائن	کوزان سٹی	۳,۹۰,۴۰,۰۰۰	۳۹,۰۴,۰۰۰	۱۰
۴۱	پولینڈ	وارسا	۳,۳۰,۷۰,۰۰۰	۶,۶۱,۴۰۰	۲
۴۲	جزیرہ تیمور	دلی	۶,۳۰,۰۰۰	۱,۲۶,۰۰۰	۲۰
۴۳	جزیرہ ری یونین	سینٹ دینس	۴,۷۰,۰۰۰	۹۴,۰۰۰	۲۰
۴۴	رُومانیہ	بخارسٹ	۲,۰۷,۷۰,۰۰۰	۴۳,۰۰۰	۰٫۴
۴۵	سوویٹ رُوس	ماسکو	۱۳,۰۰,۹۰,۰۰۰	۷۸,۰۵,۰۰۰	۶
۴۶	ملادی	زومبا	۴۶,۷۰,۰۰۰	۹,۳۴,۰۰۰	۲۰
۴۷	سوازی لینڈ	امبابین	۴,۳۰,۰۰۰	۴۳,۰۰۰	۱۰
۴۸	جنوب مغربی افریقہ	ونڈہوک	۶,۶۰,۰۰۰	۱۳,۲۰۰	۲
۴۹	تائیوان	تائی پہ	۱,۵۰,۰۰,۰۰۰	۱۲,۰۰۰	۰٫۳۵
۵۰	تھائی لینڈ	بنکاک	۳,۶۲,۹۰,۰۰۰	۳۹,۹۱,۰۰۰	۱۱
۵۱	ٹرینیڈاڈ۔ٹوباگو	پورٹ آف اسپین	۱۰,۴۰,۰۰۰	۶۲,۰۰۰	۶
۵۲	یوگنڈا	کمپالا	۱,۰۴,۶۰,۰۰۰	۲۰,۹۲,۰۰۰	۲۰

Marfat.com

۵۳	یوکرین (سوویٹ)	کیف	۴،۷۱،۳۶،۰۰۰	۵۶،۵۶،۰۰۰	۱۲
۵۴	ویٹ نام	سائیگون، ہنوئی	۴،۱۳،۳۹،۰۰۰	۱۲،۴۰،۰۰۰	۳
۵۵	یوگوسلاویا	بلغراد	۲،۰۷،۷۰،۰۰۰	۲۷،۰۰،۰۰۰	۱۳

امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمان دُنیا کی آبادی کا تقریباً ایک چوتھائی ہیں اور اکثر مُسلم ممالک اقوامِ متحدہ کے رُکن ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے کُل ارکان کا ایک تہائی مُسلم ممالک پر مشتمل ہے۔ لیکن عملی طور پر ان کی آواز غیر موثر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مُسلم ممالک میں باہمی اتحاد مفقود ہے۔ اور بڑی طاقتوں کی امداد کے محتاج ہونے کی وجہ سے ان کی مرضی کے پابند ہیں۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ مسلمان ممالک باہمی اتحاد و یگانگت کو فروغ دیں اور غیر مُسلم سامراجی طاقتوں کے تسلّط سے نجات حاصل کریں۔ اس ضمن میں درج ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

۴-۱ تجاویز

۱ــــ **مقصد کا تعین** : مُسلمان حکومتوں کو اپنے اقتدار کے لیے مقصد کا تعین کرنا چاہیئے کہ ان کی حکومت کا مقصد اللہ کے قانون کی بالا تری، اسلام کا تفوق اور خلقِ خدا کی خیر خواہی ہے۔ چنانچہ ان کے تمام اقدامات اس مقصد کے پیش نظر ہونے چاہئیں۔

۲ــــ **اعلیٰ تعلیمی معیار کا حصُول** : اسلامی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہاں اعلیٰ تعلیم کے لیے معیاری ادارے قائم کریں جہاں تحقیق و تجربات کی ہر سہولت میسّر ہو اور جدید علوم کے حصُول کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے جائیں۔

۳ــــ **علمی تجربات کا تبادلہ** : ہر مُلک کے عُلماء اور سائنس دان اپنے علمی و فنی تجربات سے دوسرے ممالک کے علماء اور سائنس دانوں کو آگاہ کریں اور علمی و سائنسی میدان میں مشترکہ کوششیں کی جائیں۔

۴ــــ **اعلیٰ دفاعی سامان کی تیاری** : اسلامی مُمالک کو اپنے علمی اور مادی وسائل جمع کرکے اعلیٰ دفاعی سامان تیار کرنا چاہیئے۔ اسلام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مسلمان جنگی اعتبار سے اس قدر مضبوط ہوں کہ دُنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ ارشاد ربانی ہے :

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ	جتنی قوت تم مہیا کر سکتے ہو اور جتنے گھوڑے
وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ	باندھ سکتے ہو تیار کرو جن سے تم اللہ کے اور

Marfat.com

عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِہِمْ لَا تَعْلَمُوْنَہُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُہُمْ ۔ اپنے دشمنوں کو ہراساں کرو اور ان دوسرے لوگوں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے۔

۵۔ مشترکہ دفاعی معاہدے : اسلامی ممالک آپس میں دفاعی معاہدے کریں اور اگر کسی ایک مسلم ملک پر حملہ ہو تو دوسرے ممالک خاموش تماشائی نہ بنے رہیں۔ وہ نہ صرف زبانی اور اخلاقی مدد کریں بلکہ دفاعی معاہدوں کے ماتحت فوجی مدد بہم پہنچائیں۔ کسی ایک ملک پر حملہ پورے عالم اسلام پر حملہ متصور ہو۔

اگر مسلمان ممالک اپنے آپ کو مستحکم بنالیں تو نہ صرف مقبوضہ اسلامی ممالک کی آزادی کی راہیں ہموار ہو سکتی ہیں بلکہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں انھیں بھی تحفظ مل سکتا ہے۔

Marfat.com

۲— اقتصادی مسائل

اقتصادی خوش حالی کو انسانی زندگی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ معاشی طور پر خوش حال قوموں میں کئی ایسی اخلاقی برائیاں نہیں ہوتیں جو مفلس اور غریب قوموں کا ورثہ ہیں، معاشی ترقی ہی سیاسی قوت و استحکام کی ضامن ہے، اسی لیے اسلام نے فقر و فاقہ کے خلاف باقاعدہ جہاد کا اعلان کیا ہے تاکہ وہ انسان کے عقیدہ، اخلاق و کردار، عائلی زندگی اور اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہو کر کوئی خطرناک صورتِ حال نہ پیدا کر دے۔ اس لئے اسلام نے یہ اہتمام کیا ہے کہ اسلامی ریاست کی حدود میں رہنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کی جائے۔ یہ اہتمام اس درجے تک ہونا چاہیئے کہ کوئی فرد ان ضروریات سے محروم نہ رہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان، علاج اور تعلیم شامل ہیں۔

اسلام نے فقر و فاقہ کو ختم کرنے اور انفرادی و قومی معیشت کے استحکام کی طرف بار بار توجہ مبذول کرائی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (الجمعہ ۱)

جب نمازِ جمعہ ادا کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَمْلِکُوْنَ لَکُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰہِ الرِّزْقَ (عنکبوت)

اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمہارے لئے رزق کا اختیار نہیں رکھتے پس اللہ سے ہی رزق طلب کیا کرو۔

وَقَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَاتَهَا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ (حٰمٓ السجدہ ۱۰)

زمین میں غذاؤں کے خزانے رکھ دیئے چار دن میں جو مساوی ہیں تلاش اور جستجو کرنے والوں کے لیے۔

وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (المزمل ۲۰)

اور کتنے اور لوگ ہیں جو پھرتے ہیں ملک میں اللہ کا فضل یعنی رزق تلاش کرتے ہوئے۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ فَرِيْضَةٍ۔ — فرائض کی ادائیگی کے بعد حلال رزق کمانا فرض ہے۔

إِذَا صَلَّيْتُمُ الْفَجْرَ فَلَا تَنُوْمُوْا عَنْ طَلَبِ أَرْزَاقِكُمْ۔ — فجر کی نماز پڑھ کر طلبِ رزق سے غافل ہو کر سو نہ رہو۔

اَلذُّنُوْبُ ذُنُوْبٌ لَا يُكَفِّرُهَا إِلَّا الْهَمُّ فِيْ طَلَبِ الْمَعِيْشَةِ — کچھ گناہ ایسے ہیں جو صرف غمِ روزگار سے دُھلتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

"تم میں سے کوئی شخص بھی طلبِ رزق کی جدوجہد میں پست ہو کر نہ بیٹھ جائے پھر یہ کہنے لگے کہ میں متوکل ہوں، کیونکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ آسمان سے سونے چاندی کی بارش نہیں ہوتی"

اسلام دولت مندی کو بشرطیکہ وہ حلال ذرائع سے ہو اللہ کی ایک نعمت قرار دیتا ہے اور فقر و فاقہ کو ایک ایسی مصیبت اور خدا کا عذاب کہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ بلاشبہ فقر و فاقہ انسان کے عقیدہ اور ایمان کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے، خاص طور پر وہ تنگ دستی جس کے پہلو بہ پہلو بعض لوگ بے حد مال دار ہوں اور بے چارہ غریب اور تنگ دَست تو محنت مزدوری کر رہا ہو اور سرمایہ دار بیکار بیٹھا ہو۔ ایسے حالات میں فقر و فاقہ انسان کو کائنات کی خدائی تنظیم کی حکمت کے بارے میں اور دولت کی خدائی تقسیم کے مبنی بر انصاف ہونے کے بارے میں شک و شبہ میں ڈال دیتا ہے

فقر و فاقہ اخلاق و کردار کے لیے بھی کچھ کم خطرناک نہیں۔ کسی غریب اور تنگ دست کو اس کی بدحالی اور محرومی بعض دینی اور دنیوی معاملات میں غیر شریفانہ اور اخلاق سے گرا ہوا رویّہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ "معدے کی آواز ضمیر کی آواز سے زیادہ طاقت ور ہے"۔ ایک قرض دار پر اس کا قرض اخلاقی اعتبار سے کس طرح اثر انداز ہوتا ہے اس ضمن میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔" جب کوئی شخص قرض لیتا ہے تو وہ بات کرنے میں جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔

فقر و فاقہ انسان کے فکر و فہم کی صلاحیتوں کو بھی مفلوج کر دیتا ہے۔ ایک تنگ دست آدمی جسے اپنے اہل و عیال کے لیے ضروریاتِ زندگی میسر نہیں کس طرح گہری بات سوچ سکتا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس کے

Marfat.com

گھر میں آٹا نہ ہو، اس سے مشورہ مت طلب کرو۔ کیونکہ وہ شخص پریشان فکر ہوتا ہے۔ اس کا فیصلہ ٹھیک نہیں ہو سکتا

فقر و فاقہ عائلی زندگی کی تشکیل میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور عسرت و تنگ دستی بسا اوقات میاں بیوی میں تفریق کا باعث بن جاتی ہے۔ عرب میں جاہلی دَور میں والدین تنگ دستی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے جس سے قرآن حکیم نے منع کیا ہے۔

الغرض اسلام غربت اور افلاس کو ایک لعنت سمجھتا ہے جس سے اسلامی معاشرے کا پاک ہونا ضروری ہے۔

۲.۱ عالمِ اسلام کے مُعاشی حالات

دُنیا کے بیشتر مُسلم ممالک کے معاشی حالات خاصے بہتر ہیں جن کا اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے کیا جا سکتا ہے:۔

- مُسلم ممالک دُنیا کے تیل کے ۷۰ فیصد ذخائر کے مالک ہیں اور تیل کی تجارت میں ان کا حصّہ ۶۰ فیصد ہے
- دُنیا کی ۸۰ فیصد پٹ سن، ۷۵ فیصد ناریل کا تیل، ۲۵ فیصد مونگ پھلی اور لونگ، ۱۵ فیصد چاول، چائے اور کافی، ۱۰ فیصد چینی، ۹ فیصد گندم، ۵ فیصد قلعی اور ۶ فیصد ربڑ مسلم ممالک پیدا کرتے ہیں۔
- افریقہ کے کئی ممالک میں ایلومنیم، تانبہ، قلعی، سکّہ، جست اور فاسفیٹ بھاری مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض مسلم ممالک ایسے بھی ہیں جو دُنیا کے انتہائی غریب ممالک میں شمار ہوتے ہیں بدقسمتی سے پاکستان کا شمار بھی انہی ممالک میں ہے۔ عالمی بنک نے اپنی سالانہ رپورٹ "WORLD DEVELOPMENT REPORT 1984" میں دُنیا کے ۱۲۶ ممالک کے اعداد و شمار دیئے ہیں۔ ان میں سے ۳۴ ممالک ایسے ہیں جو اپنی سالانہ فی کس آمدنی کے لحاظ سے دُنیا کے غریب ترین ممالک کہے جا سکتے ہیں، پاکستان ان میں شامل ہے۔ ان ممالک کی فہرست درج ذیل ہے:۔

چاڈ، بنگلہ دیش، ایتھوپیا، نیپال، مالی، برما، زائرے، مالاوی، اپر وولٹا، یوگنڈا، ہندوستان، راونڈی، برونڈی، تنزانیہ، صومالیہ، ہیٹی، ۔ بن وسطی افریقین ری پبلک، چین، گیانا، نائیجر، مڈغاسکر، سری لنکا، ٹوگو، گھانا، پاکستان، کینیا، سرالیون، افغانستان، بھوٹان، کمپوچیا (جمہوریہ)، لاؤ (پی۔ ڈی۔ پی) موزمبیق اور ویت نام۔"

چنانچہ پاکستان کے لئے غربت ایک اہم مسئلہ ہے۔ ہم قرضوں میں اس بُری طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ

Marfat.com

ہمیں اپنے زرِمبادلہ کا بیشتر حصّہ قرضوں اور سُود کی ادائیگی میں صرف کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود ادائیگیوں کا توازن درست رکھنے کے لئے مزید قرض لینا پڑتا ہے۔ اس وقت ہم ایک سو پچیس ارب روپے کے مقروض ہیں جس پر ہمیں ۹ ارب روپے سالانہ سود ادا کرنا پڑتا ہے اور ہمیں اپنی برآمدات سے حاصل ہونے والے زرمبادلہ کا ۳۳ فی صد ادائیگیوں پر صرف کرنا پڑتا ہے۔ اس سنگین صورتِ حال سے نجات کے لیے انقلابی معاشی اقدامات کی ضرورت ہے۔

۲.۲ ـــــ زراعت

خوراک انسان کی ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر انسانی زندگی کا تصوّر بھی ممکن نہیں۔ جب تک ہمیں پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ملے ہمارے لیے اخلاقی اقدار، مذہبی روایات، دینی تقاضے، سیاسی ذمہ داریاں، علمی نظریات اور سائنسی افکار ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز بے معنی ہو جاتی ہے۔ ایک خالی پیٹ انسان یہ سوچنے لگ جاتا ہے کہ ربّ العالمین کی ہستی کہیں ہے بھی یا نہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم انسان کی اس نفسیاتی کیفیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ اسی لئے آپؐ نے فرمایا :-

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا — فقر آدمی کو کفر کے قریب لاکھڑا کرتا ہے۔

اور آپؐ نے کُفر اور فقر کو ایک ہی سیاق میں ذکر فرما کر دونوں سے پناہ مانگی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ — اے اللہ میں کُفر اور فقر دونوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ ہر شخص کو پیٹ بھر خوراک مہیّا کی جائے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی ریاست ہر فرد کو دونوں وقت خوراک بہم پہنچائے یا ہر مہینے اتنا وظیفہ دے جو اس کی ضروریات کے لئے کافی ہو، بغیر اس بات کا لحاظ کیے کہ وہ خود اپنے مال سے یا اپنی محنت کے ذریعے سے اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ البتہ ایسے افراد جو کسی بیماری، معذوری، بڑھاپے، یتیمی، بیوگی یا اسی طرح کے کسی اور سبب سے اپنی ضروریات پوری کرنے کے قابل نہ ہیں تو اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ ان کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کرے۔

اسلام نے زیادہ سے زیادہ غذا حاصل کرنے کی بہت تاکید کی ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے :

اُطْلُبُوا الرِّزْقَ فِيْ خَبَايَا الْاَرْضِ — رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔

Marfat.com

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم نے خود اپنے ہاتھوں سے جرُف کے مقام پر کاشت کاری کی اور قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، کے ہاتھوں میں آپ نے کھیتوں اور نخلستانوں میں کدال اور پھاوڑے سے کام کرنے کی وجہ سے گٹے پڑے ہوئے دیکھے تو آپ ان کے دونوں ہاتھوں کو چومتے جاتے تھے اور فرماتے:

"یہ دونوں ہتھیلیاں اللہ کو بہت محبوب ہیں"

اسلامی ممالک اپنی وسیع اور زرخیز اراضی کی بدولت اس قابل ہیں کہ نہ صرف اپنی غذائی ضرورت کو پورا کریں بلکہ اتنا وافر غلہ پیدا کر سکتے ہیں کہ دوسرے ممالک کو برآمد کیا جائے لیکن دوسرے معاشی ترقی کے شعبوں کی طرح زراعت کی طرف بھی بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

مثال کے طور پر پاکستان میں تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق ۲۰ء۳۳ ملین ہیکٹر رقبہ زیر کاشت ہے جب کہ ۱۰ء۸۰ ملین ہیکٹر قابلِ کاشت اراضی بنجر پڑی ہوئی ہے۔ گویا قابلِ کاشت رقبہ میں سے ایک تہائی بنجر ہے اور زیرِ کاشت اراضی میں بھی زرعی پیداوار کا معیار پست اور فی ایکڑ پیداوار کافی کم ہے، جس کے کئی ایک اسباب ہیں:۔

ا۔ کسانوں کی اکثریت پرانے طریقے سے کھیتی باڑی کرتی ہے جس میں ہل اور مویشیوں کے ذریعے سے کاشتکاری کی جاتی ہے۔ زراعت کے میدان میں جدید سائنسی ٹیکنالوجی کو بہت کم استعمال میں لایا جاتا ہے۔

۲۔ کیمیاوی کھاد کے استعمال اور عمدہ قسم کے بیج کے حصول کی طرف کسان کی مطلقاً توجہ نہیں ہوتی۔

۳۔ زمینداری نظام نے زراعت کی ترقی کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ زمیندار زرعی ترقی پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اسے صرف بٹائی سے غرض ہوتی ہے جو وہ فصل کی کٹائی کے موقعے پر ایک ایک دانہ وصول کر لیتا ہے اور مزارعین بھی زراعت کو ترقی دینے پر زیادہ محنت نہیں کرتے کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی محنت کا بڑا حصہ تو زمیندار لے جائے گا۔

۴۔ بنجر رقبے بالعموم بڑے بڑے زمینداروں کی ملکیت ہوتے ہیں جو خود انہیں آباد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور اگر کوئی مزارع اسے باد کرنے کے لیے تیار ہو تو اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ آباد ہونے کے بعد وہ رقبہ اسی مزارع کے پاس رہے گا اور زمیندار اس سے لے کر کسی دوسرے کو نہیں دے دے گا۔

اسلام نے ان تمام مسائل کا حل بتایا ہے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے جس زمین سے مثلاً دس من پیداوار

Marfat.com

نکالنے کی صلاحیت ہو لیکن غفلت اور کاہلی کی وجہ سے بجائے دس من کے نو من پیدا ہو تو جس شخص کی وجہ سے پیداوار میں کمی ہوئی وہ قیامت کے دن ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا کہ مخلوقِ خدا اس کی وجہ سے اس روزی سے محروم ہو گئی جو اسے مل سکتی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پوری اسلامی ریاست میں یہ گشتی فرمان جاری کیا تھا کہ:

"زمین کو غیر آباد ہرگز نہ چھوڑا جائے۔ اگر کوئی کاشت کار نصف حصہ کی بٹائی پر اسے آباد کرنے پر تیار نہ ہو تو تہائی پر دے دو۔ اگر پھر بھی آباد نہ ہو تو دسویں حصے کی شرط پر دے دو، پھر بھی کوئی کسی زمین کو آباد نہ کرے تو لوگوں کو یوں ہی مفت آباد کرنے کے لیے دے دو اور اگر پھر بھی آباد نہ ہو تو حکومت کے خزانے سے خرچ کر کے غیر آباد زمینوں کو آباد کرو"

اسلام نے زمینداری نظام کو ختم کرنے کے لیے کئی اقدامات کئے، پاکستان میں مزارعت کی جو ظالمانہ صورتیں رائج ہیں ان کے جائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بنجر زمینوں کی آبادی کی ترغیب دیتے ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحْیَا اَرْضًا مَوَاتًا فَهِیَ لَه — جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اسی کی زمین ہے۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا:

"جس کے پاس زمین ہو، اسے خود کاشت کرے، ورنہ اپنے کسی بھائی کو کاشت کرنے کے لیے بلا معاوضہ دے دے"

اور اگر کوئی شخص نہ تو خود کاشت کرتا ہو نہ کاشت کرواتا ہو بلکہ اس نے اپنی مملوکہ زمین بنجر رکھ چھوڑی ہو تو اس کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے:

"بے کاشت روک رکھنے والے کا حق تین سال کے بعد ساقط ہو جاتا ہے"

گویا جو زمین تین سال تک بنجر پڑی رہے گی، اس پر سے ملکیت کا حق ختم ہو جائے گا اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ کسی بے زمین کاشت کار کو آباد کرنے کے لیے دے دے۔

اگر ہم اسلام کے ان اصولوں کے مطابق اپنے زرعی نظام کو از سرِ نو استوار کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی ضرورت سے زائد غلہ پیدا کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔

Marfat.com

۲ء۳ ــــ قومی معیشت کی بیماریاں

اس کے علاوہ کئی بیماریاں ہیں جو ہماری قومی معیشت کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں مثلاً :

۱ــــ کاروباری بددیانتی

۲ــــ ذخیرہ اندوزی

۳ــــ سٹّہ بازی

۴ــــ سمگلنگ

کاروبار میں بددیانتی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ پرچون فروشی سے لے کر بین الاقوامی تجارت تک پھیلا ہوا ہے۔ بہت چھوٹے پیمانے پر خرید و فروخت میں ناپ تول میں کمی، اشیاء میں ملاوٹ اور عمدہ مال کے ساتھ ناقابلِ استعمال اشیاء ملا کر فروخت کر دینے کا رُجحان بہت عام ہے۔ بددیانتی کا عمل بین الاقوامی تجارت میں بھی کارفرما ہے، جہاں نمونے کے مطابق مال کی ترسیل نہیں کی جاتی یا تدریجاً معیار کم کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح کے کام ہماری اخلاقی، معاشی اور دینی زندگی کے لیے پیغامِ موت ہیں۔ ان میں سے صرف ایک جُرم ــــ ناپ تول میں کمی ــــ قومِ شعیب علیہ السّلام میں پائی جاتی تھی جس پر اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہو گیا۔

ذخیرہ اندوزی یہ ہے کہ ضروریاتِ زندگی کی وافر مقدار خرید کر اپنے گوداموں میں جمع کر لی جائے اور جب ان اشیاء کی قلت پیدا ہو جائے تو مہنگے داموں فروخت کر کے زیادہ منافع کمایا جائے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے اس طرح کا فعل لعنت کا موجب ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

اَلجَالِبُ مَرزُوقٌ وَالمُحتَکِرُ مَلعُونٌ — بازار میں چیزیں لانے والے کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز لعنتی ہے۔

ہمارے ہاں تجارت کا ایک یہ طریقہ رائج ہے کہ کچھ لوگ متوقع سامانِ تجارت کو آگے فروخت کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور اس طرح مال درآمد کرنے والے اور حقیقی تاجر کے درمیان کئی کئی واسطے پیدا ہو جاتے ہیں جو ایک طرف تو ایسے مال کا سودا کرتے ہیں جو ابھی تک موجود ہی نہیں ہے۔ اسے نہ تو دیکھا جا سکتا ہے اور نہ اس کی کیفیت جانی جا سکتی ہے۔ یہ تجارت کی ایسی صورت ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز ہے اور دوسری طرف وہ مالِ تجارت میں اپنا منافع شامل کر کے اس کی گرانی کا موجب بنتے ہیں حالانکہ انہوں نے اس کیلئے

Marfat.com

کوئی مشقت نہیں اٹھائی ہوتی۔

سمگلنگ سے مراد سرکاری اجازت کے بغیر مال کی برآمد کرنا۔ اس میں سمگلنگ کرنے والا اس محصول کی ادائیگی سے بچنا چاہتا ہے جو حکومت کا جائز حق ہے۔ نیز حکومت بیرونی تجارت کے لئے بہت سے عوامل کو مدِ نظر رکھتی ہے مثلاً کوئی چیز اتنی مقدار میں برآمد نہ کر دی جائے جس سے ملکی ضروریات کے لئے قلت کا سامنا کرنا پڑے یا کوئی ایسی چیز درآمد نہ کی جائے جس سے ملکی صنعت کو نقصان پہنچے، جب کہ سمگلر ان تمام باتوں سے بے نیاز اپنے منافع کے لئے قومی معیشت کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ یہ طریقِ کار نہ صرف خیانت بلکہ قومی مفاد سے غداری کے مترادف ہے۔

اگر ہم پاکستان میں اقتصادی نظام کو صحیح اسلامی بنیادوں پر استوار کر سکیں تو اللہ کا ہم سے یہ وعدہ ہے کہ وہ آسمان و زمین سے رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دے گا اور اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

Marfat.com

۳ — تعلیمی مسائل

جو مسائل ہماری قومی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں ان میں سے ایک اہم مسئلہ تعلیم ہے۔ ملک میں تعلیمی مسائل کی پیچیدگیاں کئی قسم کی ہیں آئیے ہم ان کا مختصراً جائزہ لیں۔

۳.۱ — پست شرح خواندگی

حکومتِ پاکستان اپنی تاسیس کے وقت سے ہی تعلیمی شرح کو بہتر بنانے کے لیے بھرپور سعی کر رہی ہے۔ ہر سال ہمارے بجٹ کا معتدبہ حصہ تعلیمی اخراجات کے لئے وقف ہوتا ہے۔ حکومت کی یہ کوشش رہی ہے کہ ہر آبادی کے لئے سکول اور ہر تحصیل ہیڈ کوارٹر پر کالج کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں اور حکومت اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہی لیکن تیزی سے بڑھتی ہوئی شرح آبادی کی وجہ سے خواندگی کے تناسب میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوا۔ اس وقت بھی پاکستان میں خواندگی کا تناسب عورتوں میں ۷½ فیصد اور مردوں میں ۲۳ فی صد ہے۔

دوسرے ممالک کے مقابلے میں ہمارے ملک میں خواندگی کا تناسب بہت پست ہے مثلاً امریکہ میں یہ تناسب ۹۷ فیصد، کنیڈا میں ۹۸ فیصد اور سویڈن میں تقریباً ۱۰۰ فیصد ہے۔ ہمارا خواندگی کا تناسب ایشیا کے بعض ممالک کے مقابلہ میں بھی کم ہے۔ پاکستان کے خواندہ افراد میں سے جن لوگوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی ہے یا اس سے اعلیٰ تعلیم پائی ہے ان کا تناسب صرف ۳،۱۵ فیصد ہے۔ بی۔اے کرنے والے کُل آبادی کا ۰۰،۴۴ فیصد ہیں۔

اب حکومت نے شرحِ خواندگی میں اضافے کے لیے متعدد اقدامات کئے ہیں مثلاً خواندگی کمیشن کا قیام جو مختلف تعلیمی اداروں میں تعطیلات کے دوران میں تعلیمِ بالغاں کا اہتمام کرتا ہے۔ مسجد مکاتب کا قیام اور میٹرک سے لے کر ہر سطح کے طالب علم کے لئے یہ پابندی عائد کی گئی کہ جب تک وہ ایک بالغ ناخواندہ کو پڑھانے کا ثبوت پیش نہیں کرے گا اسے سرٹیفکیٹ یا ڈگری نہیں دی جائے گی۔ امید ہے کہ ان اقدامات سے شرح خواندگی میں اضافہ ہو گا لیکن اس سارے عمل میں ایک کڑی مفقود ہے جس کے بغیر بہتر نتائج کی توقع رکھنا بے سُود

Marfat.com

ہے اور وہ ہے ناخواندہ لوگوں میں حصولِ علم کا شوق پیدا کرنا۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک لوگوں کو یہ یقین نہ ہو کہ تعلیم ان کی معاشی اور معاشرتی زندگی میں ٹھوس اور مثبت انقلاب لا سکتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ بالخصوص ریڈیو کے ذریعے سے تعلیم کی افادیت مؤثر انداز سے ذہن نشین کرائی جائے۔

مسلمانوں نے اپنے دَورِ اقتدار میں ہمیشہ تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ ہر بستی، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، اس میں لازماً مسجد ہوتی تھی اور ہر مسجد میں تعلیم کا انتظام ضرور ہوتا تھا۔ بچوں کو ابتدا سے ہی کلمہ طیبہ، نماز، ادعیہ ماثورہ، ناظرہ قرآنِ حکیم کے علاوہ روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے بارے میں دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعض مساجد میں اعلیٰ تعلیم کا بھی انتظام تھا۔ مساجد کے علاوہ پورے عالمِ اسلام میں مدارس، کلیات اور جامعات کا جال بچھا ہوا تھا جن کے دروازے نہ صرف مسلم آبادی بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی کھلے تھے۔ یہ اسلام کی تعلیمات کا اثر تھا کہ عالمِ اسلام میں تقریباً ہر جگہ خواندگی کا تناسب بہت زیادہ تھا حتیٰ کہ اندلس کے بارے میں ایک غیر مسلم مؤرخ ڈوزی (DOZY) لکھتا ہے:-

> "سپین کے تقریباً ہر آدمی کو لکھنا پڑھنا آتا تھا اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب مسیحی یورپ بس علم کے مبادیات ہی جانتا تھا اور یہ مبادیات بھی بڑی حد تک گنتی کے اراکینِ کلیسا جانتے تھے"

پس شرحِ خواندگی میں اضافے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ابتدائی درجے میں تعلیم لازمی قرار دی جائے اور ہر بچے کے سکول میں داخلے کی ضمانت دی ہے اور بالغوں کو تعلیم کی افادیت سے روشناس کرایا جائے اور انہیں اس نوع کی تعلیم دی جائے جو اُن کی معاشی اور سماجی زندگی کے لئے سُودمند ہو نیز انہیں یہ ذہن نشین کرایا جائے کہ مسلم معاشرے کے ہر فرد سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرے۔

عوام کو یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اسلام میں ناخواندگی کا سرے سے کوئی تصوّر ہی نہیں ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی یعنی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝	اپنے ربّ کے نام سے پڑھ جس نے پیدا
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ	کیا انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور
وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝	تیرا عزت والا ربّ وہ ہے جس نے قلم کے ذریعے

Marfat.com

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○ انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اس میں پہلے لفظ میں ہی پڑھنے کا حکم دیا گیا اور پڑھنے، لکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کی تاکید کی گئی۔ قرآنِ حکیم نے آدمؑ کے خلافتِ ارضی کے استحقاق کا سبب یہی بتایا کہ وہ علم میں فرشتوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں تو انھوں نے کہا کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون بہلائے گا حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا، جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اللہ نے آدمؑ کو سب چیزوں کے نام سکھا دیے۔ پھر انہیں فرشتوں پر پیش کیا پھر کہا اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ انھوں نے کہا تُو پاک ہے ہم تو وہی چیزیں جانتے ہیں جو تُو نے ہیں سکھائیں بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ اللہ نے کہا اے آدمؑ! ان کو ان چیزوں کے نام بتا دے۔ جب آدمؑ نے ان کے نام بتا دیئے تو اللہ نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے مخفی امور جانتا ہوں اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات و تعلیمات میں حصولِ علم کو اس قدر اہمیت دی کہ آپؐ نے مدینہ طیبہ میں مسجد نبویؐ کے ساتھ ہی سب سے پہلی اسلامی درسگاہ "صفہ" کی بنیاد رکھی اور آپؐ نے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے حصولِ علم کو فرض قرار دیا۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ ○ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

Marfat.com

۳.۲ — متوازی تعلیمی نظام

ہمارے مُلک میں ایک مدت سے دو متوازی نظام تعلیم رائج ہیں۔ ایک دینی مدارس کا نظام اور دوسرے جدید مروّجہ تعلیمی نظام۔ جدید تعلیمی نظام بھی دوعملی کا شکار ہے۔ اس میں ایک طرف عوام کے بچوں کے لیے عام تعلیمی ادارے ہیں جن میں ٹاٹ اور ڈیسک سے لے کر تربیت یافتہ اساتذہ تک ہر چیز کی کمی ہے اور دوسری طرف انگلش میڈیم سکول ہیں جن کے بھاری اخراجات صرف امیر خاندان ہی برداشت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ امرا کے بچّے ان سکولوں میں تعلیم حاصل کر کے شروع سے ہی انگریزی بولنے اور لکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور سرکاری زبان انگریزی ہونے کی وجہ سے آگے چل کر کلیدی اسامیوں پر یہی طبقہ فائز ہو جاتا ہے۔ ان تین متوازی نظام ہائے تعلیم کی وجہ سے ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ تین مختلف طبقات میں تقسیم ہو گیا ہے۔

جب برِّصغیر پر انگریزی استعماریت کا تسلّط مضبوط ہو گیا اور انگریزوں نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کو یکسر نظر انداز کر کے اپنا نظام تعلیم رائج کیا جس سے علوم اسلامیہ کو بے دخل کر دیا گیا تو علمائے اسلام نے دین کو ان کی دست بُرد سے بچانے کے لئے دینی مدارس کے قیام کی طرف زیادہ توجہ دی جن میں قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر عربی و اسلامی علوم کی تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔ یہ عمل یقیناً وقت کی اہم ترین ضرورت تھی اور ان مدارس نے مسلمانوں کی سیاسی بیداری، دینی تعلیم اور علمأ و فقہاء کی ایک بھاری تعداد پیدا کرنے میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں لیکن بدقسمتی سے یہ نظامِ تعلیم حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے اپنے آپ کو ہم آہنگ نہ کر سکا جس سے ایسے افراد تیار ہو سکتے جو مُلک کی آزادی کے بعد نظامِ حکومت چلانے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوتے۔ دوسری طرف انگریزوں کے رائج کردہ نظامِ تعلیم نے بلاشبہ ایسے افراد مہیا کئے جو متوارث نظامِ حکومت چلانے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے لیکن علومِ اسلامیہ سے نابلد ہونے کی وجہ سے وہ ایک نظریاتی ریاست کو اسلام کے انقلابی اصولوں کے ماتحت تعمیر کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ نتیجتاً نظریات اور ریاست میں صرف لفظی رابطہ برقرار رہا۔ قومی تعمیر و ترقی کی بنیاد نظام تعلیم پر ہے لیکن قیامِ پاکستان کے بعد اتنے طویل عرصے میں نہ تو دینی مدارس قومی قیادت فراہم کر سکے اور نہ جدید مروّجہ نظامِ تعلیم سے، اصلاحی اقدامات کے باوجود، متوقع نتائج برآمد ہو سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نظام ہائے تعلیم میں کچھ نہ کچھ خامیاں ضرور ہیں۔ ایک ریاست میں دو متوازی نظام تعلیم بجائے خود ایک

Marfat.com

بہت بڑی خامی ہے اس کی کسی حالت میں اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔

۴.۳ ——— ہمہ گیر اصلاح کی ضرورت

اوپر کی بحث سے یہ امر واضح ہو گیا کہ مذکورہ بالا تعلیمی نظام ایک نظریاتی ریاست کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ ایک نظام صرف دینی امور کے چند پہلوؤں پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے اور نظامِ حکومت چلانے کی صلاحیت پیدا کرنے سے اغماض برت رہا ہے اور دوسرا صرف معاشی ضروریات کسی حد تک پوری کر سکتا ہے اور اصلاحِ احوال کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں ہے۔ اس لئے یہ امر بدیہی ہے کہ ان میں سے کسی ایک نظام کو کلیتاً اپنا لینا نہ تو ہمارے ملّی تقاضوں کے لئے مفید ہے اور نہ قوم کے روشن مستقبل کی ضمانت۔ اگر حالات کی سنگینی کا صحیح طور پر اندازہ کیا جائے تو آج قوم بے اطمینانی اور بے یقینی کی جس ہیجانی کیفیت سے گزر رہی ہے اس کا اگر بروقت اور صحیح تدارک نہ کیا گیا تو کسی بھی انقلاب کو آنے سے نہیں روکا جا سکے گا اور اس انقلاب کے نتائج کیا ہوں گے، اس کی پیش گوئی کرنے کے لئے کسی پیغمبرانہ بصیرت کی ضرورت نہیں۔ نیز اسلام رہبانیت کا مذہب نہیں ہے جس میں دین و دُنیا کی دوئی کا کوئی تصوّر ہو۔ اسلام نے ہمیں دُنیا کو صحیح طریقے سے برتنے، حکومت کرنے، نظام چلانے بلکہ قوموں کی امامت کرنے کے اصول دیئے ہیں۔ جنہیں نظر انداز کر کے ہم کبھی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتے۔ کسی بھی نظام کی اصلاح کا آغاز ہمیشہ تعلیمی نظام کی اصلاح سے کیا جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے نظامِ تعلیم کی ہمہ گیر اصلاح کے لئے انقلابی اقدامات کریں۔

۴.۴ ——— اصلاح کے لیے عملی تجاویز

ا ——— نصابِ تعلیم سے قدیم و جدید اور دینی و دنیوی کی خود ساختہ تقسیم ختم کر کے ثانوی تعلیم کی سطح تک نصاب میں یکسانیت پیدا کی جائے اور دونوں نظام ہائے تعلیم کا تفصیلی جائزہ لے کر ایک ایسا متوازن نصاب مرتب کیا جائے جو ایک آزاد نظریاتی اور ترقی پسند مسلمان قوم کے ملّی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ اس نصابِ تعلیم میں قرآن، حدیث، فقہ اور عربی زبان کو شامل کیا جائے اور سکولوں میں پڑھائے جانے والے مضامین کا بار نسبتاً کم کر کے علوم اسلامیہ کے لئے زیادہ گنجائش پیدا کی جائے اور ہر دو طرح کے اداروں میں یہی نصاب لازمی قرار دے دیا جائے۔

Marfat.com

۲۔ تمام دینی مکاتب، مدارس، دارالعلوم اور جامعات کی مدارجِ تعلیم، معیارِ تعلیم اور نصاب کے اعتبار سے درجہ بندی کرکے ان کو ابتدائی، ثانوی، کلیاتی اور جامعی درجات میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کی پرائمری، مڈل، ہائی سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ساتھ درجاتی ہم آہنگی پیدا کی جائے۔

۳۔ انٹر کے درجہ میں جس طرح علم و ادب، پری میڈیکل، پری انجینئرنگ اور کامرس وغیرہ کے الگ الگ گروپ ہیں، اسی طرح اسلامک سٹڈیز گروپ قائم کیا جائے۔ جس کے لیے خصوصی نصاب تیار کیا جائے۔ جس طرح دیگر گروپس کے طلبہ اپنے اپنے شعبے کے مضامین میں کامیابی کے بعد فنی یا پیشہ ورانہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخل ہونے کے اہل ہوتے ہیں اسی طرح اسلامک سٹڈیز گروپ سے کامیاب ہونے والے طلبہ الکلیہ الشرعیۃ یا الجامعۃ الاسلامیہ میں داخل ہونے کے اہل قرار پائیں۔

۴۔ اسلامی یونیورسٹی میں انٹر کے بعد چھ سالہ کورس رکھا جائے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخِ اسلام، تقابلِ ادیان، عربی زبان و ادب، معانی و بیان، اسلام کے اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی نظام اور بقدر ضرورت منطق، فلسفہ اور سائنسی علوم کی تعلیم دی جائے۔

۵۔ انٹر اور ڈگری کلاسز کی سطح پر بشمول پیشہ ورانہ کلاسز کے تمام طلبہ کے لیے اسلامیات کو لازمی قرار دے کر ایک ایسا نصاب تیار کیا جائے جو ایک طرف ان کے عقائد و اخلاق کی تشکیل میں مدد دے سکے اور دوسری طرف ان کے منتخب کردہ مضامین کے تناظر میں ایسے آفاقی و انفسی دلائل سے مزیّن ہو جو ان کے خدا پر یقین کو مزید غیر متزلزل بنا دے۔ نیز مختلف علوم میں ترقی یافتہ قوموں سے حاصل ہونے والی تحقیقات کو صرف خام مواد کے طور پر استعمال کیا جائے اور ان کی تدوین اس نقطۂ نظر سے کی جائے کہ ہر تحقیق کے کے پس منظر میں ذاتِ خداوندی اور اس کی قدرتِ بے پایاں جلوہ گر نظر آئے۔ اس مقصد کے لئے مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ایسے محققین کی ضرورت ہے جن کے دماغ علم و حکمت سے روشن اور دل جذب و شوق سے معمور ہوں۔

۶۔ سائنس کے تمام طلبہ کے لئے مسلمان سائنس دانوں کی خدمات اور تحقیقات کو شاملِ نصاب کیا جائے تاکہ انہیں اپنے شاندار علمی ماضی سے آگاہی ہو اور روشن علمی مستقبل تعمیر کرنے کا ولولہ پیدا ہو۔

Marfat.com

۷۔ اساتذہ کے انتخاب کے لیے سخت ترین معیار مقرر کیا جائے تاکہ ہر کہ و مہ کے لیے اُستاد بننا ممکن نہ رہے۔ صرف باصلاحیت، محنتی، باکردار اور پیشے سے لگن رکھنے والے افراد ہی اس پیشے سے منسلک ہوسکیں۔ اس ضمن میں ان کی اسلامی معلومات، دینی رُجحان، سیرت و اخلاق کی پختگی اور اسلامی طرزِ زندگی کی پابندی کو ان کی علمی قابلیت کے برابر اہمیت دی جائے۔ نیز پرائمری اساتذہ سے لے کر یونیورسٹی پروفیسر تک تمام اساتذہ کے لیے سول سروسز کے طریقے پر وسیع پیمانے کا تربیتی پروگرام شروع کیا جائے۔ صرف تربیت یافتہ اساتذہ ہی تعلیمی اداروں میں خدمات کے اہل ہوں۔ نیز اساتذہ کی سالانہ ترقی اور اگلے گریڈ میں ترقی یابی کو مذکورہ بالا امور سے وابستہ کردیا جائے اور سالانہ خفیہ رپورٹوں میں اساتذہ کے فکری، علمی، عملی، نظریاتی اور اخلاقی رُجحانات اور اسلامی شعائر کی پابندی کے بارے میں واضح دفعات شامل کی جائیں۔ جن اساتذہ کے بارے میں یہ تحقیق ہو جائے کہ مذکورہ بالا اقدامات کے باوجود وہ اپنی فکری اور عملی زندگی میں اسلامی طرزِ عمل کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں یا ان کی سیرت و کردار اسلام کے واضح اصولوں اور مسلم طلبہ کی ثقافتی تربیت کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے، انہیں فوری طور پر محکمہ تعلیم سے سبکدوش کردیا جائے۔

۸۔ معلمی کے پیشے کو باوقار اور جاذبِ نظر بنانے کی غرض سے اساتذہ کے لیے پرائمری درجے سے لے کر یونیورسٹی تک سپیشل گریڈ سسٹم رائج کیا جائے تاکہ اساتذہ معاشی طور پر مطمئن ہوکر ہمہ وقت اپنے آپ کو تعلیم و تدریس کے لیے وقف کرسکیں۔ نیز معاشرے میں ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

۹۔ اسلام کے تمام مآخذ عربی زبان میں ہیں اور جب تک عربی سے براہ راست واقفیت نہ ہو اسلام کو اس کے اصلی مآخذ سے سمجھنا ناممکن ہے۔ نیز عربوں کے ساتھ ہمارے بڑھتے ہوئے برادرانہ تعلقات بھی عربی کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہیں۔ اس لیے عربی زبان کو تمام درجوں میں لازمی قرار دے دیا جائے اور عربی کی تدریس کے فرسودہ طریقے تبدیل کرکے جدید طریقہ ہائے تدریس کے ذریعے سے اس کی تعلیم آسان بنا دی جائے۔ چھٹی جماعت سے لے کر یونیورسٹی کلاسز تک قرآن، حدیث، تاریخ اسلام اور عربی ادب کے ضمن میں عربی زبان کی تدریس کرائی جائے تاکہ ایک گریجویٹ میں عربی کی اس قدر استعداد پیدا ہو جائے تاکہ وہ عربی میں تحقیقی مطالعہ کرسکے۔

Marfat.com

۱۰۔ تعلیمی اداروں کے ماحول کی اصلاح کے لیے عملی اقدامات کئے جائیں. شعائرِ دین کی پابندی کرائی جائے، نیکی اور پرہیز گاری کا ماحول پیدا کیا جائے۔ پسندیدہ اوصاف کی نشوونما اور بُرے اطوار کی بیخ کنی کے لیے سربراہان ادارہ کے فرائض و اختیارات میں اضافہ کیا جائے اور امتحان میں اسلامی شعائر کی پابندی کے خصوصی نمبر رکھے جائیں۔

۱۱۔ حکومت زکوٰۃ، صدقات اور عشر کی وصولیابی کے لیے اہل، قابلِ اعتماد اور دیانت دار افراد کا تقرر کرے اور خیراتی بنیادوں پر چلنے والے اقامتی اداروں کے اخراجات کی کفالت کے لیے مذکورہ فنڈز استعمال میں لائے۔

۱۲۔ طلبہ و اساتذہ معاشرے کا ایک حصہ ہیں اور معاشرتی طور و طریق سے فطری طور پر متاثر ہوتے ہیں. اس لیے معاشرے کی بحیثیتِ مجموعی اصلاح کے لیے ترغیب و تربیت کے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کرنے ضروری ہیں، ورنہ اس امر کا بجا طور پر اندیشہ ہے کہ تعلیم کے شعبے میں اصلاحی اقدامات کے باوجود جب طلبہ فارغ ہو کر معاشرے میں جائیں تو بدی کے اس طوفان میں بہہ جائیں جو ہمارے چاروں طرف موج زن ہے۔

اگر ان تجاویز پر خلوصِ دل سے عمل کیا جائے تو ملک سے دو متوازی تعلیمی نظاموں کا خاتمہ ہو جائے گا جو انتہائی ضروری ہے اور اس کی جگہ ایک ایسا نظامِ تعلیم آئے گا جو ایک طرف اسلامی سکالرز پیدا کرے گا اور دوسری طرف ہماری انتظامی، فنی اور دیگر تمام شعبوں کی ضروریات کے لئے قابل، اہل اور دیانتدار افراد پیدا کر سکے گا۔ اس طرح ہم ایک ایسی نسل تیار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو نہ صرف اپنے ملک، عالمِ اسلام بلکہ پوری دنیا کی امامت کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو گی۔

Marfat.com

خود آزمائی

۱ــــ دُنیا میں مُسلمانوں کی آبادی تقریباً کتنی ہے ؟ (۸۰۰ کروڑ ، ۸۰۰ ملین ، ۸۰۰ لاکھ)

۲ــــ خودمختار مُسلم ریاستوں کی تعداد کتنی ہے ؟

۳ــــ دو مُسلم ریاستوں میں اختلاف ہوجائے تو اُسے دُور کرنے کا کیا طریقہ ہے ؟

۴ــــ اِسلام نے اتحادِ ملّتِ اسلامیہ کے لیے کیا بنیادیں فراہم کی ہیں ؟

۵ــــ اتحادِ عالمِ اسلامی کے لیے صرف تین تجاویز کا ذکر کریں ؟

۶ــــ اقتصادی مسائل سے کیا مراد ہے ؟

۷ــــ فقر و فاقہ کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے ؟

۸ــــ فجر کی نماز کے بعد سونا کیسا ہے ؟

۹ــــ توکّل کا کیا مطلب ہے ؟

۱۰ــــ فقر و فاقہ انسانی فکر و فہم پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے ؟

۱۱ــــ مسلم ممالک تیل کے کتنے فیصد ذخائر کے مالک ہیں ؟

۱۲ــــ عالمی بنک نے کتنے ممالک کو غریب ترین ممالک قرار دیا ہے ؟

۱۳ انسان کی بُنیادی ضروریات کون کون سی ہیں ؟

۱۴ــــ پاکستان کا کل قابلِ کاشت رقبہ کتنا ہے ؟

۱۵ــــ پاکستان کا کتنا رقبہ زیرِ کاشت ہے اور کتنا بنجر ؟

۱۶ــــ پاکستان میں فی ایکڑ پیداوار کم ہونے کے اسباب کیا ہیں ؟

۱۷ــــ بنجر زمین کی آباد کاری کے بارے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے ؟

۱۸ــــ قومی معیشت کی تین بیماریوں کا ذکر کریں ۔

۱۹ــــ احتکار سے کیا مراد ہے ؟

۲۰ــــ سمگلنگ کیوں گناہ ہے ؟

۲۱ــــ پاکستان میں شرحِ خواندگی کیا ہے ؟

۲۲ــــ پاکستان میں دو متوازی نظامِ تعلیم کون کون سے ہیں ؟

۲۳ــــ نظامِ تعلیم میں اِصلاح کے لیے آپ کیا تجاویز پیش کرتے ہیں ؟

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com